

دعوت و تبلیغ احکام و مسائل

مفتی ابوبکر جابر صاحب قاسمی مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی
خادم کہف الایمان ٹرسٹ حیدر آباد خادم دارالعلوم رشیدیہ حیدر آباد

”اسلام میں شعبہ دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام، غیر مسلموں اور مسلمانوں میں دعوتی کام میں پائے جانے والے غلط افکار و اعمال کی اصلاح، پیش آنے والے فقہی مسائل بہت سے حساس علمی اشکالات کے تشفی بخش جوابات موجود ہیں، یہ سب کچھ قرآن و سنت و سلف صالحین کی تحریرات اور حوالہ جات کی روشنی میں، ایک کامیاب داعی بننے کے لیے مفید اور جامع مواد“

جملہ حقوق بحق مصنفین محفوظ ہیں

پہلا ایڈیشن: ۱۴۴۳ھ - ۲۰۲۱ء

نام کتاب : دعوت و تبلیغ احکام و مسائل
مؤلفین : مفتی ابو بکر جابر قاسمی 9885052592
مفتی احمد اللہ نثار قاسمی 9989497969
صفحات : 300
کمپیوٹر کتابت : مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری، 8801198133

ناشر

کہف الایمان ٹرسٹ
صفدرنگر، بورا بنڈہ، حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)

ملنے کے پتے

- ✽ مکتبہ فیصل دیوبند
- ✽ مدرسہ کہف الایمان ٹرسٹ، صفدرنگر، بورا بنڈہ، حیدرآباد (تلنگانہ اسٹیٹ)
- ✽ دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانگی، مغلوپورہ، حیدرآباد۔ 66710230-040
- ✽ مکتبہ کلیمہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی، حیدرآباد۔
- ✽ مکتبہ نعیمیہ دیوبند، یوپی۔

فہرست مضامین

- ❖ ۱۲ کلمات تبریک (حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب مفتاحی)
- ❖ ۱۳ تقریظ (حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب)
- ❖ ۱۸ پیش لفظ (فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب)
- ❖ ۲۲ پیش لفظ (ترجمان اہل سنت مولانا عبدالقوی صاحب)
- ❖ ۲۵ پہلی بات
- ❖ ۲۹ تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ
- ❖ ۳۰ دوسرے شعبہ میں کام کرنے والے
- ❖ ۳۲ دعوت و اصلاح کا کام ہمیشہ چلتا رہا
- ❖ ۳۵ انفرادی اعمال اور خدام دین
- ❖ ۳۶ دعوت صرف غیر مسلموں کے لیے نہیں
- ❖ ۳۸ فی سبیل اللہ اور نصوص قتال
- ❖ ۴۰ تبلیغی جماعت بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا مصداق
- ❖ ۴۰ جہاد فی سبیل اللہ پر مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پالنپوری کی تحقیق
- ❖ ۴۸ توکل کا شرعی مفہوم
- ❖ ۴۹ حدیث شریف کو حنفی شافعی مت بنائے
- ❖ ۵۰ عمل اور دعوت دونوں ضروری

- ۵۱ * ایک مغالطہ
- ۵۳ * نہی عن المنکر، ازالہ منکر احکام و آداب
- ۵۶ * دعوت اسلام کے مواقع اور امکانات
- ۵۸ * نو مسلم بھائی بہن کی مشکلات
- ۶۰ * دعوت ایمان افضل ہے یا دعوت اصلاح؟
- ۶۵ * قرب الہی کے دور استے
- ۷۰ * قرب بالفرائض کی ترجیح و فضیلت کے وجوہ
- ۷۶ * تبلیغ دین کے لیے ایک اصول
- ۷۸ * عوامی حلقوں کی غلطی
- ۷۹ * تقابل ختم کرنے کا طریقہ
- ۷۹ * محنت کے الگ طریقے ہو سکتے ہیں
- ۸۰ * سب سے مشکل چیز، اعتدال
- ۸۲ * رسمیت پیدا ہو ہی جاتی ہے
- ۸۳ * ایک لطیفہ سے سمجھیں
- ۸۳ * نبی اور مجدد کے کام میں فرق
- ۸۴ * ایک حقیقت
- ۸۶ * تمام فرض کفایہ کا اہتمام امت مسلمہ کی ہمہ جہتی ترقی کا ضامن
- ۸۹ * غیر مسلموں میں دعوت دین کی اہمیت علماء امت کی نظر میں
- ۹۰ ① حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں
- ۹۱ ② حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں
- ۹۲ ③ حضرت مولانا حفظ الرحمان صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں
- ۹۳ ④ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

- ۹۵ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ﴿۵﴾
- ۹۶ حضرت مولانا حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ﴿۶﴾
- ۹۶ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ﴿۷﴾
- ۹۹ مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ﴿۸﴾
- ۱۰۱ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ﴿۹﴾
- ۱۰۲ مولانا مفتی عاشق الہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں ﴿۱۰﴾
- ۱۰۳ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی حفظہ اللہ کی نظر میں ﴿۱۱﴾
- ۱۰۴ مولانا اخلاق حسین قاسمی کی نظر میں ﴿۱۲﴾
- ۱۰۶ حضرت مولانا عتیق الرحمن سنہجلی کی نظر میں ﴿۱۳﴾
- ۱۰۷ ﴿﴾ غیر مسلموں میں دعوت اسلام کچھ غلط فہمیاں
- ۱۰۷ ﴿﴾ پہلی غلط فہمی
- ۱۰۷ ﴿﴾ دوسری غلط فہمی
- ۱۰۸ ﴿﴾ تیسری غلط فہمی
- ۱۰۹ ﴿﴾ کیا ہم نے اتمام حجت کر دیا؟
- ۱۱۰ ﴿﴾ چوتھی غلط فہمی
- ۱۱۰ ﴿﴾ پانچویں غلط فہمی
- ۱۱۱ ﴿﴾ چھٹویں غلط فہمی
- ۱۱۱ ﴿﴾ ساتویں غلط فہمی
- ۱۱۲ ﴿﴾ آٹھویں غلط فہمی
- ۱۱۳ ﴿﴾ نویں غلط فہمی
- ۱۱۴ ﴿﴾ محنت اقدامی کاموں میں صرف ہو
- ۱۱۴ ﴿﴾ دسویں غلط فہمی

۱۱۵	گیارہویں غلط فہمی	✽
۱۱۶	بارہویں غلط فہمی	✽
۱۱۶	تیرہویں غلط فہمی	✽
۱۱۷	چودھویں غلطی	✽
۱۱۸	پندرہویں غلط فہمی	✽
۱۱۹	عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ	✽
۱۲	تفسیری فوائد	✽
۱۲۴	مرتد طبقہ میں دعوتِ دین	✽
۱۲۴	مسلمانوں میں تصویر کے دورخ	✽
۱۲۵	ارتدادی سرگرمیوں کے تین محور	✽
۱۲۵	ہندو تنظیم کی کاوشیں	✽
۱۲۵	عیسائی مشنری اور ان کے کام کے تین محاذ	✽
۱۲۱۷	قادیانیت کی دیہی کاوشیں	✽
۱۲۷	پس چہ باید کرد؟	✽
۱۳۰	مرتد مسلمانوں میں دعوت کا طریقہ کار	✽
۱۳۵	لسانِ قوم کی اہمیت	✽
۱۳۸	مقامی زبانوں سے واقفیت	✽
۱۴۱	دعوتِ دین دیا ر مغرب میں	✽
۱۴۱	مغربی ممالک میں دعوتِ دین کی اہمیت	✽
۱۴۱	مغربی ذہن سائنٹفک ذہن ہے	✽
۱۴۲	مغرب کی بے راہ روی کا علاج صرف اسلام	✽
۱۴۳	مغرب میں دعوت کے راہوں کی سازگاری	✽

- ۱۴۳ مغرب میں موجود مسلمان ایک عملی نمونہ ہے ❀
- ۱۴۵ مغربی تہذیب سے مرعوبیت نہ ہو ❀
- ۱۴۵ سارا مغرب اسلام مخالف نہیں ❀
- ۱۴۷ غیر مسلموں سے تعلقات کے حدود ❀
- ۱۴۸ کرسمس میں مبارک باد دینا اور کیک کھانا ❀
- ۱۴۹ پرساد کھانا ❀
- ۱۵۰ برتھ ڈے میں شرکت ❀
- ۱۵۰ نئے سال پر کیک بیچنا ❀
- ۱۵۱ راکھی، دیوالی، وغیرہ تہواروں کا سامان بیچنا ❀
- ۱۵۲ دیوالی پر مبارکبادی دینا ❀
- ۱۵۳ غیر مسلموں کو مصحف دینا ❀
- ۱۵۴ زمزم دینا ❀
- ۱۵۵ قربانی کا گوشت دینا ❀
- ۱۵۵ زکوٰۃ کے علاوہ صدقات نافلہ غیر مسلموں کو دینا ❀
- ۱۵۶ مسلمانوں کی غیر مسلم بھائیوں کی آخری رسوم میں شرکت اور مدد ❀
- ۱۵۹ نو مسلموں کے فقہی احکام ❀
- ۱۵۹ حالت کفر کے احکام ❀
- ۱۶۵ کفار کا حالت کفر میں کیا ہوا نکاح درست ہے ❀
- ۱۶۵ حالت کفر میں محرم سے کیا گیا نکاح ❀
- ۱۶۶ حالت کفر کی چار سے زائد بیویاں ❀
- ۱۶۷ ماں یا بیٹی سے نکاح ❀
- ۱۶۸ کوئی ایک اسلام قبول کر لے ❀

- ۱۶۸ ہندوستان میں کیا حکم ہے؟ ❀
- ۱۷۰ مرتدین کے احکام ❀
- ۱۷۲ شوہر کا بار بار مرتد ہونا ❀
- ۱۷۳ نو مسلم کے نفقہ کے احکام ❀
- ۱۷۵ نو مسلموں کے نام کی تبدیلی ❀
- ۱۷۶ نام بدلنے میں دشواری ہو تو ❀
- ۱۷۷ نام کب بدلا جائے؟ ❀
- ۱۷۸ مختصر دستور العمل ❀
- ۱۸۰ مسلمانوں کے درمیان دعوت و اصلاح ❀
- ۱۸۰ دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت ❀
- ۱۸۲ جماعت میں جانا فرض ہے یا واجب یا سنت؟ ❀
- ۱۸۳ کیا تبلیغ علم سیکھنے سے زیادہ ضروری ہے؟ ❀
- ۱۸۳ کیا تبلیغ میں جانے کا ثواب ملے لاکھ گنا ہے؟ ❀
- ۱۸۴ جماعت میں نکلنا انبیاء کرام والا کام ہے؟ ❀
- ۱۸۶ طلبہ کا جماعت میں شرکت کرنا فتنہ کا باعث ہے؟ ❀
- ۱۸۷ رمضان میں تبلیغ میں جانا بہتر ہے یا ترتیب سے قرآن سننا؟ ❀
- ۱۸۸ ائمہ کرام پر جماعت میں جانے کے لئے زور ڈالنا؟ ❀
- ۱۸۹ علاج کو بہانہ بنا کر جماعت میں چھٹی سے زائد وقت لگانا؟ ❀
- ۱۹۰ دعوت و تبلیغ کے ساتھ تزکیہ نفس اور تعلیم و تعلم کو حقیر جاننا؟ ❀
- ۱۹۶ فضائل اعمال کتاب کا درجہ کیا ہے؟ ❀
- ۱۹۷ دعوت و تبلیغ کی محنت میں والدین کی اجازت ❀
- ۱۹۹ غیر عالم کا وعظ کہنا؟ ❀

- ۲۰۲ ❖ تبلیغ میں عورت بیان کرنا
- ۲۰۲ ❖ فضائلِ اعمال پر اصرار؟
- ۲۰۳ ❖ فضائلِ اعمال کی تعلیم کے ساتھ قرآن کا حلقہ لگانا
- ۲۰۳ ❖ تبلیغی گشت فرض ہے یا واجب؟
- ۲۰۴ ❖ گشت سے پہلے دعا کی شرعی حیثیت
- ۲۰۴ ❖ مشورہ کی دعا کی حیثیت
- ۲۰۵ ❖ بے نمازی کو نماز کی دعوت دیں یا چلہ چار مہینہ کی؟
- ۲۰۵ ❖ جماعت میں مشتبہ مال والے کی دعوت قبول کرنا؟
- ۲۰۶ ❖ کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ سے مراد
- ۲۰۶ ❖ کیا عہد صحابہ میں تبلیغ بین المسلمین ثابت ہے؟
- ۲۰۷ ❖ اللہ تعالیٰ کے راستے کی دعا انبیاء کی دعا کی طرح
- ۲۰۸ ❖ قیامت کے دن سورج سوانیزے کا صحیح مطلب؟
- ۲۰۸ ❖ کونے پکڑ لینے سے کیا ہوگا
- ۲۰۹ ❖ تَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ کی وضاحت
- ۲۱۰ ❖ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ کا مطلب
- ۲۱۰ ❖ کیا قیامت میں بے نمازی کو خنزیر بنا دیا جائے گا؟
- ۲۱۱ ❖ دارالعلوم دیوبند کا ایک مدلل و مفصل فتویٰ
- ۲۱۲ ❖ مکتب کی تعلیم یا گشت؟
- ۲۱۳ ❖ اصلاح مدرسہ میں ہے یا تبلیغی جماعت میں؟
- ۲۱۴ ❖ کیا جماعت میں نکلنے والے کو طالب علم یا عالم کہہ سکتے ہیں؟
- ۲۱۵ ❖ تبلیغ میں بھیجے گئے اساتذہ کو تنخواہ دینا
- ۲۱۵ ❖ مساجد میں تبلیغی نصاب سنانے کا موزوں وقت

- ۲۱۶ ❁ تبلیغی اصول کی شرعی حیثیت
- ۲۱۶ ❁ بیرون سفر کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینا
- ۲۱۷ ❁ تبلیغی اجتماع کے پنڈال میں جگہ چھوڑ کر نماز پڑھنا
- ۲۱۸ ❁ تبوک کی آیات کو الیاسی تبلیغ پر منطبق کرنا
- ۲۱۹ ❁ تبلیغ میں گئے بغیر مر جائے تو ایمان سیکھے بغیر مرے گا
- ۲۱۹ ❁ کچھ اور اہم مسائل
- ۲۲۱ ❁ سفر تبلیغ کے فقہی احکام
- ❁ ایک ہی شہر کے مختلف محلوں میں چلہ لگانے والی جماعت
- ۲۲۱ ❁ مقیم ہے یا مسافر؟
- ۲۲۱ ❁ دعوتی مراکز کے مقیمین کی نیت اقامت معتبر ہے یا نہیں؟
- ۲۲۲ ❁ عمر بڑھنے سے گناہ معاف ہونے کے حدیث
- ۲۲۴ ❁ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ایک مفصل فتویٰ
- ۲۳۲ ❁ مسجد میں بلند آواز سے فضائل کی کتاب پڑھنا
- ❁ مساجد و مدارس کا دعوتی کردار
- ۲۳۴ ❁ مساجد دعوتِ دین کے مراکز
- ۲۳۵ ❁ مساجد کا علمی کردار
- ۲۳۸ ❁ مساجد اجتماع کا بہترین ذریعہ
- ۲۳۸ ❁ مؤثر خطابت کی جائے
- ۲۴۰ ❁ ہفتہ واری اجتماعات
- ❁ مسلمانوں میں دینی محنت کرنے والے
- ۲۴۲ ❁ حضرات کے لیے مختصر دستور العمل
- ۲۴۴ ❁ دینی مدارس کا دعوتی کردار

- ۲۴۴ * مدارس کی تاریخی اہمیت
- ۲۴۶ * مدارس اسلامیہ کو متحرک ہونے کی ضرورت ہے
- ۲۴۷ * ہر شعبہ میں کام کی ضرورت
- ۲۴۸ * علماء دینی تحریکوں کی سرپرستی کریں
- ۲۵۰ * غیر معتبر روایات اور بے سند باتیں
- ۳۵۳ * نور محمد سے اندھیرے میں گمشدہ ہوئی کی چمک
- ۲۶۴ * عالم کو دیکھنا یا عالم کا سونا عبادت ہے
- ۲۶۵ * میزبانی کے کھانے پر حساب نہیں ہوگا
- ۲۷۴ * اصحاب کہف کا کتا جنت میں جائے گا
- ۲۷۴ * نمک سے کھانے ابتداء کرنا یا اختتام نمک پر کرنا ثابت نہیں ہے
- ۲۷۵ * کھانے کے بعد یا پہلے میٹھا کھانا سنت ہے
- ۲۷۵ * ایک صحابی کی نماز پر گدھے کا زندہ ہونا ثابت ہے
- ۲۸۵ * بیوی سے جماع کی فضیلت
- ۲۸۶ * درودِ زہ کی فضیلت
- ۲۸۷ * دودھ پلانے کی فضیلت
- ۲۸۸ * گھر کا کام کرنے کی فضیلت
- ۲۹۷ * کچھ قابل مطالعہ اہم کتابیں
- ۲۹۷ * مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

کلمات تبریک

عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد جمال الرحمن صاحب مفتاحی دامت برکاتہم

”دعوت و تبلیغ - احکام و مسائل“ کے نام سے تقریباً پونے تین سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب مفتی ابوبکر جارا صاحب قاسمی اور مفتی احمد نثار صاحب نے مرتب فرمائے ہیں، بندہ نے بیشتر حصہ اس کا سنا، اپنے موضوع پر یہ ایک جامع اور مفصل کتاب ہے اور اس میں دعوت و تبلیغ سے جڑے تقریباً تمام گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، خدمات دین پر جتنی تنظیمیں کام کر رہی ہیں ان پر نہایت مثبت تذکرہ بھی ہے اور قابل اصلاح امور پر خیر خواہانہ مشورہ بھی، نئے پیش آنے والے مسائل پر فقہی گفتگو بھی ہے اور اشکالات کے مناسب جوابات بھی، اس بات کی بھی کوشش کی گئی ہے، بیشتر مشتملات قرآن و سنت اور اکابر و اسلاف کی تحریروں میں سے لی جائیں، ساتھ ساتھ حوالہ جات میں مندرج ہیں۔

بحیثیت مجموعی نہایت اہم اور اس وقت کی شدید ضرورت پر ایک جامع اور نافع گراں قدر مراد کی حامل یہ کتاب ہے، بندہ کو نفع حاصل ہوا اور معلومات میں اضافہ بھی۔ اللہ تعالیٰ لغزشین کو جزائے خیر عطا فرمائے، اشاعت کو آسان کرے اور زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔

والسلام

(حضرت مولانا شاہ محمد جمال الرحمن مفتاحی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقریظ

حضرت مولانا محمد کلیم صدیقی صاحب دامت برکاتہم

ناظم: جامعہ امام ولی اللہ اسلامیہ، پھلت، مظفرنگر

اسلام ایک مکمل دین ہے جس نے زندگی کے تمام شعبوں میں تعلیمات بہم پہنچائی ہیں اور اس کے متبعین کے لئے ہر ہر قدم پر رہنمائی موجود ہے۔ اسلام اور اہل اسلام کا یہ امتیاز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں دو عظیم الشان سرچشموں سے سرفراز فرمایا ہے ایک کتاب اللہ اور دوسرا سنت رسول اللہ یہی دونوں وہ عظیم سرچشمے ہیں جن کے ذریعہ انسان زندگی کے تمام شعبوں میں رہنمائی حاصل کرتا ہے اور ان کے مطابق عمل کر کے وہ اپنے آپ کو رضائے الہی کا مستحق بنا لیتا ہے، کریم اللہ نے پوری انسانیت کے لیے یہ دونوں سرمدی سرچشمے عطاء کئے ہیں تو کامیاب و بامراد وہی لوگ ہونے والے ہیں جو ان سے خاطر خواہ اپنی احتیاج کے مطابق فائدہ اٹھائیں، دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز ان پر عمل پیرا ہونے میں ہے۔ تمام آسمانی کتابوں میں اور تمام نبیوں اور رسولوں کے اقوال و افعال میں جو مقام قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ کو حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں اور ان دونوں کے علاوہ اب کوئی دوسرا ضابطہ معیار حق بھی نہیں اس اعتبار سے مسلمانوں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ ان کے پاس کے ایسا ابدی و سرمدی منشور موجود ہے کہ وہ زندگی میں کسی بھی موڑ پر کہیں بھی اگر راہ حق سے بہک جاتے ہیں، منحرف ہوتے ہیں، یا انہیں کہیں حق کی تلاش ہوتی ہے تو ان کے پاس یہ نظام موجود ہے کہ واپس اپنی اصلاح کر سکتے ہیں، اپنی زندگی کی چولیس بٹھانے اور کلیں سیدھی کرنے کے لیے ان کے پاس

قرآن و حدیث موجود ہیں جو کسی بھی طرح کے شک و شبہ اور قیل و قال سے بالکل منزہ و پاک صاف ہیں اور ان میں کسی بھی قسم کے رد و بدل کی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔

دین اسلام کے مختلف شعبے ہیں اور ہر ایک کی حیثیت کسی سے کم نہیں ہے یہ الگ بات ہے کہ ملت کے لیے مختلف ادوار میں ترجیحی کاموں میں کون سا شعبہ ہونا چاہیے اس کی ضرورت و احتجاج بدلتی رہی ہے ادھر کچھ عرصہ سے اپنے حضرت والا سیدی و سندی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حکم پر اس حقیر نے جب سے برادران وطن میں دعوت اسلام کی صدا لگائی اور شور مچایا تو اللہ نے یہ بات منشرح فرمادی ہے کہ اس وقت کے ترجیحی کاموں میں دعوت اسلام ہی اہم ہے ہمارے تمام تر مسائل کا حل دعوت میں ہے، اس لئے کہ کار دعوت سے غفلت کے نتیجے میں ہم جتنا رسوا اور ذلیل ہوئے ہیں تب تک ہوتے رہیں گے جب تک ہم اللہ کا پیغام اللہ کے بندوں تک پہنچانے کے لئے متحرک نہ ہو جائیں اور ان کا حق ان تک پہنچانے کی فکر ہمیں دامن گیر نہ رہنے لگے اس لئے کہ غیر مسلموں میں دین کی دعوت کو اپنا فرض منصبی، امت پر عائد ہونے والا سب سے پہلا اور اہم فریضہ کائنات کے سارے مسائل خصوصاً ملت اسلامیہ کے سارے مسائل کا حل یہی دعوت ہے، اصل بات بھی یہی ہے کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے ختم نبوت کے فیصلہ کے بعد داعی امت بنا کر ایمان اور اسلام ان تک پہنچانے کی ذمہ داری دے کر بھیجا ہے۔

عصر حاضر میں ملت کو درپیش مسائل میں بڑا حادثہ یہ بھی ہے کہ دین کے مختلف شعبوں میں کام کرنے والے افراد میں ایک ساتھ مل کر باہمی تعاون کے جذبے کے ساتھ کام کرنا مفقود ہوتا چلا جا رہا ہے ہر آدمی اس گمان میں محصور ہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں یا جو کام میرے ذریعہ ہو رہا ہے وہ تو کام ہے اور وہی حق ہے باقی سب کچھ نہیں کر رہے ہیں، حال یہ ہے کہ اپنے کام کی اہمیت ہے دوسرے کے کاموں کی ناقدری اور ان کی محنتوں کا استخفاف ہے دین کے کسی دوسرے شعبہ سے وابستہ افراد کی حوصلہ

افزائی تو دوران کی قدر دانی و اعتراف مفقود ہے جس کی وجہ سے رب کائنات کی عطا کردہ صلاحیتیں یا تواضع ہو رہی ہیں یا پھر جس طرح سے ان کا استعمال مفید ہو سکتا تھا اور ان کے ذریعہ زیادہ نفع دین و امت کا ہو سکتا تھا وہ نہیں ہو پا رہا ہے اس مرض کو دور کرنے کے لئے اخلاص و تعلق مع اللہ کی ضرورت ہوتی ہے جس کی کمی کی بنا پر آج اس طرح کا فساد سامنے آرہا ہے ہر شخص اس فکر میں مگن ہے اور اس کی ساری تگ و دو اس لئے ہے کہ میری تنظیم سے جڑ جائے، میرے شیخ سے، میرے ادارے سے، میرے مشن سے، میری جماعت سے، میری تحریک سے اور میرے نظریہ سے جڑ جائے جب کہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ دین کے تمام شعبوں میں کام کرنے والے افراد کی یکسر قدر دانی ہوتی اور ان کا معاون بنا جاتا یا کم از کم رفیق بن کر ان کو تقویت پہنچاتے۔ ملت میں موجود اس مفسدہ سے بہت بڑا نقصان اس کو جھیلنا پڑ رہا ہے۔

ہر زمانہ میں اللہ کے با توفیق و خوش نصیب بندے اپنی محنتوں اور کاوشوں سے امت تک اسلام کی صحیح تصویر پہنچانے بالخصوص تنظیمی و تحریکی شعبوں کی اصلاح کی سعادت حاصل کرتے رہتے ہیں جس کے لیے مختلف ذرائع ابلاغ کا استعمال کیا جاتا رہا ہے انہی میں سے ایک ذریعہ تصنیف و تالیف بھی ہے ہمارے دو محترم جواں سال، جواں عزم، بالغ نظر عالم دین مفتی ابوبکر جابر قاسمی اور مفتی احمد اللہ نثار قاسمی حفظہما اللہ و رعایا ہما نے ”دعوت و تبلیغ - احکام و مسائل“ کے عنوان سے ایک گرانقدر کتاب تالیف کی جس کے لئے یہ احباب بصد خلوص شکر یہ اور دعاء کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بڑی محنت و جانفشانی سے اس موضوع پر قیمتی اور اہم مواد جمع کیا ہے اور کوشش کی ہے دین کے تمام شعبوں میں کی جا رہی کوششوں کو سراہا جائے اور ان کی اہمیت کو اس طرح اجاگر کیا ہے کہ دین کا کام کرنے والے افراد خواہ وہ کسی بھی شعبہ سے منسلک ہوں ان کی قدر و منزلت بڑھ جاتی ہے۔ زیر نظر کتاب کا اسی فیصدی مواد ہمارے سامنے ہے جس کے نتیجہ میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اس کا مطالعہ اس طور اہم ہے کہ اس میں:

☆ دعوت و تبلیغ کی تحریکات اور بالخصوص ہندوستان میں کی جانے والی کوششوں کے تئیں قرآن و حدیث سے اور فقہاء کی آراء معتبر و مستند کتب سے مراجعت کر کے صحیح موقف تک پہنچنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے۔

☆ اسلام میں دعوت و تبلیغ کی اہمیت و ضرورت اور اسکی شرعی حیثیت کو اصولی انداز میں اجاگر کیا گیا ہے جس کے لیے معتبر علماء کرام کی آراء ان کے فتاویٰ کو بھی شامل کر لیا ہے تاکہ بات مستند ہو سکے اور قدیم ترین علماء کی آراء سے بھی استفادہ کیا جاسکے۔

☆ غیر مسلم برادران وطن اور مسلمانوں میں اصلاح و تربیت کے تعلق سے کی جانے والی کوششوں کا جائزہ لیا ہے اور فقہ الدعویہ پر سیر حاصل گفتگو کر کے متوازن افکار و نظریات کو جمع کیا ہے جو کہ وقت کا تقاضہ بھی ہے۔

☆ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہم ترین فریضہ سے روشناس کرانے کے لئے علمی انداز میں کافی مواد پیش کیا گیا ہے۔

☆ غیر مسلموں میں دعوت اسلام اور مسلمانوں میں اصلاح کی لائن سے جاری عملی سلسلہ کی معتدل ترجمانی کی گئی ہے۔ اور ہر ایک میں پائی جانے والی افراط و تفریط کو دور کرنے کے لیے لائحہ عمل پیش کیا ہے۔

☆ تنظیموں اور تحریکوں کا تعارف نیز ان کے ذریعہ اب تک کئے جا رہے عملی اقدامات کو بھی صاحب کتاب نے خاطر خواہ جگہ فراہم کی ہے، کافی مواد پیش کر دیا گیا ہے۔

☆ بالخصوص علماء اسلام کی نظر میں غیر مسلموں تک تبلیغ اسلام کی اہمیت و ضرورت پر چوٹی کے اکابرین اہل علم میں سے ۱۳ علماء کرام کی تحریریں جمع کی گئی ہیں جن کے ذریعہ اس اہم فریضہ کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا۔

☆ دعوت دین کچھ غلط فہمیاں کے عنوان سے دعوت دین کی راہ میں داعیوں کے

لئے آنے والی مشکلات اور کار دعوت سے دوری کی بناء پیدا شدہ غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے باقاعدہ عنوان کے تحت موٹی موٹی غلط فہمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور علمی اشکالات کے جوابات دئے گئے ہیں جن سے قارئین کو کار دعوت سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔

اس کے علاوہ دعوت و تبلیغ اور تبلیغی جماعت میں نکلنا اور اس کی شرعی و دینی حیثیت، وعظ و تذکیر کا حق کس کو ہے کس کو نہیں؟ سفر تبلیغ کے فقہی احکام، مساجد و مدارس کا دینی دعوتی کردار، غیر معتبر روایات اور بے سند باتیں، کچھ قابل مطالعہ اہم کتابیں جیسے موضوعات اس کتاب کا حصہ ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف کتاب نے پوری محنت و لگن سے موضوع کا احاطہ کیا ہے نیز کوئی بھی موقف پیش کرنے میں اعتدال کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے اپنی رائے کے مقابلہ باحوالہ مستند و معتبر مواد پیش کیا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ تحقیق کے لیے دروازے کھلے ہیں جو چاہے وہ اس میدان کا شہسوار بنے۔ صحیح فکر و سمجھ اور دینی، دعوتی مزاج نیز امت کے لئے خیر کا جذبہ رکھنے والے افراد کے لئے یہ کتاب نہایت مفید و مؤثر مرقع ہے۔ کتاب کی زبان سادہ اور آسان ہے، عملی میدان میں کام کرنے والے احباب کے لئے یہ کتاب قیمتی تحفہ ہے۔ امید ہے مفتی ابوبکر جابر قاسمی صاحب کی تصنیف ”تبلیغی جماعت اور کتب فضائل حقائق غلط فہمیاں“ نے جس طرح مقبولیت حاصل کی اور اس سے بڑے تعداد مستفید ہو رہی ہے اسی طرح یہ کتاب قبولیت عامہ حاصل کرے گی اور نافع ثابت ہوگی۔

واللہ ولی التوفیق

خاکپائے خدام دین
محمد کلیم صدیقی عفی عنہ

۱۴۴۳/۲/۷ھ

۲۰۲۱/۹/۱۵ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

فقیر العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم
بانی و ناظم المعهد العالی الاسلامی حیدر آباد

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دنیا سے آخرت تک کی کامیابی کے لئے چار نکاتی پروگرام دیا ہے: اول: ایمان، دوسرے: عمل صالح، تیسرے: دعوت (تواصی بالحق)، چوتھے: ان تمام احکام کو رو بہ عمل لانے میں جن تکلیفوں، آزمائشوں اور ناگوار باتوں سے گزرنا پڑے، ان پر صبر، (عصر: ۳) ان میں سے ایمانیات کو تو قرآن مجید نے پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، جن کا خلاصہ ہم ایمان مجمل میں پڑھتے ہیں، اعمال صالحہ کا اجر و ثواب اور اس کی خلاف ورزی پر عذاب و عتاب کا تذکرہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے اور ان کی تفصیلات احادیث میں وارد ہوئی ہیں، حق کی راہ میں صبر و برداشت کا ذکر قرآن و حدیث میں تو ہے ہی، اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری سیرت اس کی عملی تصویر ہے۔

دعوت دین کا ذکر تو مختلف تعبیرات کے ذریعہ کیا گیا ہے: دعوت، تبلیغ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، شہادت حق، اقامت دین، تذکیر و غیرہ؛ لیکن عموماً یہ حکم اجمالی انداز میں آیا ہے، دعوت کا طریقہ کیا ہو؟ دعوت کے مضامین کیا ہوں؟ دعوت کے مخاطب کون لوگ ہیں؟ دعوت دینے کی شکل کیا ہو؟ ان نکات کے بارے میں اجمال سے کام لیا گیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ دعوت دین کا طریقہ کار متعین نہیں ہے، موقع و محل، مخاطب کی ذہانت، قبول کرنے کا جذبہ، خود داعی کی اپنی صلاحیت اور ماحول وغیرہ کی

روشنی میں مختلف ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ ہر زمانہ میں بزرگوں نے حالات اور ماحول کے لحاظ سے دعوت کا طریقہ کار منتخب کیا ہے، خود ہندوستان میں بڑے پیمانے پر دعوت کا کام ہوا، یہاں جزیرۃ العرب یا ایران کی طرف سے جو مسلمان آئے، ان کی تعداد بہت کم تھی، اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلم سلاطین نے سیاسی مصلحتوں اور ملک گیری کی کوششوں کی وجہ سے دعوت اسلام کی طرف بہت کم توجہ دی، زیادہ تر صوفیاء کے ذریعہ برادران وطن میں اسلام کی اشاعت کا اور مسلمانوں میں اصلاح کا کام ہوا، غرض کہ دعوت کے مختلف اسلوب اور حالات کے لحاظ سے الگ الگ طریقے ہو سکتے ہیں، جمعہ میں بیان و خطاب بھی دعوت کی ایک شکل ہے، جلسوں میں تقریر بھی دعوت ہے، انفرادی ملاقات کے ذریعہ لوگوں کو عمل صالح کی طرف لانا بھی دعوت ہے، اجتماعات کے ذریعہ لوگوں کی اصلاح بھی دعوت ہے، تصنیف و تالیف بھی دعوت ہے، غرض کہ دعوت کے مختلف اسالیب ہیں، جن کے ذریعہ ہم لوگوں کو دین کی طرف لا سکتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے خود مختلف طریقوں پر دعوت کے کام کو انجام دیا ہے، دعوت کا کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے، داعی کی نیت اور اس کے جذبہ خدمت کے لحاظ سے ان شاء اللہ وہ اجر کا مستحق ہوگا۔

دشواری اس وقت پیدا ہوتی ہے جب شریعت کی گنجائش کو کسی ایک طریقہ میں محدود کر دیا جائے، اُسی طریقہ کو ضروری سمجھا جائے، جب ایک ہی طریقہ کا ضروری ہونا ذہن میں راسخ ہو جاتا ہے تو پھر اس کو ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث کی اصطلاحات کو بھی نیا معنی پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے، اور اصلاح و تربیت اور تزکیہ کے لئے اپنے منتخب طریقہ کے علاوہ دوسرے طریقوں کو دعوت ماننے سے انکار کر دیا جاتا ہے، یہ غلو ہے، اس سے اختلاف بھی پیدا ہوتا ہے، بعض دفعہ یہ غلو بدعت کے دائرہ میں آ جاتا ہے، ذہن میں دوسرے دینی کاموں کی تحقیر آ جاتی ہے اور کسی مسلمان کو بالخصوص

دین کے کسی عمل کے انجام دینے والے مسلمان کو حقیر سمجھنا یقیناً گناہ ہے؛ اس لئے ہونا یہ چاہئے کہ جس شخص کو دعوت دین کے جس طریقہ سے مناسبت ہو، اس طریقہ کا استعمال کرے؛ لیکن دوسرے طریقہ کو حقیر نہ سمجھے، رسول اللہ ﷺ نے مختلف صحابہ کو مختلف میدانوں کے لئے تیار کیا، ایک میدان میں کام کرنے والے دوسرے میدان میں اس درجہ فعال نہیں ہوتے تھے؛ لیکن کوئی بھی شخص اپنے ساتھی کو یا اس کے عمل کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تھا؛ بلکہ اُن کو اپنے سے بہتر خیال کرتا تھا، یہ رویہ ہو تو امت کے اندر جوڑ پیدا ہوگا، سبھوں کے کام کی قدر ہوگی، اور اجتماعی کوششوں کے ذریعہ اسلام کا پیغام پوری دنیا تک پہنچے گا۔

محب عزیز فاضل گرامی مولانا مفتی ابوبکر جابر قاسمی زیدہ مجددہ ماشاء اللہ مختلف جہتوں سے دین اور علم دین کی خدمت میں مشغول ہیں، وہ ایک مقبول مدرس بھی ہیں اور کامیاب مصنف بھی، دعوت و اصلاح کے میدان میں بھی نمایاں خدمت انجام دیتے رہے ہیں، اور طویل عرصہ سے حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ کی قائم کی ہوئی دعوت و تبلیغ کی تحریک سے جڑے ہوئے ہیں، اور اس کام کا حصہ رہے ہیں، انہوں نے بجا طور پر ضرورت محسوس کی کہ دعوت دین کے موضوع پر قلم اٹھائیں، جو غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں اور اہل علم جن بے اعتدالیوں کو محسوس کر رہے ہیں، عدال و اعتدال کے ساتھ ان کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے، اسی پس منظر میں یہ کتاب تالیف کی گئی ہے، جو فکری اعتبار سے ایک اہم ضرورت کی تکمیل کرتی ہے، میرا خیال ہے کہ وہ اس کوشش میں کامیاب ہیں۔

راقم الحروف پوری کتاب کے مطالعہ کی سعادت تو حاصل نہ کر سکا؛ لیکن اس نے کتاب کے بیشتر مشمولات کو پڑھا ہے، ماشاء اللہ انہوں نے بڑے اہم گوشوں کو چھیڑا ہے، جو کچھ لکھا ہے اعتدال کے ساتھ نصیح کی زبان میں لکھا ہے اور قرآن و حدیث سے روشنی حاصل کرتے ہوئے اور بزرگوں کی تحریروں سے استفادہ کرتے ہوئے لکھا ہے،

نیز اس دعوت و تبلیغ کے کام میں جو اختلاف پیدا ہو گیا ہے، اس سے دامن بچاتے ہوئے قلم اٹھایا ہے، یہ ضروری نہیں کہ مصنف کی ہر بات سے ہر شخص کو اتفاق ہو جائے؛ لیکن اس کتاب میں جن بنیادی نکات کو اٹھایا گیا ہے، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ حقیر مولانا موصوف کو اس اہم، مفید اور ضروری کام انجام دینے پر مبارکباد پیش کرتا ہے اور دعاء کرتا ہے کہ اس کوشش کو امت کے لئے نافع بنائے۔

خالد سیف اللہ رحمانی

۱۲ محرم الحرام ۱۴۴۳ھ

(خادم: المعهد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۲۲ اگست ۲۰۲۱ء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

ترجمانِ اہل سنت مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم
ناظم اشرف العلوم، حیدرآباد

وہہ نستعین۔ اسلام کی زندگی و تازگی کا راز دعوتِ اسلام کا زندہ رہنا ہے، امام غزالیؒ نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اسلام کی چکی کا کھونٹا قطب الرجی اسی لئے فرمایا ہے، ان کا تو کہنا ہے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہی کے لئے تمام انبیاء کی بعثت ہوئی ہے، دعوت؛ ہدایت؛ انذار؛ ارشاد؛ تذکیر و تبشیر؛ ابلاغ و تبلیغ؛ تعلیم و تزکیہ وغیرہ سب اسی مبارک کام کے مختلف عنوان ہیں، انبیاء علیہم السلام ظاہر ہے کہ یہی کام امتوں میں کرتے رہے ہیں اور اسی کے ذریعہ کفر و شرک کا قلع قمع کر کے ایمان و اسلام کی شمعیں روشن کرتے رہے ہیں، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اتباع کا مشن بھی یہی تھا، ختم نبوت کی برکت سے اس امت کے شانوں پر اس عظیم کام کی ذمہ داری رکھی گئی اور امت نے اس ذمہ داری کو بہ احسن وجوہ سرانجام دیا اور دے رہی ہے۔

عام طور سے مذاہب و افکار زیادہ لمبی عمر نہیں پاتے، خود آسمانی مذاہب بھی زیادہ عرصہ اپنی اصل حالت پر قائم نہیں رہ سکے، بہت جلد علماء مذہب کے خرد بُرد اور تحریف و تبدیل کے شکار ہو گئے، برخلاف اسلام کے کہ وہ ساڑھے چودہ سو سال کا طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی نہ صرف اپنی اصل شکل میں موجود ہے بل کہ اپنے حریفوں اور بدخواہوں کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ کر کے انہیں دفع کرتا جا رہا ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ اسلام میں تذکیر یعنی یاد دہانی کا ایک سلسلہ بلا انقطاع قائم ہے جسے خود قرآن

کریم مومنین کے حق میں نافع ہونے کو یقینی بناتا اور بیسیوں مقامات پر بیسیوں عنوانات سے اس کام کو جاری رکھنے اور نہ رکھنے کی صورت میں سخت نقصان اٹھانے حتیٰ کہ عذاب کے نازل ہونے تک کی وعیدیں سناتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ دعوت و تبلیغ کے اس کام کی مختلف نوعیتیں اور مختلف طریق ہیں، جیسے علاج معالجہ اصل مقصود ہوتا ہے اور اس کے وسائل مقصود نہیں ہوتے، اسلام میں تبلیغ و تعلیم و تزکیہ مقصود اصلی ہے اُن کے ذرائع علاقوں اور زبانوں کے بدلنے کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے بل کہ بدلتے رہنا ہی حکمت و عقل کا تقاضا ہے، بس شرط یہ ہے کہ وہ ذرائع خلاف شرع نہ ہوں۔

کسی بھی کام کی خوبی اعتدال و میانہ روی ہے، افراط و تفریط سے ہر کام خراب اور مقاصد سے دور ہو جاتا ہے، کتاب و سنت میں اسی وجہ سے افراط و تفریط اور غلو و مبالغہ کی مذمت کی گئی اور اس کے مقابلے میں اعتدال و توسط کی راہ کو پسندیدگی کی نگہ سے دیکھا گیا بل کہ اس کی تاکید فرمائی گئی ہے، اس قاعدے کے مطابق دعوت و تبلیغ کا کام بھی خواہ وہ دعوت الی الایمان کا معاملہ ہو یا دعوت الی اعمال الایمان کا، پھر خواہ وہ تبلیغ کے طریق سے ہو یا تعلیم و تزکیہ کے راستے سے اعتدال و اقتصاد لازمی اور ضروری ہے جس سے کسی عالم کو تو کیا عقل عام کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔

اس معقول و مشروع اور مسلمہ حقیقت کے باوجود اس زمانے میں کارہائے نبوت کے انجام دینے اور دعوتی میدانوں میں کام کرنے والے افراط و تفریط سے محفوظ نہیں رہ سکے، اپنے منتخب و مختار کام ہی کو دعوت کے عنوان میں محدود کرنے اور اپنے نظریات و افکار اور اپنی اپنی تحریکوں جماعتوں ہی کو کتاب و سنت کے فضائل کا واحد مصداق یا حقیقی مصداق قرار دے کر اس میں نہ شامل ہونے والوں کی تغلیط یا کم از کم تنقیص کو ضروری سمجھنے لگے ہیں، یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آدمی کسی ایک کام کو اپنے لئے اپنی مناسبت و میلان کی بنیاد پر اختیار کر کے پوری یکسوئی اور تن دہی سے اس میں مشغول

رہے لیکن حق کو اسی میں دائر سمجھنا دوسروں کے کاموں اور دوسری خدمتوں کو غلط یا مرجوح قرار دینا خواہ مخواہ کی حماقت اور اپنے عمل کو قبولیت کے شرف سے محروم کرنے کا سبب ہے، کبر و غرور اور عجب پھر اس کے نتیجے میں بغض و عناد اور غیظ و غضب جیسے مہلک امراض کے وجود میں آنے کا ذریعہ ہے۔

دین کے کاموں میں اس خطرناک روش سے بچنے اور اس سے پیدا ہونے والے مہلکات سے محفوظ رہتے ہوئے کام کرنے کے لئے لازم ہے کہ آدمی کے پاس علم صحیح ہو، بنا صحیح علم کے صحیح عمل کی توقع کرنا بے کار ہے، اور علم صحیح سے مسلمانوں کو آگاہ رکھنا تاکہ اس کے ذریعے وہ غلط افکار و عقائد اور بے محل اعمال کے دنیوی و اخروی مضرات سے محفوظ رہ سکیں بھی دعوت دین میں داخل و شامل ہے، تاہم دعوت کا یہ شعبہ چوں کہ پختہ علم اور کتاب و سنت کی تعلیمات و مقاصد پر گہری نظر کا متقاضی ہے اس لئے یہ دعوت علماء راسخین کی ذمہ داری ہے، الحمد للہ علماء کرام اس ذمہ داری کو بھی ہر زمانے میں بساط بھر نباہتے رہے ہیں اور اس کی برکات بھی سامنے آتی رہی ہیں۔

زیر نظر کتاب ہمارے مخلص دوست اور راسخ العلم داعی حضرت مولانا ابوبکر جابر صاحب قاسمی مدظلہ نے کافی وسیع اور طویل مطالعے کے بعد ”دعوت و تبلیغ“ کے عنوان سے مرتب فرمائی ہے، اس میں کار دعوت کے حوالے سے مختلف عناوین کے تحت اکابر علماء کرام کی کتب سے نہایت معتبر مواد جمع کر دیا گیا ہے، اس کتاب کا مطالعہ دین کے مختلف میدانوں میں کام کرنے والے تمام دعاۃ اسلام کی آنکھوں کو سرمہ بصیرت عطا کرے گا، معتدل و صحیح راستے کو اختیار کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ مولانا کی اس محنت کو شرف قبول عطا فرمائے اور امت کو بالخصوص دعاۃ اسلام کو اس سے بھی بھرپور فائدہ اٹھانے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

والسلام علی النبی کریم

محمد عبدالقوی

۱۸ محرم الحرام ۱۴۳۳ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پہلی بات

الحمد للہ دعوت دین کے میدان میں بہت سی تنظیمیں، جماعتیں کام کر رہی ہیں، ان میں سے کسی اہل حق جماعت کی تنقیص یا بے جا تنقید ہمارا ہرگز مقصود نہیں ہے، وہ سب کام ہونے چاہئے، امت مسلمہ کو اپنی جان و مال سے اُس میں ضرور حصہ لینا چاہئے۔

اس کتاب کی ترتیب دیے جانے میں چند باتوں کا لحاظ کیا گیا:

☆ دعوت اسلام (غیر مسلموں کے درمیان) دعوت اصلاح (مسلمانوں کے درمیان) سے متعلق تمام ضروری پیش آنے والے جزئیات ہمارے سامنے آجائیں، نو مسلم کے مسائل، فرض عین و فرض کفایہ ہونا، دعوتی مواد، عام طور پر پیش کیے جانے والے اعتراضات، سماجی مشکلات، دوسری دینی محنتوں کے ساتھ تعلق کی نوعیت، اصلاح مسلمین میں کن پہلوؤں کی رعایت ہونی چاہیے وغیرہ۔

☆ عمل کا اعتدال، فکر و نظر کے اعتدال کے بغیر نہیں پیدا ہو سکتا، غلط فکر کی تشکیل، عمل میں غلو، دوسروں کی تحقیر، تعلی و برتری کا احساس پیدا کرتی ہے، بطور خاص جب کوئی کام عوامی سطح کا ہو تو فکر و عمل کی رفتار پر بار بار نظر ثانی، پیدا ہونے والے اثرات پر عمیق نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے، نیز کارکنان دعوت اور محنت کرنے والے عملہ کی تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کی روشنی میں ذہنی تربیت لازم ہے استقبال اور عوام کے رجوع کی وجہ سے پیدا ہونے والے مہلک امراض کا علاج ہو، ابتداءً بنیادیں تحریک کرتے رہے ہیں، ورنہ وہ تحریکیں بے

اثر، اپنے مقصد سے منحرف، علماء راہنہین سے مستغنی اور ملت اسلامیہ کے لیے مصیبت عظمیٰ بن جاتی ہیں۔

کوئی بھی دینی محنت یا تحریک من حیث المجموع فرشتہ نہیں ہے، سب ہی محتاج اصلاح ہیں، خیر محض کا فلسفہ کسی کے نزدیک وجود نہیں رکھتا ہے، خیر غالب ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ مسلوب الخیر ہونے کا انتظار کیا جائے، موجودہ خیر کی پوری قدر افزائی اور اُس میں حسب استطاعت عملی شرکت کے ساتھ مطلوبہ خیر کی ترغیب ہمیشہ دی جاتی رہے گی، جیسے یہ طریقہ غلط ہے کہ بعض افراد کی غلط نمائندگی یا بعض خرابیوں کی وجہ سے پورے کام کو مجروح کیا جائے ویسے ہی یہ روش بھی غلط ہے کہ اپنے عالمگیر اثرات، جزوی اصلاحات اور ابتدائی دینی شعور پیدا کر کے اتنا زعم میں مبتلا ہوں کہ کسی بھی واجبی اصلاح کرنے والی عالمی، مقامی شخصیت کو نظر انداز کر دیا جائے، یا اداروں کی طرف سے پیش کی جانے والی قابل ترمیم امور کو نفسانیت یا تنگ نظری پر محمول کر لیا جائے۔

☆ سطحی اور سرسری علم رکھنے والا شخص یا کوئی عامی جب کسی دینی تحریک سے وابستہ ہوتا ہے تو عموماً یہ خیال (مختلف اسباب و وجوہات کی بناء پر) جڑ پکڑتا ہے کہ میرے حضرت نے جو کام کیا وہ ابھی تک چودہ سو سال میں کسی نے نہیں کیا، اب بھی کوئی ایسا کام نہیں کر رہا ہے، ہمارا کام ہی قیامت تک رہے گا، مزید کسی تجدیدی کام کا تصور اور ضرورت نہیں ہے، یہ کام ہی کافی ہے دوسری دینی محنتیں جو دیگر اہم شعبہ جات کو زندہ کرنے اور رکھنے کا کام کر رہی ہیں ان کی ضرورت نہیں یا کم ضرورت ہے، ہو سکے تو انہیں بھی ہمارے اندر ضم ہو جانا چاہیے، ہمارے بڑے نے جو طریقہ محنت اپنی فکر و دعا سے طے کیا ہے وہ مجتہد فیہ نہیں بلکہ منصوص ہے، سیرت کے مخصوص مطالعہ کے نتیجہ میں طے کیے جانے والے چند محدود اعمال کو نتیجہ علم والہام یا کامیاب تجربہ سے زیادہ درجہ کا مقام دیا جائے؛ یہ وہ تعبیر کی غلطی ہے بلکہ اسلامی فکر کی تحریف ہے جو ہرگز قابل برداشت

نہیں، عوام الناس میں پہونچ کر جو مفاسد پیدا کرتی ہیں اس کا خمیازہ صدیوں سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے۔

☆ قیامت تک ہر فکر کو ناپنے تو لے کا دائمی ابدی محفوظ ترین پیمانہ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور سلف صالحین کے افکار و نظریات ہیں، جمہور علماء ربانی کی تصویب و توثیق ہے افکار و نظریات کو اسی پیمانے میں پرکھا جاتا رہے گا، حسب منشاء ربانی، تقاضہ وقت کے مطابق تحریکات پیدا ہوئی ہیں، اللہ تعالیٰ کو جب تک کام لینا ہوتا ہے کام کرتے ہیں پھر ختم ہو جاتی ہیں، کسی تحریک کے ذمہ داروں کے دباؤ میں یا اس تحریک کے غلبہ کے زیر اثر مسلمات شریعت کو نہیں بدلا جانا چاہیے۔

☆ اس کتاب کی ترتیب کے دوران یہ بات بھی پیش نظر رہی ہے کہ فقہ و فتاویٰ کی روشنی میں عوام الناس جو غلط، موضوع احادیث، غیر معتدل اقوال و تعبیرات رائج کرتی جا رہی ہے اس کی بھی تنقیح و تصحیح اچھی طرح ہو جائے، ہر آدمی اس قدر کتابیں رجوع کرے دشوار ہے اس لیے ان سب کو یکجا کر دیا گیا۔

☆ الحمد للہ! جو کچھ بھی لکھا گیا اکابر علماء کرام کی تحریرات کی بنیاد پر لکھا گیا، کوشش کی گئی کوئی بات ذاتی فکر، شخصی نظریہ، خود ساختہ سوچ اور مغرورانہ اجتہاد نہ رہے، رب کریم قبول فرما اور ہمارے لیے ذخیرہ آخرت بنا۔ (آمین بجاہ سید المرسلین)

داعی کو چاہیے کہ وہ اپنوں کے درمیان مختلف فیہ نہ بنے اور نہ ہی اختلافی مسائل کو اپنا موضوع بنائے، ہمیشہ مسلمہ متوازن بات پیش کرنا داعیوں کا امتیاز رہا، اپنے موضوع پر عوام و خواص کو ابھارتے ہوئے دھیان رہے کہ کوئی مرجوح روایت تفسیر نہ ہو، ناقابل تصریح حدیث نہ آجائے، فقہی اسباحث پر بھی اچھی نظر ہو، تعبیر ایسی مبہم، غیر واضح نہ ہو کہ دوسری دین کی محنتوں پر چوٹ آجائے، مخاطب بالعموم عوام الناس ہوتے ہیں کہیں ان کے لیے غلط فہمی یا بد فہمی کا دروازہ کھول دے، سادہ اسلوب، مثبت طرز ہی اسلوب دعوت ہے، کسی مضمون کے کہنے سے (چاہے وہ درست ہی ہو) عوامی انتشار، میدان

محنت کے سکڑنے کا ذریعہ بن رہا ہو تو داعی کو (جب کہ وہ مضمون فرض، واجب وغیرہ کے قبیل سے نہ ہو) اُسی مضمون کے کہنے پر اصرار نہیں ہونا چاہیے ہمیشہ اپنے آپ کو علماء راسخین کے ماتحت اور اہل دل کا محتاج بنائے رکھے تو کامیابی کا سفر جاری رہے گا۔

کتاب کی ترتیب کے وقت امت مسلمہ کی عمومی صورتحال پیش نظر رہی، کسی خاص تحریک یا تنظیم کے بجائے تمام ہی جامعیت و اعتدال کے حامل اکابر کی کتابوں سے عطر کشید کرنے کی کوشش رہی، راقم اور اس کے رفیق درس مفتی رفیع الدین حنیف قاسمی نے ۱۳/ سال پہلے ”تبلیغی جماعت اور کتب فضائل حقائق، غلط فہمیاں“ کتاب ترتیب دی تھی اس مواد کو اس کا مکملہ سمجھا جانا چاہیے۔ البتہ اس مرتبہ راقم کے دوسرے رفیق مفتی احمد اللہ نثار قاسمی صاحب نے کافی محنت کی۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

ابوبکر جابر قاسمی

تعلیم، تبلیغ اور تزکیہ

شریعت کے تمام احکام نبی کریم ﷺ کے جسد اطہر سے نکلے ہوئے تمام اعمال اپنے اپنے فقہی مراتب کے اعتبار سے اہمیت رکھتے ہیں، اور ہر شعبہ میں اس کے ماہرین اور کاملین کی رہبری ضروری ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مجددین، مصلحین میں بھی تقسیم کے اصول پر عمل کیا جاتا رہا ہے، کسی نے تدوین حدیث، کسی نے تدوین فقہ، بعض نے تزکیہ باطن بعضوں نے قتال و جہاد کے کارنامے انجام دیے، جیسے ہر آدمی بڑھئی، معمار (مستری) پینٹر، انجینئر اور ڈاکٹر نہیں بن سکتا لیکن انسانی ضروریات ان تمام ہنرمندوں سے پوری ہوتی ہے اسی طرح مفسرین، محدثین، مصلحین اور مبلغین کے تمام طبقات سے شریعت کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے اور ہر فن میں اس کے ماہر پر اعتماد اور اس سے استفادہ کیا جائے گا، فَاَسْأَلُوا أَهْلَ الدِّارِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ پر ہر زمانے میں بڑے بڑے ماہرین علوم و فنون اہل دل کی صحبت اختیار کرتے تھے، صرف تعلیم یا تبلیغ پر انہوں نے اکتفاء نہیں کیا، علماء دیوبند کا امتیاز ہی یہ ہے کہ انہوں نے نقوش علم کے ساتھ نفوس عمل کو ضروری سمجھا دینی نقل و حرکت کو صحبت و ذکر کے بغیر آوارگی اور جہالت قرار دیا، کوئی شعبہ دوسرے شعبہ کا بدل نہیں ہے، جیسے آنکھ، ناک اور کان، ایک دوسرے کا بدل نہیں ہیں ویسے ہی قحط الرجال کا دور ہے، جامع کمالات، ہمہ جہتی خصوصیات کی حامل شخصیات نادر ہیں جس شخصیت میں جو کمال پوا اُسے استفادہ کیا جائے اور اصلاح باطن سے ہم کسی لمحہ مستغنی اس لیے بھی نہیں ہیں کہ نفس و شیطان کی مکاریاں،

زمانے کا اتار چڑھاؤ، ہم شعبہ ساتھیوں کی طرف سے آنے والے حالات میں معلم اور داعی جب تک کسی اہل دل سے مشورہ نہ کرے قدم جمتے نہیں، محنت کا رخ بھی درست نہیں رہتا، عجب، کبر، دولت اور عورت کی گھاٹیاں آدمی پار نہیں کر سکتا ہے، خارجی محنت اور داخلی محنت کا توازن کیسے برقرار رکھا جائے، گھر اور مسجد میں وقت کی تقسیم کیسے ہو؟ ان سب امور میں ہمہ وقت یا بروقت دستیاب مشیر ضرور چاہیے۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ پہلے رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دس سالہ صحبت کے بعد اپنے استاد شیخ الہند کے مشورہ سے مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع ہوئے، ان سب کے انتقال کے بعد مولانا عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مشورہ کے بغیر دعوت کا کوئی قدم نہیں اٹھایا کرتے تھے تفصیل کے لیے ذیل کی کتابوں کا مطالعہ کریں:

شریعت و طریقت کا تلازم شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ

تزکیہ و احسان مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ

تزکیہ و احسان اور اکابر تبلیغ مولانا قطب الدین ملاً

خوب یاد رکھیے! اکرام دلی تعظیم کا نام ہے ظاہری اداکاری کا نام اکرام نہیں ہے، تالی دو ہاتھ سے جب بجتی ہے جبکہ دونوں میں قوت ہو اسی طرح مجالس میں دسترخوانوں پر جوڑنے کے ساتھ طرفین میں خلوص کی قوت ضروری ہے۔

دوسرے شعبہ میں کام کرنے والے

انسان اپنے شعبہ میں کام کرتے ہوئے دوسرے شعبہ والے کو اپنا معاون اور محسن سمجھے، خلوت و جلوت میں ان کا اعتراف اور ان پر اعتماد کا اظہار کریں، غلطیاں ہر شعبہ میں کام کرنے والوں میں ہوتی ہیں صرف اپنے کارناموں اور کارگزاریوں سے واقف ہو کہ دوسروں کے کام کو بے اثر بے یا فائدہ نہ قرار دیں، قیامت کے قریب ہونے کے ساتھ ساتھ خواص و عوام میں باعتبار صفات کے تنزل تو ہو ہی رہا ہے، ہر شعبہ کے موجودین کی

قدر کریں، مرحومین سے موازنہ کر کے موجودین سے اپنے آپ کو محروم نہ کریں۔

☆ متقدمین کی مثال: محدثین کرام، فقہاء کرام سے فرماتے تھے: ”انتم الاطباء ونحن الصيادلة“ تم ڈاکٹر ہو، ہم دوا ساز ہیں، یعنی آپ جانتے ہو کہ کونسی حدیث کا پس منظر اور اس سے ثابت ہونے والے احکام کیا ہیں، ہم سند حدیث، الفاظ حدیث کی حفاظت کا کام کرتے ہیں۔

☆ سرکاری اور حکومتی مختلف شعبہ جات میں جیسے غیر معمولی تعلق رہتا ہے اسی طرح دینی محنتوں میں بھی ہونا چاہیے، تاجر مختلف چیزوں کے کاروباریوں سے گہرا تعلق رکھتا ہے اسی طرح دینی خدام کا تعلق بھی تمام دینی خدمات سے ہونا چاہیے اگر لڑکے لڑکیوں کو مدرسہ میں داخلہ دلوانا ہے تو اہل مدارس کا، کہیں فرقہ مضالہ سے مقابلہ، مناظرہ کی ضرورت ہو تو مجلس تحفظ ختم نبوت، غیر سودی نظام کا تعارف کروانے کے لیے ماہرین اسلامی معیشت، تنازعات کے حل کے لیے دارالقضاء کا رخ کیجیے، ماہرین نظام مکاتب کا سہارا لینا پڑے گا اگر شہروں، دیہات میں مکتب قائم کرنا ہے اور بہت کچھ۔

☆ پورے جسم میں اگر ایک عضو بھی بیمار ہو تو پورا جسم بے قرار ہو جاتا ہے اسی طرح کسی بھی حکم شرعی یا کسی بھی جُز و دین کی کمزوری اور اضمحلال پر پوری امت مسلمہ کو کوشش کرنا چاہیے ”سوچنے کی بات یہ ہے کہ پورا جسم سلامت ہو مگر صرف ناخن میں تکلیف ہو تو انسان اس کے علاج کے لیے فکر مند ہو جاتا ہے اسی طرح ہماری نظر بطور خاص ان اعمال اور ان شعبوں پر ہونی چاہیے جو مردہ ہو رہے ہیں، یا جس کا تذکرہ نہیں ہے، یا امت مسلمہ کی ان کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں ہو پارہی ہے۔“ (۱)

☆ ایک جنازہ نظر آئے جسے دو آدمی اٹھا رہے ہیں دو یا چار اور آجائیں اور اٹھانے والوں کی مدد کریں تو وہ دو شخص خوش ہو جاتے ہیں، اسی طرح اگر دوسرے شعبہ

والے آجائیں، یا اسی شعبہ میں کام کرنے والے دوسرے افراد حصہ لینا چاہیں، ایک خانقاہ کے علاوہ دوسرے خانقاہ، ایک مدرسہ کے بعد دوسرا مدرسہ آجائے تو خوش ہونا چاہیے کہ دین کا جنازہ اٹھانے میں اس کے احیاء اور نشاۃ ثانیہ میں مدد کرنے والے اور آگئے ہیں۔ (۱)

☆ حضرت شاہ ابرار الحق ہر دوئی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی محنت کا موازنہ اور تقابل ہونے لگا تو حضرت نے فرمایا: مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر غلبہ ”غیرت“ تھا، اس لیے وہ فرماتے تھے جو آدمی آئے اصول و آداب کے ساتھ آئے، نتیجتاً ان کا فائدہ ”تام“ ہوا مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر ”غلبہ شفقت“ تھا وہ فرماتے تھے الیاس چاہے ذلیل ہو جائے مگر اللہ کا دین عزیز ہو جائے نتیجتاً ان کا فائدہ عام ہوا۔

☆ اخلاص اور اعتدال کا تھرمائیٹر یہ ہے کہ دوسرے کو کسی بھی طرح کا دین کا کام کرنا ہوا دیکھ کر اگر خوشی کی کیفیت ہو تو سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کر رہے ہیں اور اگر تکلیف یا تنگی محسوس ہو رہی ہے تو سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنی ذات کے لیے کر رہے ہیں، مثلاً ہم جس کام کو کر رہے ہیں وہ کافی ہے، ان کی کیا ضرورت ہے، ان کا کام ہماری مسجد میں نہیں ہونا چاہیے، ایڈ جسٹ یا ترتیب بنانے کے بجائے اس کام کے لیے رکاوٹیں کھڑی کی جائیں تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ خدا کے دین کا تحفظ مقصد نہیں ہے بلکہ ذات، تنظیم یا انفرادیت کا تحفظ مقصد بن چکا ہے۔

دعوت و اصلاح کا کام ہمیشہ چلتا رہا

اسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں اصلاح و انقلابِ حال کی کوششوں کا تسلسل

(۱) ملفوظات حضرت ابرار الحق ہر دوئی، راوی مولانا عبدالقوی صاحب دامت برکاتہم، حیدرآباد، ناظم ادارہ اشرف العلوم۔

رہا، ممتاز شخصیتوں اور تحریکوں نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق دین کے احیاء اور تجدید اور اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت میں حصہ لیا جن کی مجموعی کوششوں سے اسلام زندہ اور محفوظ شکل میں اس وقت موجود ہے اور مسلمان ایک ممتاز امت کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔

اچھے اچھے سنجیدہ حلقوں میں یہ خیال قائم ہو چکا کہ ”اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ میں اصلاح و تجدید اور انقلاب حال کی کوشش مسلسل نہیں رہی، درمیان میں طویل خلا ہے کئی کئی صدیوں کے بعد کچھ شخصیات میں ابھرتی رہی ہے جنہوں نے حالات سے کشمکش کی، وہ لوگ فکری اور عملی حیثیت سے کوئی ممتاز مقام رکھتے تھے، ورنہ عام طور پر پوری تاریخ میں متوسط درجہ کے لوگ نظر آتے ہیں جو عہد انحطاط کی عام سطح سے بلند نہیں تھے ان کے علمی و عملی کارناموں میں کوئی جودت اور ندرت نہیں پائی جاتی، پس پورے چودہ سو سال میں ۷/۸ لوگ ہی مستثنیٰ ہیں جنہوں نے کچھ کام کیا۔

یہ باطل نظریہ گمراہ خیال معمولی نہیں ہے یہ اسلام کی اندرونی صلاحیت و طاقت سے ایک طرح کی بدگمانی اور مایوسی ہے گویا یہ کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دین کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے انہوں نے پورے زمانے میں ضرورت کے آدمی اور اہل دعوت و عزیمت کو نہیں پیدا کیا حقیقت میں ایک ذہنی شکست خوردگی اور احساس کمتری ہے جس کی کوئی علمی بنیاد نہیں“ (۱) حالانکہ پوری تاریخ اسلام میں تقاضہ وقت کے مطابق مجددین کا پیدا ہونا اسلام کی ایسی خصوصیت ہے جس کی نظیر دوسری اقوام اور دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی ہے۔

متقدمین اکابرین کے بارے میں یہ تبصرہ و تنقید کا کام بہت اچھا لگتا ہے کہ ”انہوں نے یہ کام کیا انہیں تو یہ کرنا چاہیے تھا“ میدان جنگ کا فوجی زیادہ جانتا ہے کہ کونسا پیئٹر ابدلنا چاہیے، کونسے محاذ پر جانا چاہیے، موجودہ زمانے کے رجحانات اور خیالات کے پیمانہ

میں گزشتہ کی عظیم شخصیت کے کام کو ناپ کر اُس کے کام کو ناپ کر قرار دینا یا کامیاب قرار دینا انصافی اور کوتاہ نظری ہے، اپنی یا ان کی حیثیت کو نہ جاننے کی علامت ہے۔ (۱)

ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ہماری تحریک (دعوت و تبلیغ) کی ہم عصر دینی تحریکات یا دینی ادارے منصوص چیزوں کو مقصد بناتے ہوئے اور اپنی مخلصانہ صوابدید کے مطابق کسی طرز پر کام کر رہے ہیں تو ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہمیں ان کا اعتراف کرنا چاہیے ان کی کامیابی کی دعائیں دینا چاہیے ان سے تعلقات بڑھانا چاہیے اس لیے کہ وہ دین کے بعض اہم شعبوں کو سنبھالے ہوئے ہیں اور اس طرح انہوں نے ہم کو موقع دیا کہ دوسرے کاموں سے مطمئن و یکسو ہو کر اپنا کام کریں، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدارس کے لئے دعائیں کرتے تھے، اور اپنے خاص مجبین کو ان کی اعانت کرنے کی طرف توجہ دلاتے تھے۔

ایک بات یہ بھی یاد رکھنی چاہیے! کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے، اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی تحریک یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کر سکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کر سکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق غذا فراہم کر سکتی ہے کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے، کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی ذریعہ سے متاثر کیا جاسکتا ہے اس طرح ایک واحد طریقہ کار سے ہر جگہ ہر ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے اس حقیقت کو سمجھنے اور اس کے مطابق چلنے میں لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگ قابل قدر اور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص ان ہی کے مخصوص طرز پر کام نہ کرنے لگے حالانکہ عمومی اور انقلابی تحریکوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہے اور اس میں وہ دوسروں سے ممتاز

(۱) دیکھئے: دین کی خدمت اور دعوت و تبلیغ کے مختلف طریقے، خطاب مولانا محمد سلیم دھورات بانی و شیخ الحدیث اسلامک دعوہ اکیڈمی لیسٹر، یو کے، جس پر ہندو پاک کے تمام اکابر کی تقریظات موجود ہیں۔

ہے اور جس کو وہ دوسروں کے مقابلہ میں بہتر انداز میں انجام دے سکتا ہے۔
 ہم کو تو دوسری دینی کوششوں اور ان کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ
 انہوں نے بہت سوں کو سنبھال لیا جو ہماری گرفت میں نہیں آسکتے تھے یہ اللہ کی طرف
 سے انتظام سمجھنا چاہیے کہ کچھ لوگ اس راستے سے دین تک آجائیں اور کچھ لوگ اُس
 راستے سے آجائیں۔ (۱)

ہمارے یہاں ایک مصیبت یہ ہے کہ جب کوئی آدمی کوئی کام شروع کرتا ہے تو
 جب تک اس کام کو فرض عین نہیں کہتا اس وقت تک اس کو چین نہیں آتا ہے اور جب تک
 وہ یہ نہ کہہ دے کہ جو آدمی یہ کام نہیں کر رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں اس وقت تک اس کو چین
 نہیں آتا، دوسرے کے کاموں پر تنقید کرنا، اپنے کام کی اہمیت جتانے کے لیے ضروری
 سمجھا جاتا ہے، اہل علم دین کے چوکیدار ہیں چوکیدار کا فریضہ ہے کہ اگر شہزادہ بھی دربار
 شاہی میں خلاف ضابطہ داخل ہونا چاہے تو اس کو بھی روک دے گا، حالانکہ چوکیدار
 جانتا ہے کہ میں چوکیدار ہوں اور یہ شہزادہ، تعظیم و تکریم میں اپنی جگہ ہو لیکن فرض منصبی پورا
 کرنا ضروری ہے۔ (۲)

انفرادی اعمال اور خدام دین

معلم، داعی اور خادم دین کی محنت کا ایک رخ تو مخلوق کی طرف ہے، اور ایک رخ
 یہ ہے کہ وہ اپنی ذات پر محنت کرے، تنہائیوں میں ذکر کا اہتمام ہو، نوافل بالخصوص تہجد
 سے ہرگز بے فکری نہ رہے، غافل لوگوں کو ذرا کر کیسے بنائے گا، سونے والا سوتوں کو کیسے
 جگا سکتا ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الْمَرْمُلُ ۝ قُمْ إِلَيْكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ
 قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِيْ

(۲، ۱) اللہ کا راستہ کیا ہے، ص: ۵۸ (بحوالہ دینی کام کرنے والوں میں باہمی ربط کیسا ہو؟ ص: ۱۲) از مفتی محمد
 شمشاد احمد صاحب، استاذ جامعہ اشرف العلوم، گھنگوہ۔

عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ
قِيلًا ۝ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيلًا ۝ (۱)

☆ حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جب تک اللہ کے ساتھ تخیلی نہیں ہوتی اس وقت تک تلقی (اللہ سے کچھ لینا) نہیں ہوتا۔

☆ مولانا عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر پانی چشمہ سے مسلسل نکالتے رہیں تو گدلا پانی آنا شروع ہو جاتا ہے پانی نکال کر پھر ٹھہرنا پڑتا ہے پھر نکالا جاتا ہے اسی طرح آدمی صرف مخلوق میں دین سناتا (ذکر اللہ کے بغیر) پھرے تو بجائے للہیت کے بول کے نفسانیت کا بول نکلتا شروع ہو جاتا ہے دعوت، تعلیم وغیرہ کی مصروفیت کے درمیان رُک کر اللہ کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہیے۔

☆ حضرت مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے شہد کے چھتے سے شہد نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے جسم پر چادر یا دواڈال کر مل لی جاتی ہے پھر شہد کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیتے ہیں ورنہ شہد کی مکھیاں نکالنے والے کو لپٹ جاتی ہیں، ہم پہلے قناعت، ذکر، زہد وغیرہ کی چادر اپنے دل پر ڈال کر بے دینی کے ماحول میں دعوت دینے کے لیے جائیں ورنہ بے دینی، حرص، غفلت کی مکھیاں ہمیں لپٹ جائیں گی، مزید فرماتے ہیں کہ تمہاری تنہائیاں جتنی نورانی ہوں گی اتنی ہی تمہاری خلوتیں نورانی ہوں گی، خلوتیں جتنی بے نور ہوں گی، مجالس بھی اتنی ہی بے لطف و بے اثر ہوں گی۔

دعوت صرف غیر مسلموں کے لیے نہیں

ابھی تک ایک طبقہ اس غلط فہمی میں ہے کہ دعوت کا کام صرف غیر مسلموں میں کیا جانا چاہیے، مسلمانوں کو کیا ضرورت ہے، یاد رکھنا چاہیے۔

☆ قرآن کریم میں ہے! ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا“ اے ایمان والو! ایمان لاؤ

ایمان کے ساتھ حقیقی ایمان بنانے کی دعوت دی جا رہی ہے، وہ طاقت ایمانی جو

☆ عبادات کے بعد معاملات و معاشرت اور اخلاقیات کی تکمیل تک لے جائے۔
 ☆ مسلمانوں کی صورت حال ایسی بنتی جا رہی ہے کہ غیر مسلم کے لیے اسلام میں داخل ہونے سے رُکاوٹ بن چکے ہیں، غیر مسلموں کو اسلام سے قریب کرنے کا ایک نہایت موثر طریقہ یہ ہوگا کہ روایتی، روایتی اور پشتینی مسلمانوں کو حقیقی مسلمان بنایا جائے۔

☆ غیر مسلم اسلام میں داخل ہونے کے بعد اس کے معاشی معاشرتی مسائل تب ہی حل ہو سکتے ہیں جب کہ مسلمانوں میں انصار صحابہ کا جذبہ خدمت ہو، مہمان تو آنے تیار ہو مگر میزبان یعنی قدیم مسلمان اس کی مہمان نوازی کے لیے تیار نہ ہو تو کیا کیا جاسکتا ہے؟

☆ بے شک انبیاء کرام علیہم السلام کی ایک تعداد غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرنے کے لیے آئی، لیکن انہیں میں کی ایک تعداد جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء خود اُس زمانے کے کلمہ گو اور اولاد انبیاء کی اصلاح کے لیے بھی مبعوث ہوئے ہیں۔

☆ حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم جلد اول کی ابتداء میں ذکر کئے گئے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو جیسے غیر مسلم افراد و اقوام کی طرف دعوت اسلام کے لیے بھیجا جاتا، اسی طرح اُن لوگوں کی طرف بھی بھیجا جاتا جو مسلمان ہو چکے ہیں اور وقتاً فوقتاً نازل ہونے والے احکام سے ناواقف ہیں۔

☆ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان دعوت کا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری پوری کرنا ہے ہے فضائل تبلیغ (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ) میں وہ سارے فضائل اور وعیدیں موجود ہیں جو اس کام کے سلسلہ میں قرآن و حدیث میں وارد ہیں۔

فی سبیل اللہ اور نصوص قتال

خلاصہ بحث و تحقیق کے طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ”فِی سَبِيلِ اللّٰهِ“ کا استعمال قرآن و حدیث میں تین مصداق اور تین معنی میں ہوا ہے:

① ”فِی سَبِيلِ اللّٰهِ“ زکوٰۃ کا خاص مصرف جو سورۃ توبہ میں موجود ہے جس کے خاص شرائط اور اوصاف استحقاق ہیں۔

② بعض جگہوں پر ”فِی سَبِيلِ اللّٰهِ“ تمام اعمال خیر کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اس کی تفصیلات مولانا رفیق امجد صاحب بنگلہ دیشی نے حضرت مولانا نعمت اللہ اعظمی دامت برکاتہم (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند) کی نگرانی میں ”اَوَّلَیْسَ فِی سَبِيلِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ قُتِلَ“ کا رسالہ مرتب کیا کہ قرآن میں کہاں کہاں فی سبیل اللہ تمام امور خیر میں اور کہاں عمل قتال کے بارے میں مخصوص ہے، ہم نے اس رسالہ کا خلاصہ اپنی کتاب ”تبلیغی جماعت اور کتب فضائل حقائق، غلط فہمیاں“ میں نقل کر دیا ہے ابھی ماضی قریب میں ہندوستان کے جلیل القدر عالم دین مولانا عبید اللہ سعدی صاحب دامت برکاتہم (استاذ افتاء و حدیث جامعہ عربیہ ہتھورا، باندہ، یوپی) کی زیر نگرانی ۶۲/ احادیث نقل کی گئی ہیں جس میں واضح طور پر ۷۳ اعمال کو اللہ کا راستہ بتلایا گیا۔

③ جن احادیث میں ”فِی سَبِيلِ اللّٰهِ“ صرف قتال اور جہاد بالسیف کے معنی میں ہیں اس سے متعلق چند روایات کو حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی صاحب

استاذ حدیث جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی (مکتبہ ایمان و یقین ، بنوری ٹاؤن کراچی) نے اپنی کتاب سبیل اللہ کی تحقیق قرآن و حدیث کی روشنی میں نقل کیا۔

☆ اس سے پتہ چلا کہ ”اللہ کا راستہ“ کسی خاص محنت کے ساتھ خاص کر دینا دوسرے باقی اعمال خیر کو اللہ کا راستہ نہ ماننا کم علمی ہے دوسری طرف لفظ ”فِی سَبِيلِ اللّٰهِ“ کو بہر حال قتال کے ساتھ خاص کیا جانا بھی ایسا نقطہ نظر ہے جس پر نظر ثانی ہونا چاہیے۔

یہ بھی جمہور امت سے انحراف ہے کہ وہ آیات و احادیث جو عمل قتال کے ساتھ خاص ہیں اس کو اپنی رائج کردہ جدوجہد پر چسپاں کرنا زبردست قسم کی خیانت محسوس ہوتی ہے، سوچنا چاہیے۔

☆ اگر وہ آیات و احادیث جو قتال کے ساتھ مخصوص ہیں اگر ہر کار خیر پر استعمال کیے جائیں تو عمل قتال کی امتیازی شان کیا رہے گی؟

☆ دوسرے کار خیر انجام دینے والی تحریکات اُن روایات کو کیوں استعمال نہیں کر سکتی ہیں؟

☆ شراح حدیث، فقہا کرام کے ذکر کردہ بیانات سے ہٹ کر کوئی نئی تشریح بتانا کیا مناسب ہے؟

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بقول: ”داعی کو مشترکہ و مسلمہ باتوں سے دعوت دینا چاہیے نہ کہ کسی اختلافی لفظ سے“۔

☆ دعوت اصل ہے قتال عارض ہے کفار کو جہنم میں پہنچانا مقصود نہیں، رحمت للعالمین کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کو جنت میں داخلہ دلویا جائے، قتال میں ”شفاء غیظ“ ہے جبکہ دعوت میں ”کنظم غیظ“ ہے، اس لیے آیات و احادیث قتال کا استعمال دیگر کار خیر کے لیے بھی درست ہے، اس قول شاذ اور تفرد کو پوری امت مسلمہ پر کوئی

داعی نہیں تھو پتا ہے، یاد رکھئے دعوت ہمیشہ مذہب کی ہوئی مسلک یا ذاتی اجتہاد کی نہیں۔

امت مسلمہ کو کسی بھی کار خیر یا دینی محنت پر کھڑا کرنے کے لیے بے غبار اور متفق علیہ اتنا مواد موجود ہے کہ مذکورہ بالا پیچیدگیوں سے اپنے دامن کو بچا کر بھی زیادہ سے زیادہ طبقاتِ امت کو قریب کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بعض خواص اور اکثر عوام میں بار بار یہ جتلا یا جارہا ہے کہ تمام فی سبیل اللہ کا اولین مصداق بلکہ صرف تبلیغی نقل و حرکت ہی مصداق ہے یہ ایسی گمراہی ہے جو ڈھکی چھپی نہیں رہی، راقم الحروف خود سینکڑوں مجالس میں سُن چکا ہے، کام کی ساری خوبیوں کے باوجود یہ فکر قابل اصلاح ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اس موضوع کو خالص تحقیقی انداز میں کسی شخصیت یا تحریک کی دعوت و دفاع کے جذبہ سے خالی ہو کر متقدمین کی تحریرات کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔

تبلیغی جماعت بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا مصداق

جہاد کا اصل مقصد اعلائے کلمۃ اللہ ہے اور جو جنگ اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نہ ہو وہ ”جہاد فی سبیل اللہ“ کے دائرہ میں داخل نہیں ہے، لہذا اس کے اندر مدارس کی تدریس و تعلیم اور علماء کی تصنیفات اور تبلیغی جماعت کی دعوت وغیرہ سب عمومیت کے ساتھ کسی نہ کسی طریقہ سے جہاد فی سبیل اللہ کے عموم میں شامل ہیں، کیوں کہ ان میں بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا معنی موجود ہے۔ (۱)

جہاد فی سبیل اللہ پر مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ پالنپوری کی تحقیق

جہاد قرآن و حدیث کی ایک خاص اصطلاح ہے، اس کے معنی ہیں: دین کی حفاظت اور سر بلندی کے لئے دشمنانِ اسلام سے لڑنا۔ جاهد العدو و مجاہدة و جہاداً کے معنی ہیں: دشمن سے لڑنا۔ اور جاهد فی الامر کے معنی ہیں: کسی کام میں پوری

طاقت لگانا، پوری کوشش کرنا، اسی سے مجاہدہ ہے۔

قرآن وحدیث میں یہ لفظ مختلف طرح استعمال کیا گیا ہے، کہیں صرف جہاد اور مجاہدہ آیا ہے کہیں اس کے ساتھ فی سبیل اللہ ملا یا ہے اور کہیں اس کے بعد اللہ یا اللہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر آئی ہے، اسی طرح فی سبیل اللہ بھی کبھی تنہا آیا ہے اور کبھی جہاد کے مادہ کے ساتھ آیا ہے، پس جہاں لفظ مجاہدہ مطلق آیا ہے یا اس کے بعد فی اللہ آیا ہے فینا آیا ہے وہ آیتیں عام ہیں، مفسرین کرام ان جگہوں میں لفظ ”دین“ محذوف مانتے ہیں، جیسے (وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ) یعنی اللہ کے دین کے لئے پوری طاقت خرچ کرو، اور (وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا) یعنی جو لوگ ہمارے دین کے لئے انتہائی کوشش کرتے ہیں: ہم ان کو اپنی راہیں سنبھالتے ہیں، یہ آیات پاک دین کی ہر محنت کے لئے عام ہیں، کسی بھی لائن سے دین کی محنت کرنے والے اس کا مصداق ہیں، لیکن جہاں لفظ جہاد آیا ہے یا مجاہدہ کے مادہ کے ساتھ فی سبیل اللہ آیا ہے یا صرف فی سبیل اللہ آیا ہے مصارفِ زکوٰۃ کے بیان میں اور انفاق کی فضیلت میں تو ان سب جگہوں میں خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں، سورۃ التوبہ میں جہاں بھی اس قسم کی آیات آئی ہیں: شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ دہلوی قدس سرہ نے اور ان کی اتباع میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے ”لڑنا“ ترجمہ کیا ہے۔ اور حدیث کی کتابوں میں جو ابواب الجہاد اور ابواب فضائل الجہاد آئے ہیں وہاں بھی یہی خاص اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ آپ غور سے یہ ابواب پڑھیں فی سبیل اللہ کی ساری روایات یہاں لائی گئی ہیں معلوم ہوا کہ یہ خاص اصطلاح ہے اور جہاد کے معنی میں ہے۔

لیکن تبلیغ والوں نے ان آیات کو عام کر دیا ہے، اور عام نہیں کیا بلکہ اپنے کام کے ساتھ خاص کر دیا ہے، وہ تبلیغ ہی کو جہاد کہتے ہیں، دوسرے دینی کاموں کو مثلاً درس و تدریس اور تصنیف و تالیف وغیرہ کو جہاد نہیں کہتے، بلکہ ان کے عوام تو ان کو دینی کام بھی تصور نہیں کرتے اور جب انہوں نے دعوتِ تبلیغ کو جہاد قرار دے دیا تو جہاد کے فضائل

میں جو آیات پاک اور احادیث شریفہ آئی ہیں ان کو دھڑلے سے اپنے کام پر منطبق کرتے ہیں، یہ سلسلہ جو تبلیغ والوں نے شروع کیا ہے: صحیح نہیں، پہلے ابواب البیوع کے شروع میں میں بتا چکا ہوں کہ جہاد ایک اسلامی اصطلاح ہے، اور جب قرآن و حدیث میں یہ لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے قتال فی سبیل اللہ مراد ہوتا ہے، البتہ بعض کاموں کو جہاد کے ساتھ لاحق کیا گیا ہے، ان کے لئے یہ الحاق ہی فضیلت ہے، جیسے حدیث میں ہے:

من خرج فی طلب العلم فهو فی سبیل اللہ حتی یرجع اس میں نبی ﷺ نے طلب علم کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے، یہ الحاق ہی طالب علم کی فضیلت ہے، اسی طرح دعوت و تبلیغ کے کام کا فی سبیل اللہ کے ساتھ الحاق کیا جاسکتا ہے، اور یہ الحاق ہی اس کی فضیلت ہوگی۔ قرآن و حدیث میں فضائل جہاد کی جو آیتیں اور حدیثیں ہیں وہ سب فضیلتیں نہ طالب علم پر منطبق کی جاسکتی ہیں، نہ تبلیغ والوں پر۔ یہ خاص بات یاد رکھنی چاہیے۔ (۱)

☆ فائدہ: یہاں (ترمذی شریف کے متن میں) بین السطور میں لکھا ہے: هذا هو الجهاد الاکبر یعنی نفس سے ٹکر لینا ہی بڑا جہاد ہے، یہ ایک دوسری حدیث کی طرف اشارہ ہے، حضور ﷺ نے غزوہ تبوک سے واپسی میں جب مدینہ قریب آیا تو یہ ارشاد فرمایا، اس حدیث کا مطلب عام طور پر صحیح نہیں سمجھا جاتا۔

جب حضور ﷺ کو اطلاع ملی کہ ہرقل شاہ روم چالیس ہزار کالشکر جرار لیکر مدینہ پر چڑھائی کرنا چاہتا ہے، اور مقدمہ الجیش بقاء تک پہنچ گیا ہے تو آپ ﷺ تیس ہزار کالشکر لے کر اس کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے اور تبوک تک گئے جو جزیرۃ العرب کی سرحد پر ہے اور وہاں بیس دن کا قیام کیا، مگر کوئی مقابلہ کے لئے نہیں آیا تو آپ ﷺ ظفر مند واپس لوٹے، آگے بڑھنا مصلحت کے خلاف تھا۔ جب مدینہ منورہ قریب آیا

تو آپ ﷺ نے فرمایا: رجعنا من الجہاد الا صغر الی الجہاد الا کبر (ای ذاہبا الی الجہاد الا کبر) یعنی ہم چھوٹے جہاد سے لوٹ آئے اب بڑے جہاد کی تیاری کرنی ہے، اس حدیث کا بعض لوگوں نے یہ مطلب سمجھا ہے کہ تیر و تفنگ کی لڑائی تو لڑ چکے اور یہ چھوٹا جہاد تھا، اب دل سے لڑنا ہے یعنی خانقاہوں میں بیٹھ کر اللہ کرنا ہے اور یہ بڑا جہاد ہے، دعوت و تبلیغ والے بھی یہی کہتے ہیں تبلیغ کے لئے نکلنا بڑا جہاد ہے، یہ مطلب صحیح نہیں۔

حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ فوج کو غلط فہمی نہ ہو، رومی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکے، ہم زبردست ہیں، ہم سے کوئی ٹکرائے نہیں لے سکتا، یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے، نبی ﷺ نے فرمایا: یہ تو چھوٹا معرکہ تھا آگے ان سے بڑے بڑے معرکے پیش آنے والے ہیں، لوٹ کر اس کی تیاری کرنی ہے غافل نہیں ہو جانا۔

یہ معرکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئے، مسلمانوں کی رومیوں سے ہولناک جنگیں ہوئیں، اس حدیث میں اس کی پیشین گوئی ہے، پس اس حدیث کو خانقاہی نظام سے جوڑنا یا دعوت و تبلیغ کے کام کو اس کا مصداق بتانا شاید خلاف واقعہ ہے۔ (۱)

☆ حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ کے صاحب زادے عبایہ تابعی ہیں اور تابعین کے بھی دوسرے طبقہ میں ہیں اور ان کی کوئی علمی شہرت بھی نہیں ہے، انہوں نے فی سبیل اللہ کو عام کیا ہے، تمام دینی کاموں کو اور امور خیر کو اس کا مصداق قرار دیا ہے، چنانچہ یزید جو جمعہ پڑھنے جا رہے تھے ان کے عمل کو فی سبیل اللہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت گنگوہی قدس سرہ نے بھی ابواب فضائل الجہاد کے باب ۳ میں جو حدیث آئی ہے کہ راہ خدا میں روزہ رکھنے کی یہ فضیلت ہے اس کو عام رکھا ہے، کوئی بھی دینی کام میں مشغول آدمی روزہ رکھے تو اس کے لئے وہ فضیلت ثابت

کی ہے، اور الکوکب الدری میں اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ جب یہ فضیلت عام ہے تو امام ترمذی رحمہ اللہ اس کو ابواب الجہاد میں کیوں لائے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ یہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی رائے ہے، دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ جہاد بھی امور خیر میں سے ہے اس لئے سفر جہاد میں روزہ کی فضیلت بھی اس حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔

اور سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۱ جس میں انفاق فی سبیل اللہ کی تمثیل آئی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں ان کی حالت ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت، جس سے سات بالیں اگیں، ہر بال میں سودا نے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہتے ہیں اجر بڑھاتے ہیں یعنی زیادہ سے زیادہ کوئی حد نہیں، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے خوب جاننے والے ہیں، اس آیت کو حضرت تھانوی قدس سرہ نے عام رکھا ہے، تمام وجوہ خیر میں خرچ کرنے کو آیت کا مصداق قرار دیا ہے، جہاد میں خرچ کرنے کے ساتھ آیت کو خاص نہیں رکھا۔

اور شیخ الہند قدس سرہ نے اپنے تفسیری فوائد میں گول مول بات کی ہے، حضرت کے نزدیک آیت میں فی سبیل اللہ خاص ہے یا عام: اس کا کچھ پتا نہیں چلتا، اسی طرح سورۃ التوبہ آیت ۶۰ میں جو مصارف زکوٰۃ بیان کئے گئے ہیں اس میں بھی فی سبیل اللہ کی اصطلاح آئی ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ترجمہ میں اس کو جہاد کے ساتھ خاص کیا ہے اور حضرت شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے فوائد میں ”وغیرہ“ بڑھا کر عام کیا ہے، اور فقہ کی کتابوں میں بھی کتاب الزکوٰۃ میں یہ اصطلاح زیر بحث آئی ہے، علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے بدائع الصنائع میں بڑا زور باندھا ہے کہ یہ مصرف عام ہے، مگر بحث و تمحیص کے بعد فتویٰ کے لئے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول طے پایا ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد منقطع الغزاة ہیں یعنی وہ لوگ جو اسباب نہ ہونے کی وجہ سے جہاد میں نہیں جاسکتے ان کو اموال زکوٰۃ سے سامان فراہم کیا جاسکتا ہے، اسی لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فی سبیل اللہ کا ترجمہ جہاد

سے کیا ہے۔

غرض یہ اصطلاح قرآن و حدیث میں عام ہے یا خاص؟ اس میں اختلاف ہے اور بحث و تمحیص کے بعد آخری رائے جو مصارفِ زکوٰۃ میں طے پائی ہے: وہ یہ ہے کہ فی سبیل اللہ خاص اصطلاح جہاد ہے، تمام محدثین کا طرزِ عمل بھی یہی ہے، وہ ایسی سب حدیثیں جس میں یہ اصطلاح آئی ہے: کتاب الجہاد میں لاتے ہیں، یعنی ان کے نزدیک یہ ایک خاص اصطلاح ہے اور ان میں آنے والے فضائل ایک خاص کام کے لئے ہیں۔

مگر تبلیغی جماعت کے حضرات ان روایات کو عام رکھتے ہیں، بلکہ اپنے ہی کام کو اس کا مصداق ٹھہراتے ہیں اور ان حضرات نے مشکوٰۃ سے جوابِ اب منتخب کئے ہیں ان میں پوری کتاب الجہاد شامل کی ہے، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ان کا کام بھی جہاد ہے، میری اس موضوع پر حضرت اقدس مولانا محمد عمر صاحب پالن پوری قدس سرہ سے گفتگو بھی ہوئی ہے اور مکاتبت بھی ہوئی ہے، حضرت قدس سرہ کا موقف یہ تھا کہ ہمارا کام بھی جہاد ہے، حضرت نے ایک خط میں اپنی دلیل کے طور پر ترمذی شریف کی یہی روایت مجھے لکھی تھی کہ عبا یہ نے مسجد میں جانے کو فی سبیل اللہ کا مصداق ٹھہرایا ہے، پھر دعوت و تبلیغ کا کام اس کا مصداق کیوں نہیں ہو سکتا؟ میں نے جواب لکھا کہ اول تو عبا یہ صحابی نہیں ہیں، صحابہ کے اقوال حنفیہ کے نزدیک حجت ہیں اور تابعین کے بارے میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: ہم رجال و نحن رجال یعنی ان کے اقوال ہم پر حجت نہیں، اگر کسی صحابی نے اس اصطلاح کو عام کیا ہوتا تو بات بھی تھی۔ ثانیاً: دعوت و تبلیغ ہی اس کا مصداق کیوں؟ آپ اگر چہ ”ہی“ نہیں استعمال کرتے ”بھی“ کہتے ہیں مگر جماعت تبلیغ کے عوام نے تو اس ”بھی“ کو ”ہی“ سے بدل دیا ہے، یعنی وہ اپنے ہی کام کو جہاد کہتے ہیں، بلکہ وہ حقیقی جہاد کو بھی شاید جہاد نہیں مانتے۔ جہاد کے فضائل ان کے نزدیک دعوت و تبلیغ میں منحصر ہیں۔ ثالثاً: دیگر دینی کام کرنے والے مثلاً تدریس میں

مشغول اور تصنیف و تالیف میں منہمک لوگ اپنے کام کے لئے فی سبیل اللہ اور جہاد والے فضائل ثابت نہیں کرتے، پھر جماعت ہی یہ روایات کیوں استعمال کرتی ہے؟ اس کے بعد حضرت کا اس موضوع پر کوئی خط نہیں آیا۔

البتہ ایک دوسرے خط میں حضرت قدس سرہ نے عقلی دلیل لکھی تھی کہ جہاد حسن لغیرہ ہے، فی نفسہ تو جہاد فساد فی الارض ہے اور دعوت و تبلیغ کا کام فی نفسہ حسن لذاتہ ہے، یہ دعوت الی اللہ اور دعوت الی الاعمال الصالحہ ہے، پس جو فضیلت اور ثواب حسن لغیرہ کا ہے وہ حسن لذاتہ کا کیوں نہیں؟ (۱) میں نے جواب میں عرض کیا کہ یہ ثواب میں قیاس ہے اس لئے معتبر نہیں، کیونکہ قیاس احکام شرعیہ میں چلتا ہے دیگر امور توقیفی ہیں یعنی ان کے لئے نص چاہیے، نیز اجر بقدر مشقت ہوتا ہے اور یہ بات اللہ ہی بہتر جانتے ہیں کہ کس کام میں کتنی مشقت ہے اور کس کام کا کتنا ثواب ہونا چاہیے؟ بندے یہ بات نہیں جان سکتے، اور یہاں تو بات بدیہی ہے، جہاد اصطلاحی کی مشقت کے پاسنگ کو بھی مروجہ تبلیغ کا کام نہیں پہنچ سکتا، پھر وہ اجر و ثواب اور وہ فضائل اس کام کے لئے بلکہ کسی بھی دینی

(۱) اسی طرح کی بات مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی نے فتاویٰ محمودیہ میں فرمائی: ہاں ایک بات رہ گئی وہ یہ کہ فضائل جہاد کی حدیثوں کو تبلیغ پر چسپاں کیا جاتا ہے، تو یہ بات صحیح ہے اور اس کی وجہ سے جو عام فہم ہے وہ یہ ہے کہ یہاں دو چیزیں ہیں، ایک تو یہ ہے کہ خدا کی راہ میں دشمنان اسلام سے قتال کرنا اسی کو جہاد کہا جاتا ہے اس کی فضیلت مستقل ہے اور وہ بہت اعلیٰ ہے، دوسری چیز ہے خدا کے دین کے لیے کوشش کرنا، اگرچہ اس میں قتال کی نوبت نہ آئے، قرآن کریم اور حدیث کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی جہاد ہے؛ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ امور دین کا علم حاصل کرنا، تعلیم دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر سب جہاد ہے، پھر فرماتے ہیں کہ دوسرے اور کیا جائے کہ قتال سے مقصود اصلی خونریزی نہیں ہے؛ بلکہ دین کا فروغ ہے، اور قتال بالسیف کی وہاں نوبت پیش آتی ہے جہاں دین کے فروغ میں ایسی رکاوٹ پیش آجائے کہ بغیر قتال بالسیف کے دور نہ ہو سکے اس لیے ابتداء دین کی دعوت دی جائے، اگر وہ قبول ہو جائے تو سیف کی ضرورت نہیں ورنہ مجبوراً اتنی مقدار میں ضرورت ہے کہ رکاوٹ دور ہو اور اصل مقصود فروغ دین ہے، جو حاصل ہو جائے جو اجر و ثواب وسیلہ پر ہے اس سے زیادہ اجر و ثواب مقصود پر ہونا ظاہر ہے۔

کام کے لئے کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور آج تک کسی نے بھی یہ روایت دیگر کاموں کے لئے بیان نہیں کیں۔

پھر حضرت کا خط آیا کہ میں اس موضوع پر تیری گفتگو حضرت سعید احمد خاں صاحب مہاجر مدنی سے کراؤں گا، میں نے لکھا کہ میں حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا، میں ان کو اپنا بڑا مانتا ہوں وہ بھی مجھ سے محبت فرماتے ہیں اور اب وہ بڑھاپے کی ایسی منزل میں ہیں کہ مجھے اندیشہ ہے کہ میری گفتگو کہیں ان کی ناراضگی کا سبب نہ بن جائے، ہاں حضرت عبید اللہ صاحب بلیاوی قدس سرہ سے میری گفتگو کرائیں، وہ علمی آدمی ہیں اور علمی آدمی بحث میں ناراض نہیں ہوتا اور بزرگوں کا حال اس سے مختلف ہوتا ہے، پھر وہ دونوں میں سے کسی سے گفتگو کی نوبت نہیں آئی اور تینوں حضرات اللہ کو پیارے ہو گئے، اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دیں اور جنت میں اعلیٰ درجات عنایت فرمائیں اور ان کے اعمال کے بہترین صلہ سے ان کو نوازیں (آمین)

فائدہ: اوپر ”بھی“ اور ”ہی“ کی بات آئی ہے اس کو مثال سے سمجھ لیں، کوہ نور جو ہندوستان کا ہیرا ہے اور نہایت بیش قیمت ہے، اگر وہ ہاتھ سے گر جائے اور اس کے چھوٹے بڑے پانچ ٹکڑے ہو جائیں تو یہ ٹکڑے اپنی قیمت کھو نہیں دیں گے، اب بھی کسی درجہ میں ان کی قیمت رہے گی، مگر کسی ٹکڑے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ کہے: میں ہی کوہ نور ہوں، ہاں ہر ٹکڑا کہہ سکتا ہے کہ میں بھی کوہ نور ہوں، یعنی اس کا ایک جز ہوں۔

اس مثال سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کام و ن پس (یک دانہ) کوہ نور کی مثال تھا، وہ ایک ہی وقت میں داعی، مبلغ، مفسر، محدث، فقیہ، مجاہد، معلم، مزرکی اور حکومت چلانے والے تھے، پھر زمانہ مابعد میں یہ سب کام علیحدہ علیحدہ ہو گئے، پس کسی بھی دینی کام کا کارکن یہ تو کہہ سکتا ہے کہ میں بھی صحابہ والا کام کر رہا ہوں، مگر کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ کہے: میں ہی صحابہ والا کام کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ اس مضمون کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائیں اور جو غلطی ہو رہی ہے اس کی اصلاح فرمائیں۔ (آمین)

توکل کا شرعی مفہوم

اس دنیا میں ایک امتحان یہ بھی ہمیکہ سب کچھ کرنے والا رب نظر نہیں آتا اور نظر آنے والا سب حقیقتہً کرنے والا نہیں ہے، جب انسان سبب پر اپنا یقین بنالیتا ہے اور مادہ پرستی غالب آجاتی ہے تو رب حقیقی کے احکام میں کوتاہی کرنے لگتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ نل، ٹنکی، ڈیم سے پانی آتا ہے یا زیادہ سے زیادہ آسمان سے آتا ہے لیکن ”اَمْ نَخُنِ الْمُنْزِلُونَ“ کی آواز نہیں سنائی دیتی، ان اسباب کو جو پوسٹ مین (Post man) کی طرح ہیں یہ سمجھتا ہے کہ منی آڈرو ہی دیتا ہے حالانکہ بھیجنے والے اللہ ہیں صوفیاء کرام کے نزدیک توکل ترک اسباب کا نام نہیں ہے ترک رویت اسباب کا نام ہے، خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر اسباب کو اپنایا، ہجرت کے وقت غیر معروف اختیار کرنا، کافر عبد اللہ بن اُریقط کو رہبر بنانا، یہ سب پتہ دیتا ہے کہ آپ نے ماوراء الاسباب زندگی نہیں سکھلائی ایک موقع پر فرمایا: اِعْقِلْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ دوسرے موقع پر فرمایا: صَلِّ رَكَعَتَيْنِ وَانْحَرْ، مقصد صرف اتنا ہے کہ قدرت الہی کو سنایا جائے تاکہ اسباب کے موثر حقیقی ہونے کی خام خیالی ختم ہو جائے، یقین کی جگہ دل ہے، کان، زبان، آنکھ اور عقل کے راستہ سے جس چیز کا یقین دم میں پہنچتا دل اُسی کا یقین اپنے اندر لے لیتا ہے، تین شخصوں نے کہہ دیا یہ بکری نہیں کتا ہے مالک نے بکری چھوڑ دی یہ سمجھ کر یہ واقعی کتا ہے طاقت ور اسباب اعمال ہیں، نماز سے روزی ملتی ہے: لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرِزُقُكَ با وضو رہنے سے روزی کے دروازے کشادہ ہوتے ہیں: ”أَدَمُ عَلَى الطَّهَارَةِ يَوْسَعُ عَلَيْكَ رِزْقُكَ“، ایسے ہی معاصی سے نظام عالم درہم برہم ہو جاتا ہے، اسباب کے تذکرے، اسباب کا یقین پیدا کرتے ہیں۔

حتی الوسع اسباب کو پورے سلیقہ سے استعمال کر کے ہمیں نماز و دعا کا راستہ بتلایا گیا، بقول مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کے صلوۃ الخوف نے ہمیں اسباب اور اعمال میں توازن سکھلایا ہے لشکر کا ایک حصہ تلوار اور ڈھال لے کر ایک رکعت امام صاحب کے

پیچھے پڑھے پھر چلا جائے پھر آدھا حصہ آکر دوسری رکعت میں شریک ہو جائے، موقع ہو تو پابجاعت نماز نہ چھوڑے نہ ہتھیار ”نماز“ اور ”محاذ“ کا جوڑ ہے امراض و احوال میں نہ بے توکل کی اجازت ہے نہ بے احتیاطی کی۔ صدقے کے اہتمام کے ساتھ اچھے ڈاکٹر کی طرف رجوع کرانا چاہیے۔

داعی کے کلام میں ایسی تعبیر یا ایسا زور نہیں ہونا چاہیے کہ عوام ناکارہ پن اور ذمہ داروں سے فرار اختیار کرنے کے راستہ پر پڑ جائے، تجارت و ملازمت سے جی چراتے ہوئے اہل خانہ کو صرف نماز دعا کا حکم کرے، مسجد کی آبادی کی محنت کا غم تو سوار ہو مگر بازار میں مثالی تاجر نہ بن سکے انفاق اور قربانی کو اتنا سنا گیا کہ ذاتی مکان بنانے کو خلاف سنت سمجھنے لگا ہے حالانکہ سیرت سے ضروری واقفیت رکھنے والا جانتا ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کے ساتھ حجرے تعمیر کروائے، حارث بن کلدہ سے علاج کروایا۔

میدان بدر و خندق میں مکمل جنگی تدابیر کو اپنایا گیا، ہجرت کے سفر میں ماہر شخص کو رکھا گیا تاکہ وہ غیر معروف راستہ سے لے جائے۔

اس موضوع پر احیاء العلوم، شریعت و طریقت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اور بیانات مولانا محمد عمر پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ، معارف الحدیث، صلوٰۃ الخوف کی تشریح وغیرہ دیکھنا چاہیے تاکہ کسی طرح کی فکر بے اعتدالی اور عملی انحراف کا ہم اور امت شکار نہ ہو جائیں۔

حدیث شریف کو حنفی شافعی مت بنائے

تکملة فتح الملہم کے مقدمہ میں دکتور یوسف قرضاوی فرماتے ہیں کہ صاحب کتاب کے والد مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہترین بات فرمایا کرتے تھے کہ احادیث سے اپنے حنفی شافعی مسلک پر ضروری استدلال کیجئے، مگر اس حدیث کو حنفی یا شافعی مت بنائیے، اعتقادات میں اشعری ماتریدی فقہ میں مذاہب اربعہ (حنفی شافعی مالکی، حنبلی) تصوف و فقہ باطن میں مشہور سلاسل (چشتی، نقشبندی، سہروردی، قادری) وغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھے بعد کے ادوار میں اپنے اپنے غیر معمولی قوت

استدلالی، اشراقِ روحی سے ان مسلکوں کو تیار کیا، امت محمدیہ اس پر اجماع کر چکی ہے، لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ حدیث کو ہی مسلکی بنادیا جائے، اسی طرح نظامِ تربیت و تعلیم پر قاضی اطہر مبارک پوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خیر القرون کی درسگاہیں، حضرت اقدس حکیم الامت قدس سرہ نے منازل السلوک المتشرف، التکشف وغیرہ میں اعمال تزکیہ کی اصل کو حدیث سے ثابت کیا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ”تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات“ میں چلہ، چار ماہ کی اصل کو احادیث کی روشنی میں ثابت کیا اس حد تک بات درست تھی لیکن حدیث کو تعلیمی، تزکیائی، یا تبلیغی بنانا درست نہیں، وسائل اشاعت دین کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ خلاف شریعت نہ ہوں، اس کا منصوص ہونا ضروری نہیں، ایک شخص چند کتابیں یا چند اعمال وہ بھی اکثر عوام کے ذریعہ کروا کر یہ دعویٰ کرنا کہ ہم پوری شریعت کو زندہ کر رہے ہیں ہمارا کام وہی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا، فلاں آیت فلاں حدیث کہہ رہی ہے کہ یہ کام کرو جو ہماری عمارت سے کیا جاتا ہے ہمارے نظام سے کیا جا رہا ہے، انتہائی غلو ہے، اس ہیئت و شکل کے ساتھ نہ امام بخاری نے کیا نہ محدثین نے کیا، تنظیمی مروج نصابی کتابیں خود بانی تحریک سے پہلے کسی نے نہیں پڑھا، یہ دجل و تبیس ہے، تعبیر و تفہیم کی اس غلطی کی جلد از جلد اصلاح ہونی چاہیے۔

عمل اور دعوت دونوں ضروری

بلاشبہ دعوت دینے کے لئے عالم اور کامل ہونا شرط نہیں ہے، بلغوا عنی ولو آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنا چھوٹا نصاب دیا گیا دعوت دینے کے لئے، جیسے نماز پڑھنا الگ فرض ہے، روزہ رکھنا الگ فرض ہے ایسے ہی دعوت دینا بھی (انفراداً) فرض ہے، ایسا نہیں کہہ سکتے، کوئی کہتا بھی نہیں ہے کہ میں نماز نہیں پڑھتا اس لیے روزہ بھی نہیں رکھوں گا، دعوت دینا الگ فرض ہے عمل کرنا الگ فرض ہے، عمل نہ کرتا ہو تب بھی دعوت دینا فرض ہے، ہاں اتنا ضرور ہے کہ باعمل کی دعوت مؤثر ہوتی ہے، دعوت دے رہا ہو تو عمل بھی

کر لینا چاہیے ”اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَقُلُوْنَ الْكِذْبُ“ شیطان یہ ہی چاہتا ہے کہ عمل تو نہیں کر رہا ہے، اگر دعوت دینے لگ جائے گا تو عمل پر کسی دن پہنچ جائے گا، اس لیے بے عملی کا طعنہ دے کر دعوت سے بھی محروم کرنا چاہتا ہے، بے عمل دعوت دینے میں تو ایک فرض چھوٹا ایک فرض ادا ہوا، بے عمل دعوت نہیں دیتا ہے تو دونوں فرض چھوٹ گئے، عمل کی طرف لانے کا ایک دروازہ بھی بند ہو گیا، دعوت دینے کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ داعی کامل ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے بلکہ وہ حکم خداوندی کی تعمیل کرنا چاہتا ہے اور آپ کی تکمیل کا خواہشمند ہے، اگر کوئی کامل ہو بھی جائے تب بھی وہ آئندہ کے مقامات، قبولیت و خاتمہ کے غم اور جذبہ تواضع کی وجہ سے اپنے آپ کو کامل نہیں کہہ سکتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ کوئی نیکی نہ کرے تب بھی اس نیکی کی طرف دعوت دینا جائز ہے اور کسی گناہ سے نہ رک رہا ہو تب بھی اس سے رکنے کی دعوت دیتے رہنا چاہیے، یہ ہماری ذمہ داری ہے خود کا دین دعوت دیے بغیر مکمل و مقبول نہیں ہو سکتا، ذاتی عبادت دنیوی عذاب سے نجات نہیں دلا سکتی، اخروی ثواب ضرور مل جائے گا۔

ایک مغالطہ

”پہلے میں مکمل ہو جاں اس کے بعد دوسروں کو سکھا دوں گا“۔ ”پہلے مسلمان سدھر جائیں تو غیر مسلموں کو دعوت دوں گا“۔ ”پہلے میرے علاقے، میرے ملک کے لوگ ہدایت پر آ جائیں تو دوسروں پر توجہ دوں گا“ یہ زبردست مغالطہ ہے۔

- ☆ کونسا وہ مقام اور درجہ ہے جس کے بعد آپ دوسروں کو دعوت دیں گے؟
- ☆ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین قبول اسلام کے بعد فوراً دعوت دینے لگ جاتے تھے۔
- ☆ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے مکہ کو اسلام میں داخل کرنے کے بعد ہی مدینہ پاک کی طرف ہجرت کی۔

☆ اس کے بعد اہل مدینہ کے مکمل طور پر بگوش اسلام ہونے کے بعد ہی دیگر ممالک

اور اقوام کو دعوت دینا شروع کیا۔

- ☆ کیا خاندانِ نبوت کے ہر فرد نے اسلام قبول کر لیا؟
- ☆ کتنے سال، کتنے ماہ اپنی ذات، اپنے خاندان، اپنی قوم، اور اپنے ملک کو دیں گے اس دوران بے دینی میں مرنے والوں کا کیا ہوگا؟
- ☆ اس دنیا میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام تشریف لائے، ایسے انبیاء علیہم السلام کتنے ہیں جن پر پوری قوم، پورے ملک نے ایمان لایا، ظاہر ہے ایسی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔
- ☆ آج بھی دنیا میں اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد ان کی ہے جنہوں نے کسی حقیقی مثالی مسلمان کو نہیں دیکھا، بلکہ فطرت کی آواز اور تحقیق کی منزل کے طور پر اسلام کو اپنایا۔
- دعوتِ بارش کی طرح ہے تدریج و تربیت کے ساتھ برستی ہے جس زمین میں جیسی استعداد ہوگی وہ استعداد نکھر کر آ جاتی ہے، کوئی پھول پھل اُگاتی ہے کوئی گھانس پوس کوئی بلال و سلمان بن جاتا ہے کوئی ابو جہل و ابولہب۔
- البتہ اپنی ذات، اپنے مسلمان بھائی کی اصلاح اور اپنے خاندان و ملک کو ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، سارے پہلوؤں پر نظر ہونی چاہیے، ضرورت و تقاضے کو دیکھ کر (انفرادی و اجتماعی طور پر) ترجیح دینی چاہیے۔



نہی عن المنکر، ازالہ منکر

احکام و آداب

امر بالمعروف کی جیسے شرعی حیثیت ہے ویسے ہی نہی عن المنکر کا بھی مقام ہے، قرآن و حدیث میں ساتھ ساتھ ذکر کیے گئے، منکر پر نکیر کرنے کے لیے ضروری ہے کہ واقعی وہ منکر ہو، بطور خاص اپنے اہل و عیال کی اصلاح میں کمی نہ کرے جو خود کے ماتحت ہیں یا جنہوں نے (شاگرد و مرید، مامور) اطاعت کا عہد و پیمان کیا ہے۔

☆ لاعلمی کی وجہ سے غلطی یا کوتاہی کرتا ہے تو اس کو بتادینا واجب ہے۔

☆ سستی یا کج فہمی، جہالت یا بدعت وجہ ہے تو صاحب اثر و رسوخ پر واجب ہے کہ نکیر کریں، گمان غالب بھی ہو کہ مان لے گا، ماننے کا گمان غالب نہیں ہے تو نکیر کرنا مستحب ہے۔

☆ اگر قرآن سے گمان غالب ہو کہ ماننا تو کیا الٹے فتنہ فساد لڑائی جھگڑے پر آمادہ ہو جائے گا، جس کا تم مقابلہ یا تحمل نہیں کر سکتے یا تمہاری کم علمی یا مغلوب الغضب ہونے کی وجہ سے حدود سے نکلنے کا اندیشہ ہے تو ایسی صورت میں اصلاح کرنا ممنوع ہے اس سلسلہ میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”مجھے ایک جاہل نے امر بالمعروف کیا کہ تم عمامہ کیوں نہیں باندھتے؟ یہ سنت ہے“ میں نے کہا: ”تم لنگی کیوں نہیں باندھتے؟ یہ بھی سنت ہے“ سوچ کر کہنے لگے: ”میں

بوڑھا ہوں لنگی میرے جسم پر نہیں ٹھہرتی“ میں نے کہا: ”میں جوان ہوں عمامہ سے گرمی لگتی ہے“ اس پر بہت جھلائے، کہنے لگے: ”خدا کرے تمہارے دماغ میں اور گرمی بڑھ جائے“۔ (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ ایک ”سنتِ زائدہ“ پر اس قدر سختی کرنا غلط ہے۔
شاہ ابرار الحق صاحب ہر دوئی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ازالہ منکرات کے کام سے انتشار ہوتا تو اللہ نے اپنے نبی کو کیوں حکم دیا؟ مامورات کے کام سے بھی تھوڑا بہت انتشار ہوتا ہے۔ آپریشن کے لیے سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے حدود و آداب کی رعایت کے ساتھ کام کیا جائے۔ آج کل برائیوں پر روک ٹوک نہ ہونے کی وجہ سے برائیاں تیزی سے پھیلتی جا رہی ہیں، یہ کام بھی جماعتی حیثیت سے ہونا چاہیے۔

منکرات کے معنی اجنبی کے ہیں، جب دنیا کی اجنبی چیزوں سے سکون چھن جاتا ہے تو دین کے منکرات سے کیسے سکون باقی رہ سکتا ہے۔ انگلی میں کانٹا گھس گیا، چین گیا؛ آنکھ میں گرد و غبار آ گیا، کھٹک اور درد شروع ہو گیا؛ لیکن سرمہ لگایا تو اور چین میں اضافہ ہوا کیونکہ سرمہ آنکھ کے لیے اجنبی نہیں۔

منکرات کا کام معروفات سے بھی زیادہ ضروری ہے جیسے کہ صحت کے لیے موسم کے لحاظ سے غذا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ پرہیز اور احتیاط کی جائے، ورنہ غذا اور مقویات کا فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ایمانی اعتبار سے انفرادی اجتماعی زندگیوں میں طاعات کے فوائد یا تو ظاہر نہیں ہوں گے، اگر ہوئے بھی تو مکمل فوائد ظاہر نہیں ہوں گے۔

امر بالمعروف پر کام کی اجتماعی اور انفرادی ترتیب بنی ہوئی ہے، نہی عن المنکر پر کوئی باقاعدہ تنظیم یا جماعت کام نہیں کر رہی ہے، اگر یہی حال رہا تو لوگوں کے پاس نیکیوں کی تو لمبی لمبی فہرستیں ہوں گی اور ان پر عمل بھی ہوگا، مگر اسی کے ساتھ گناہوں کا

اعمال نامہ بھی بھرا ہوگا۔

فرقِ باطلہ تو سب سے بڑا منکر ہیں کیونکہ یہ تھانے پر حملہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے ساری بستی متاثر ہوتی ہے؛ یعنی ان تحریکوں اور دعوتوں سے براہ راست عقائد خراب ہوتے ہیں۔ اگر ایمان پر حملہ ہوگا تو دین کہاں بچے گا؟ اس طرح کے فتنوں کو چھیڑنے سے چھڑتا تو ہے مگر بڑھتا نہیں، جبکہ چھوڑ دینے سے بڑھتا جاتا ہے۔ نہ بڑھنا کچھ کم کامیابی ہے؟ اگر ان کا تعاقب کیا جائے تو جتنے کے اتنے رہیں گے۔ اگر نہ کیا جائے تو ایک کے دس ہوں گے۔

اب آپ ہی سوچئے! کہ چھوڑ کر بڑھتے رہنے دینا بہتر ہے یا چھیڑ کر بڑھنے سے روکنا صحیح ہے؟ ہمارے اکابر نے کیا ہے کہ ہر فتنہ سے لوگوں کو باخبر کیا، باطل کو باطل کہا ہے جس سے بعض لوگ ناراض ہو گئے مگر حق کا احقاق تو ہوا۔

امور اجتہاد یہ پر نکیر نہیں کی جاتی ہے مثلاً کسی شافعی کو رفع یدین سے مت روکیے۔ کسی مسئلہ میں علماء کرام کی دورائے ہو، دوسرا شخص کسی مستند عالم کی رائے پر یہ عمل کرتا ہے تو پہلے والے کے لیے جائز نہیں کہ وہ نکیر کرے۔ (۱)

ٹوکنے میں کہیں موجودہ منکر سے بڑا منکر پیدا نہ ہو جائے۔ ایمان والے کی برسر عام تذلیل و تحقیر نہ ہو۔ نکیر کرنے والا طعنہ زنی و نکتہ چینی سے اپنے کو بچائے۔ ہو سکے تو دو رکعت نماز، تنہائی میں ملاقات کر کے اس کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے اس کی اس خامی کی اصلاح کی طرف متوجہ کرے۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خادم کو ڈاڑھی کاٹنے پر (ساتھیوں کے اصرار پر) ٹوکا، دوسرے دن سے غائب، مولانا اس کے گھر پر گئے، اس سے معافی چاہی۔ وہ بھی کافی شرمندہ ہوا، فرمایا: ”غلطی ہماری تھی کہ تو اگر مکیے بغیر روٹی ڈال دی۔“

(۱) حوالہ جات کے لیے دیکھئے! امر بالمعروف نہی عن المنکر، کتاب وسنت اور اقوال سلف کی روشنی میں، مولانا عبدالقوی صاحب، حیدرآباد، انڈیا۔

حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے ٹرین میں ایک شخص کو ٹخنہ کے نیچے کپڑا رکھنے پر ٹوکا، اس نے شریعت کو گالی دی، حضرت نے افسوس کیا کہ پہلے تو حرام میں تھا، اب ہماری غلطی سے کافر ہو گیا۔

ایک علاقے کے لوگ شدھی تحریکوں سے متاثر تھے، تعزیہ کی بدعت میں ملوث تھے، ان کو پوچھا گیا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ”نہ مسلم نہ ہندو ہم نو مسلم ہیں“، کیا علامت ہے؟ ہم تعزیہ نہ چھوڑ رہے ہیں، فرمایا: ہاں تعزیہ نہ چھوڑنا، اپنے ساتھیوں کے سامنے واضح کیا کہ ان کے لیے بدعت، کفر سے وقایہ (رکاوٹ) بنی ہوئی ہے، اگر بدعت سے ہٹاؤں گا تو کفر تک پہنچ جائیں گے۔ (۱)

دعوت اسلام کے مواقع اور امکانات:

☆ اڑوس پڑوس اور اپنے دوستوں، گاہکوں میں اچھے اخلاق سے پیش آتے ہوئے اسلام کی خوبیاں اسلام کی بنیادی معلومات پیش کرنا۔

☆ مسجد میں اپنے مانوس غیر مسلم بھائیوں کو بلا کر اذان نماز اور مسجد میں ہونے والے اعمال کا تعارف کروانا، بہت اچھا ہوگا کہ ضیافت کا انتظام کرتے ہوئے کوئی پمفلٹ یا دینی کتابیں تقسیم کی جائیں۔

☆ ایک خاص تعداد کو اپنی شادی، بیاہ، عقیقہ وغیرہ خوشیوں میں شریک کرنا، اس طرح اسلامی معاشرتی نظام سے انہیں واقف کروایا جائے۔

☆ غریب، مسلم، پسماندہ بستیوں میں میڈیکل کیمپ یا غلہ وغیرہ ضروریات زندگی تقسیم کرنا، جس میں، S C، S T، B C وغیرہ کے قائدین کو ضرور شریک کیا جائے۔

(۱) فقہ و ادب کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور نظام احتساب پر طویل گفتگو کی گئی مثلاً: الكنز الاکبر من الامر بالمعروف والنہی عن المنکر امام عبدالرحمن بن ابوبکر بن داود حنبلی دمشقی، الامر بالمعروف والنہی عن المنکر اصولہ و ضوابطہ و ادابہ، خالد بن عثمان السبب الدعوة قواعد و اصول جمعہ امین عبدالعزیز اور احیاء العلوم میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے مفصل احکام بیان فرمائیں ضرور مطالعہ فرمائیں۔

☆ مسنون دعائیں پڑھنا اصل ہے، جائز تعویذ گنڈے (جس میں لکھنے والا پابند شرع ہو، لکھی جانے والی چیز بھی قابل فہم ہو، کسی موہوم شرک چیزوں پر مشتمل نہ ہو) ابتداء میں قریب کرنے کے لئے دیے جاسکتے ہیں، یہ وضاحت کرتے ہوئے کہ قرآن کا اصل موضوع تو ساری انسانیت کی ہدایت ہے لیکن وہ جسمانی شفاء کا بھی ذریعہ ہے، قرآن آپ کے لئے بھی ہے، محمد ﷺ کی دعائیں آپ بھی پڑھ سکتے ہیں، اس طرح مسجد کے دروازے پر آنے والے عقیدت مندوں کو اسلام سے قریب کیا جاسکتا ہے۔

☆ درگاہوں اور عالموں کی چوکھٹ پر غیر مسلم بھائیوں بہنوں کی کافی آمد رہتی ہے، بجائے یہ کہ ان کی توہماتی مزاج سے کھلواڑ کیا جائے، مزید ان کو غیر اللہ کی پرستش کے مسلمانوں کے غلط طریقے پر ڈالا جائے، انہیں توحید سمجھائی جائے، انہیں بہت سے ان گناہوں سے روکا جائے (جیسے سود، بیاج، قطع رحمی، بدگمانی، مقدمہ بازی، بے لگام، غصہ، شراب، جوا، اولاد کے لیے وقت نہ دینا، سخت زبان) جن گناہوں نے انہیں دنیا میں مصیبت میں ڈال رکھا ہے، شیاطین سے حفاظت کی مسنون دعائیں بتلائی جائیں۔

☆ ہر ملک کی تاریخی جگہوں (مثلاً ہندوستان میں لال قلعہ، جامع مسجد دہلی، تاج محل) وغیرہ پر آنے جانے والے غیر ملکی سیاحوں کو تعارف اسلام کی کتابیں مختصر ترجمہ قرآن وغیرہ پیش کیے جائیں۔

☆ صبح سویرے چہل قدمی کرنے کی جگہوں پر اور تفریح گاہوں میں ہلکی پھلکی کالی چائے پلانے کے ساتھ ایسی کتابیں رکھی جائیں جو پیام انسانیت اور تعارف اسلام پر مشتمل ہو۔

☆ عصری اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کے درمیان ایسے تحریری و تقریری مسابقتی مقامی اور انگریزی زبان میں رکھے جائیں جس میں ملکی سیکولر قائدین کے ساتھ

حضرت محمد ﷺ کے پیغام امن، رواداری کی تعلیمات، قرآن میں انسانیت کا مقام جیسے عناوین ہوں۔

☆ اپنے گھر، اپنی دکان، اپنی کمپنی میں کام کرنے والے غیر مسلم ملازمین غیر مسلم خادماؤں کے سامنے اسلامی احکامات، مساوات کا پیغام بتلا کر، نیز عملی طور پر حسن سلوک کر کے قبول دعوت کے لیے راستہ ہموار کرنا چاہیے۔

جو مسلمان جس پیشہ سے وابستہ ہے ٹیچر ہو یا پروفیسر، سبزی فروش ہو یا آٹو رکشا ڈرائیور پر آنے والے سے پوچھے یا سمجھائے، ہم کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ مرنے کے بعد کہاں جانا ہے؟ ہمارا پیدا کرنے والا ہم سے کیا چاہتا ہے، کم از کم اُس مخاطب سے درخواست کی جائے کہ اوپر والے مالک سے ”يَا وَكُودُ“ یا ”يَا هَادِي“ پڑھ کر اپنے لئے سچائی کو مانگے سیدھی راہ کی دعا کرے، اپنی مذہبی کتاب کے ساتھ قرآن بھی پڑھا کریں۔

نومسلم بھائی بہن کی مشکلات

☆ والدین، رشتہ داروں سے ربط، اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ کفریہ و شرکیہ اثرات و رسومات سے اپنے آپ کو بچاتے ہوئے اپنے کافر رشتہ داروں سے تعلق رکھا جائے، ان کی خدمت کریں خرچ کے لیے پیسہ دیا کرے، بیماری میں عیادت کرے، جنازوں میں مذہبی رسوم کے علاوہ تسلی و پُرسہ دینا برا نہیں ہے، تعلقات برقرار رکھتے ہوئے انہیں بھی اسلام سے قریب کرنے کی فکر ہو، البتہ اگر ان کی طرف سے قانونی رُکاوٹیں کھڑی کرنے یا جانی و مالی نقصان پہنچانے کا اندیشہ ہو تو اپنے ایمان کی حفاظت کرتے ہوئے کچھ عرصہ دور رہنا چاہیے، حالات معتدل ہونے پر اپنے تعلقات کو بحال کر لیا جائے۔

☆ دوسرے مذہب کی لڑکی یا لڑکے سے کسی طرح عشقیہ تعلق ہو جاتا ہے، ان میں سے کوئی مطالبہ کرتا ہے کہ اسلامی طریقے پر نکاح کریں گے، عشقیہ شادی

حقیقت سے دور فلتی خواب ہوتا ہے جس کا فیلڈ (میدان) میں پورا ہونا ضروری نہیں، وہ ایک جذباتی اور جنسی ابال ہوتا ہے سنجیدہ انتخاب نہیں ہوتا، ننانوے فیصد یہ نکاح ناکام ہوتے ہیں، دونوں کے خاندانوں کا تعاون نہیں ملتا، ایسے میں دونوں کو سمجھانا چاہیے، اگر اُمید ہو تو ضرور ان میں سے غیر مسلم کو اسلام میں داخل کر کے تو نکاح کرادیں، اور دونوں کی تعلیم و تربیت کا (تبلیغی جماعت میں بھیج کر یا مدرسہ میں داخل کروا کر) انتظام کیا جائے، ازدواجی زندگی میں قدم قدم پر رہبری کی جائے، اپنی شادی بیاہ میں ان کو مدعو کیا جائے، پوری کوشش ہو کہ وہ گھر کسی طرح دینی بنیادوں پر قائم و آباد ہو جائے۔

☆ دنیوی اغراض کے لیے اسلام قبول کرنے والے کی بھی حوصلہ شکنی نہ کی جائے اخلاص و اخوت کے ساتھ ان کی ذہن سازی کی جاتی رہنی چاہیے۔

☆ نو مسلم کا نو مسلم سے ہی نکاح ہو جائے تو زیادہ بہتر ہوتا ہے، ویسے نو مسلم بھی مسلم کے برابر ہے، مناسب تربیت و پختگی کے بعد خاندانی مسلمانوں میں ان کا نکاح کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہونی چاہئے، نو مسلم کو مسلمانوں کا اچھوت سمجھنا غیر اسلامی تصور ہے، سیدوں نے اور خاندان نبوی نے اپنی لڑکیوں کا نکاح غلاموں سے کیا، علم و تقویٰ کی بنیاد پر اسلام نے غلاموں کو مسند اصلاح و ارشاد پر بٹھایا۔ (ہماری کتاب ”مسنون نکاح“ دیکھئے)۔

☆ اسلام قبول کرنے والے کی عمر، معاشی ضروریات، خاندانی پس منظر اور قانونی مسائل کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے کہ کیا اپنے اسلام کا اظہار کرنا مناسب ہے، وہ کس قسم کی قربانی دینے کی استعداد رکھتا ہے، آنے والے حالات کیسے ہو سکتے، اگر اُس کو اُس کے سماج سے علیحدہ کرنا ہو تو محفوظ ترین طریقہ سوچ کر اُس کا ٹھکانہ آباد کرنا چاہیے، اس سے پہلے اُسے خفیہ طریقے پر نماز، روزہ وغیرہ جتنا ہو سکے ادا کرنے کا مشورہ دینا چاہیے۔

دعوتِ ایمان افضل ہے یا دعوتِ اصلاح؟

اس سلسلہ میں اہل علم کے درمیان دورائے پائی جاتی ہیں:

☆ ایک رائے یہ ہے کہ غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام مقدم ہے، مسلمانوں میں دعوتِ اصلاح کے مقابلہ میں۔

☆ پہلی وجہ یہ ہیکہ سب سے بڑا معروف اسلام ہے اور سب سے بڑا منکر کفر و شرک ہے، اس لیے اس میدان میں کوشش ترجیحاً ہونی چاہئے۔

☆ دوسری وجہ یہ ہے کہ بین المسلمین کام کرنے والی تنظیمیں جماعتیں کفائی فرض کو ادا کر رہی ہیں، لیکن غیر مسلموں میں اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے بارے میں ابھی تک ذہنی خلجان اور علمی موانع ختم نہیں ہوئے۔

☆ تیسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کی قدیم اور جدید تاریخ بتلاتی ہے کہ، جب جب بھی اسلام کی رگوں کو نو مسلموں کا خون ملا مسلمانوں میں بھی اصلاح کا کام تیز تر اور موثر ہو گیا، اسلام کے طاقتور اور مثالی نمونہ تیار ہوئے جو خاندانی مسلمانوں کے لیے قابل رشک ہو گئے، اس فطری ضابطہ کے تحت بھی غیر مسلموں کے درمیان کام کی اہمیت سمجھ میں آتی ہے۔

☆ چوتھی وجہ یہ ہے کہ بحالتِ موجودہ مسلمانوں پر محنت ان کے داخلہ جنت اور درجاتِ جنت کو یقینی بنانے کے لیے، کبائر سے بچا کر سوءِ خاتمہ سے تحفظ کے لیے ہے، جبکہ کفار و مشرکین جہنم کی تیاری کر رہے ہیں۔

دوسری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کی اصلاح کا کام مقدم ہے، چنانچہ مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: ”امت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) امتِ دعوت: یہ ان انسانوں کو کہا جاتا ہے جن تک اسلام نہیں پہنچا ہے،

ان کو ایمان اور اسلام کی دعوت دینا دعوتِ ایمان کہا جاتا ہے۔

(۲) امتِ اجابت: یہ ان انسانوں کو کہا جاتا ہے جنہوں نے ایمان و اسلام

قبول کر لیا ہے، مگر اسلامی ماحول معاشرہ اور اعمال کے بگڑ جانے کی وجہ سے ان کو دعوت دینا دعوتِ اصلاح کہا جاتا ہے۔

اب اصل بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام کے شروع زمانہ میں امت دعوت کو ایمان کی دعوت دینا فرض یا واجب رہا ہے، یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہا، یہاں تک کہ پوری دنیا کے انسانوں کے درمیان اسلام کی شہرت ہو گئی اور اسلام کی شہرت اور ظہورِ اسلام کے بعد دعوتِ ایمان کی فرضیت ختم ہو گئی ہے؛ لیکن دعوتِ اصلاح کی فرضیت فرض کفایہ کے طور پر قیامت تک باقی رہے گی، اس کو آسانی کے ساتھ اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ پہلے مسلمانوں کا معاشرہ، رہن سہن، اخلاق رواداری اس طرح واضح ہو جائے کہ غیر مسلم مسلمانوں کے اخلاق معاشرہ اور تہذیب کو دیکھ کر خود بخود ان کے دلوں میں اسلام کی رغبت پیدا ہو جائے، جیسا کہ خیر القرون میں مسلمانوں کی تہذیب اور اخلاق دیکھ کر یومیہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہو جایا کرتے تھے؛ لیکن اگر خود مسلمانوں کا معاشرہ ان کی تہذیب، ان کے اخلاق، رہن سہن میں بگاڑ پیدا ہو چکا ہو اور پڑوس کے غیر مسلم مسلمانوں کے بگڑے ہوئے معاشرے اور تہذیب روز دیکھتے رہیں تو ان کے دلوں میں اسلام کے بارے میں رغبت پیدا ہونا مشکل ہے؛ اس لئے پہلے مسلمانوں کو بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح کی دعوت دینا ضروری ہے، اس کے بعد موقع محل کو دیکھ کر غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینا صرف مستحب ہے اور اس کے بھی بہت سارے شرائط ہیں کہ ایمان کی دعوت پیش کرنے میں فتنہ یا مقابلہ آرائی کا اندیشہ نہ ہو۔

ويستحب أن يدعو من بلغته الدعوة مبالغة في الإنذار،
ولا يجب ذلك، وإنما يستحب مرة أخرى للتأكيد
بشرطين: أحدهما: أن لا يكون في تقديم الدعوة ضرر
على المسلمين، والشرط الثاني: أن يطمع فيهم ما

یدعون إلیہ الخ۔ (۱)

”البحر الرائق“ اور ”ہندیہ“ وغیرہ کے جزئیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ظہور اسلام کے بعد غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت دینا فرض نہیں رہا؛ بلکہ موقع و محل کو دیکھ کر دعوت دینا صرف مستحب ہے؛ لیکن دعوت اصلاح قیامت تک فرض کفایہ ہے۔

قال أبو بکر: قد حوت هذه الآية معنيين أحدهما وجوب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، والآخر أنه فرض على الكفاية ليس بفرض على كل أحد في نفسه إذا قام به غيره لقوله تعالى: ”ولتكن منكم أمة“ وحقيقته تقتضي البعض، دون البعض، فدل على أنه فرض على

الكفاية إذا قام به بعضهم سقط عن الباقي۔ (۲)

اس کو اس طرح بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر دعوت ایمان فرض ہوتی تو فرض کفایہ ہوتی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے علماء پر ایمان کی دعوت دینا فرض ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر میں سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی، حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی؟ اور ان کے ہاتھ پر کتنے لوگ ایمان لائے؟ اور آج کے زمانہ کے بڑے بڑے محدثین اور مفتیان کرام نے کتنوں کو ایمان کی دعوت پیش کی؟ اور ان کے ہاتھوں پر کتنے غیر مسلم ایمان لائے؟ اس کا ثبوت مشکل سے ملے گا؛ اس لئے ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے دربار میں ان حضرات سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ تم نے غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت

(۱) ہندیہ، کتاب السیر، الباب الثانی فی کیفیۃ القتال، ذکر یا قدیم ۲/۱۹۳، جدید ۲/۲۱۰

(۲) أحکام القرآن للجصاص، سورة آل عمران، آیت: ۱۰۴، مکتبہ سہیل اکیڈمی لاہور

کیوں نہیں پیش کی؟ ہاں البتہ اگر اس بات میں کوتاہی کی گئی ہے کہ پڑوس کے مسلمان بے نمازی ہیں، خرافات اور بدکاری میں مبتلا ہیں، پھر ان کو اصلاح کی دعوت نہیں دی گئی، تو ممکن ہے کہ اللہ کے یہاں سوال و جواب ہو، اب رہی یہ بات کہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی دعوت کا جو سلسلہ جاری فرمایا ہے، اس طرح منظم انداز سے دعوت اصلاح کا سلسلہ پہلے نہیں تھا؛ لیکن خیر القرون کے زمانہ سے آج تک کسی نہ کسی نوعیت سے دعوت اصلاح کا سلسلہ جاری رہا ہے؛ اس لئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ دعوت و تبلیغ کا سلسلہ صرف ساٹھ ستر سال کے عرصہ سے شروع ہوا ہے، ہاں البتہ ایک نظام کے تحت منظم طریقہ سے جماعت اور امیر کے ایک ضابطہ کے تحت دعوت و تبلیغ کا سلسلہ جاری نہیں رہا ہے، حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ایک منظم شکل دے دی ہے، جو نہایت عمدہ شکل ہے، جو دنیا کے اندر نہایت مفید اور مقبول ثابت ہوئی اور یہ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی انتہائی درجہ کی خوشی قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ منظم سلسلہ انہیں سے شروع فرمایا ہے؛ لیکن اسی منظم طریقہ سے غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے کا سلسلہ صدیوں پہلے سے لے کر آج تک اسلاف میں جاری رہا ہو یہ ہمارے علم میں نہیں ہے، ہاں البتہ خیر القرون کے زمانہ میں ظہور اسلام تک جاری تھا، اس کے بعد کے بارے میں ہمارے علم میں نہیں ہے۔ (۱)

یہ خیال بھی ان حضرات کی تائید کرتا ہے کہ دنیا میں کفر کی کوئی سزا نہیں ہے، لیکن ارتداد کی سزا قتل ہے، معلوم ہوا کہ باعتبار دنیا ارتداد زیادہ خطرناک ہے کفر کے مقابلے میں، اس لیے اس کی روک تھام اور سد باب کے لیے کوشش کرنا رائج ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ علماء کرام اور فقہاء میں بھی نقطہ نظر کا فرق ہے، حسب ذوق و صلاحیت، علاقوں کی نوعیت اپنے بڑوں کے مشورہ کے بعد مناسب اور منشرح ہوا اس میں لگ جانا چاہئے، بس اُکھاڑ بچھاڑ اور کھینچاؤ تناؤ کا ماحول نہ ہو ساری دینی خدمات کی

تمام قسموں کی قدردانی کا ذہن ہو وَاللّٰهُ هُوَ الْمُوَفِّیُّ پھر دعوت کے کام کے لیے (چاہے مسلمانوں میں ہو یا غیر مسلموں میں) ضروری ہے کہ وہ اپنوں میں مختلف فیہ نہ رہے اور نہ ہی اختلافی مسائل کو چھیڑیں، اصولی مسائل اور مشترکہ نقاط پر گفتگو کرنا داعی کا مزاج ہوتا ہے۔



قرب الہی کے دور راستے

”احیاء العلوم اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی ”الکشف“ ”التشرف“ سے پتہ چلتا ہے کہ احادیث و سیرت میں مختلف ذوق اور مشرب ہیں، کسی پر زہد غالب رہتا ہے، کسی پر فکر آخرت کے ساتھ تجارت، کسی پر خلوت کسی پر جلوت و اختلاط، حالت روزہ میں زیادہ کھانا یا کم کھانا، شخصی احوال اور زمانے کے حالات کے اعتبار سے کونسا حال افضل ہے، یہ بھی ایک اجتہادی امر ہے، مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی طرح کے طریقوں کا موازنہ اور وجوہ ترجیح اور ہر دو کے قابلِ قدر ہونے کو ذکر کیا ہے (۱)، قارئین اور کارکنانِ دعوت میں فکری اعتدال پیدا کرنے کے لیے اس مضمون کو پڑھنا نہایت ضروری ہے۔“

”اہل ایمان کے لئے تقرب الی اللہ اور دینی و روحانی ترقی کے دو طریقے اور دو راستے ہیں جو ہمیشہ سے کھلے ہوئے ہیں اور بندگانِ خدا ہر زمانے میں کم و بیش ان ہی پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتے رہے ہیں:

ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنی اصلاح و ترقی اور اپنے ہی نفس کے تزکیہ و تخلیہ میں زیادہ سے زیادہ ساعی رہے، جس کی صورت یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی

(۱) ایک طریقہ یہ ہے کہ واجبی درجہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو کرتے ہوئے نوافل کی کثرت کی جائے اس کا نام قرب بالنوافل ہے دوسرا طریقہ یہ ہے کہ واجبی درجہ کے انفرادی معمولات، طویل صحبتِ اہل اللہ اور صفتِ احسان کو لے کر فرائض اور دعوت کا کام کیا جائے اس کا نام قرب بالفرائض ہے، مولانا منظور نعمانی فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں دوسرا طریقہ قابلِ ترجیح ہے۔

اور معصیات و مکروہات سے اپنے نفس کی حفاظت کا بیش از بیش اہتمام کرتے ہوئے جس قدر بھی ممکن ہو نفلی عبادات و قربات روزہ و نماز اور ذکر و فکر وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہے۔ بعض ائمہ محققین کی اصلاح کے مطابق اس طریقہ کو ”قرب بالنوافل“ کہا جاسکتا ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی اور معصیات و مکروہات سے پرہیز گاری کا اہتمام کرتے ہوئے اور اوقات میں گنجائش کے مطابق نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر میں خاص اشتغال رکھتے ہوئے اپنا زیادہ وقت اخلاص نیت کے ساتھ (یعنی رضا الہی اور اجر اخروی کو ملح نظر بنا کر) دوسرے بندگان خدا کی اصلاح و ہدایت تعلیم و تربیت اور تبلیغ و نصیحت جیسے کاموں میں اور اعلاء کلمۃ الحق و احیاء شریعت کی کوششوں میں صرف کیا جائے۔۔۔ اس طریقہ کو ”قرب بالفرائض“ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اگرچہ اسلام کے قرون اولیٰ میں سالکین راہ رضا اور طالبین مولا کے لئے یہی عام شاہراہ تھی، لیکن بعد کے زمانوں میں کچھ خاص اسباب کی وجہ سے اس راہ پر چلنے والوں کی کثرت نہیں رہی بلکہ معاملہ معکوس ہو گیا، یعنی اہل سلوک کے مختلف حلقوں میں زیادہ تر پہلے ہی طریقہ کو اختیار کر لیا گیا۔ اور اس سے بھی بڑا اور افسوسناک ذہنی تغیر یہ ہوا کہ بہت سے خانقاہی دائروں میں سلوک الی اللہ اور تقرب خداوندی کو صرف اسی پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) ہی میں منحصر بھی سمجھا جانے لگا اور ان لوگوں کے خیال میں روحانی و دینی کمال صرف قرب بالنوافل ہی کا نام رہ گیا مختلف زمانوں میں مصلحین و مجددین نے اس غلط خیالی کو محسوس کر کے اس کی اصلاح کی کوششیں بھی کیں لیکن پھر بھی بہت سے خاص و عام حلقوں میں یہ غلط فہمی اب تک چلی آرہی ہے جس کا افسوسناک اور نہایت مضر نتائج رساں نتیجہ یہ ہے کہ امت کی عمومی تعلیم و تربیت، اصلاح و دعوت اور اقامت دین و احیاء شریعت کا وہ اہم بنیادی کام کو دینی نظام کے لئے گویا ریڑھ کی ہڈی ہے اور دین کی سرسبزی و شادابی جس پر موقوف ہے اور بلاشبہ جس کا اجر اور درجہ بھی اللہ کے نزدیک

صرف نفلی عبادات و قربات اور ذکر و فکر میں مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے، آج ان عام و خاص حلقوں میں وہ ایک عمومی قسم کا اور معمولی درجہ کا کام سمجھا جاتا ہے اور دینی و روحانی ترقی کے طالب اور قرب خداوندی کے جو یا اپنے اس سفر میں اور اس مقصد کے لئے اس راہ سے چلنے اور اپنے اوقات اور اپنی ہمتوں کو اس رخ پر لگانے کا ارادہ بھی نہیں کرتے جن کی وجہ سے یہ میدان اصحاب ہمت و عزیمت سے خالی اور یہ بازار سرد پڑا ہوا ہے حالانکہ ”شہسواروں“ کی تک و تاز کے لئے اصل جولانگاہ اور ”شاہبازوں“ کی پرواز کے لئے اصل فضا یہی تھی۔

یہ کیوں ہے؟۔۔۔۔ اور یہ عام و خاص حلقے اس غلط فہمی اور غلط عملی میں کیوں مبتلا ہوئے۔ اور کیوں اب تک مبتلا ہیں؟۔۔۔ اگرچہ یہ سوال اور اس کا جواب آج کے ہمارے موضوع سے خارج ہے تاہم اصل مدعا ہی کو سلجھانے کی خاطر اس بارہ میں اتنا عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک عوام الناس کی غلط فہمی کا تعلق ہے سو اس کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ پہلے طریقہ (قرب بالنوافل) میں چونکہ سالک عوام کی دنیا سے الگ تھلگ رہ کر ہمہ تن عبادت اور ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے اور مشاغل دنیوی میں پھنسے ہوئے عوام اس طرز زندگی کو بیکرد مشکل اور انتہائی درجہ کا غیر معمولی کا سمجھتے ہیں اور اس طرح کی مشکل اور غیر معمولی باتوں ہی سے متاثر ہونا اور ان کی خاص اہمیت و وقعت سمجھنا چونکہ عام انسانوں کا مزاج ہے اس لئے یہ بیچارے اسی طریق کو قرب الہی اور خدا رسی کا خاص الخاص راستہ سمجھتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس طریق پر چلنے والوں سے خوارق و کشف وغیرہ کا ظہور بھی نسبتاً زیادہ ہوتا ہے، اس لئے بھی خیال عام اسی طریق کو خدا رسی کا خاص راستہ اور اسی طرز زندگی کو سب سے بڑا دینی و روحانی کمال سمجھتا ہے۔

رہے خواص، یعنی خود اہل سلوک کے وہ حلقے جو اس غلطی میں مبتلا ہیں اور سلوک الہی کو اسی طریق میں منحصر سمجھتے ہیں۔ سو اس کی بہت سی وجوہ ہیں۔ جن میں سے ایک عمومی اور اس جگہ قابل ذکر وجہ یہ بھی ہے کہ اس طریق (قرب بالنوافل) میں یکسوئی کے ساتھ

کثرت ذکر و فکر سے سالک کے باطن میں یک گونہ لطافت و نورانیت اور ملاء اعلیٰ سے ایک طرح کی خاص مناسبت و موانست پیدا ہو جانے کی وجہ سے وہ اپنے اندر کچھ آثار و انوار محسوس کرنے لگتا ہے۔ اور بسا اوقات خاص ”احوال و کیفیات“ اور ”مشاہدات و تجلیات“ کا دروازہ اس پر کھل جاتا ہے۔ اور دوسرے طریقہ (قرب بالفرائض) میں چونکہ عوام کے ساتھ بھی اختلاط رہتا ہے۔ اور احوال و اوقات میں بھی تشتت و انتشار ہوتا رہتا ہے اس لئے ان احوال و کیفیات کا ورود اس میں اس طرح سے عموماً نہیں ہوتا یا بہت کم ہوتا ہے۔ بہر حال پہلے ہی طریقہ کے ساتھ بہت سے اہل سلوک کی خصوصی دلچسپی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے۔

حالانکہ یہ ”احوال و کیفیات“ اور ”مشاہدات و تجلیات“ اس فن کے اکابر وائمہ کے نزدیک کوئی خاص مقصدی اہمیت نہیں رکھتے بلکہ ان کا درجہ صرف یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مبتدیان راہ سلوک کی ہمت افزائی کی جاتی ہے، تاکہ شوق و طلب برابر ترقی پذیر رہے اور سعی و جہد کا قدم آگے بڑھتا رہے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مشہور خلیفہ ملا یار محمد بدخشی کو ایک مکتوب میں انہی ”مشاہدات و تجلیات“ کے متعلق لکھتے ہیں:

شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی فرمودہ اند ”تلك

خیالات تربی بہا اطفال الطريقة“ (۱)

”شیخ اجل امام ربانی حضرت خواجہ یوسف ہمدانی نے فرمایا ہے کہ یہ

خیالی چیزیں ہوتی ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کی

تربیت کی جاتی ہے۔“

اور ایک دوسرے مکتوب میں جو ملا حاجی محمد لاہوری کے نام ہے، ارقام فرماتے

ہیں: ”احوال و مواجید و علوم و معارف کہ صوفیہ را اور اثنائے راہ دست مید ہندہ از مقاصد

اندبل اوہام وخیالات تربی بھا اطفال الطریقہ“ (مکتوب) ”جو احوال و مواجید اور علوم و معارف صوفیہ پر اثناء سلوک میں وارد ہوتے ہیں وہ مقاصد میں سے نہیں ہیں بلکہ یہ اوہام وخیالات کی قبیل کی چیزیں ہیں جن کے ذریعہ مکتب طریقت کے بچوں کو تربیت دی جاتی ہے۔“

بہر حال یہ انوار و تجلیات اور یہ احوال و کیفیات جن کا وُرد ”قرب بالنوافل“ کے راستہ سے چلنے والے بہت سے سالکوں پر ہوتا ہے، اگرچہ وسیلہ تربیت اور ذریعہ ترقی ہونے کی حیثیت سے قابل شکر انعامات الہیہ ہیں، تاہم نہ یہ خود مقصود و مطلوب ہیں اور نہ ایسی دولت ہیں جس کے لئے ”قرب بالفرائض“ کا راستہ چھوڑ کے ”قرب بالنوافل“ ہی کا طریقہ اختیار کیا جائے۔

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مکتوب میں خاص اپنے متعلق ارقام فرماتے ہیں:

ایں فقیر ان نقد وقت خودی نوید کہ مدتہا از علوم و معارف و از احوال مقامات در رنگ ابر نیساں ریختند دکارے کہ باید کرد بعنایت اللہ سبحانہ، کردند، والحال آرزوئے نہ ماندہ است الا آل کہ احیائے سنت از سنن مصطفویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ و التسلیمات نمودہ آید و احوال و موجبہ ار باب ذوق را مسلم باشد“ (۱)

”یہ فقیر خود اپنی حالت لکھتا ہے کہ مدتوں علوم و معارف اور احوال و مقامات ابر نیساں کی طرح بر سے اور ان کا جو نتیجہ نکلتا چاہیے تھا اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ پورا ہوا، اور اب اس کے سوا کوئی ارمان اور آرزو نہیں رہی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کا احیاء کیا جائے اور اس کو رواج دیا جائے۔ اور احوال و مواجید ار باب ذوق کو مبارک ہوں۔“

قرب بالفرائض کی ترجیح و فضیلت کے وجوہ

”قرب بالفرائض کے طریقہ اور اس سلسلہ کے مشاغل (مثلاً خدا فراموش انسانوں میں تبلیغ و دعوت، جاہلوں ناواقفوں کی تعلیم و تربیت اور اقامت دین و احیاء شریعت کیلئے جدوجہد وغیرہ) کو قرب ”بالنوافل“ کے طریقہ کے مقابلہ میں ترجیح و فضیلت کی یہ وجہ تو بالکل ظاہر ہے کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے خاص مشاغل و وظائف ہیں، اور وہ حضرات (علیہم السلام) خاص انہی کاموں کے لئے مبعوث ہوتے ہیں، پس اپنی قوتوں اور اپنی ہمتوں کو ان ہی کے طریقہ پر اخلاص و احتساب کے ساتھ ان کاموں میں لگانا، اور اسی جدوجہد کو اپنا خاص وظیفہ حیات بنالینا ان مقدس و برگزیدہ ہستیوں کی خاص نیابت، بلکہ ایک طرح سے ان کی رفاقت اور ان کے مقصد ان کی فکر اور ان کے درد میں شرکت ہے اور ایک غیر نبی کے لئے اس سے بڑی کوئی سعادت نہیں ہو سکتی۔

علاوہ ازیں اس طریقہ کا فیض متعدی ہے کہ اس راہ کا چلنے والا اپنی اصلاح و تکمیل کے ساتھ ساتھ اور سینکڑوں ہزاروں بندگان خدا کی اصلاح و ہدایت کا بھی ذریعہ بنتا ہے۔ اور اس واسطے صحیح حدیث: ”من دل علی خیر فلہ مثل أجر فاعلہ“ (۱) ”جو شخص کسی آدمی کو کسی نیکی کی طرف رہنمائی کرے تو اس شخص کو اس نیکی کے کرنے والے ہی کے برابر الگ ثواب ملے گا۔“ کے مطابق سینکڑوں ہزاروں انسانوں کے بے حساب و بے شمار اعمال خیر کے بھی اجر کا مستحق ہوتا ہے۔

نیز یہاں یہ نکتہ بھی خاص طور سے ملحوظ رکھنے کے قابل ہے کہ ”قرب بالنوافل“ کے طریق میں زیادہ سے زیادہ محنت و مجاہدہ کرنے والے اپنے گنہ چنے فرائض کے علاوہ صرف اپنی نقلی عبادات و قربات کا ہی سرمایہ جمع کر سکتے ہیں، لیکن ”قرب بالفرائض“ کی راہ پر چلنے والے چونکہ سینکڑوں انسانوں کو ان کے بنیادی فرائض کی تبلیغ و تلقین کرتے

(۱) صحیح مسلم، کتاب الإمارة، باب فضل إعانة الغازي في سبيل الله بمرکوب

وغیرہ، وخلافته في أهله بخير، حدیث نمبر: ۱۸۹۳

اور تعلیم دیتے ہیں اس لئے ان کے حساب میں اپنے ذاتی فرائض و نوافل کے علاوہ ان سینکڑوں آدمیوں کے فرائض (اور نوافل) کا بھی اجر لکھا جاتا ہے۔ اور یہ معلوم و مسلم حقیقت ہے کہ فرائض کا اجر نوافل سے بدرجہا زیادہ ہے۔ اور نفس ایمان و اسلام کا درجہ یقیناً فرائض و نوافل سب سے زیادہ ہے، پس اللہ کا جو بندہ ”قرب بالفرائض“ کی راہ اختیار کر کے خدا و رسول سے بیگانہ اور حقیقت ایمان و اسلام سے نا آشنا قسم کے جاہلوں اور غافلوں میں تبلیغ کر کے اور ان کو تعلیم و تربیت دے کے دین سے آشنا کرتا ہے، اس میں کیا شبہ کہ اس کے نامہ اعمال میں ان لوگوں کے نفس ایمان و اسلام کا اجر بھی لکھا جاتا ہے۔ بے شک اللہ کے سوا کوئی نہیں جو اس اجر بے حساب کا حساب بھی لگا سکے۔

نیز ”قرب بالنوافل“ کے طریق میں صرف اپنی زندگی تک ترقی کا سلسلہ جاری رہتا ہے، جہاں موت نے روح کو جسم سے الگ کیا اور سلسلہ عمل ختم ہوا، ترقی بھی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر ”قرب بالفرائض“ کی راہ میں جب تک اس کے دینی و علمی فیض کا سلسلہ جاری رہے (خواہ وہ واسطہ در واسطہ کی شکل میں قیامت تک ہی جاری رہے) برابر اعمال نامہ میں اندراج ہوتا رہتا ہے اور اس کی وجہ سے درجات میں بھی ترقی ہوتی رہتی ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے۔

اور قطع نظر ان تفصیلات سے، سب سے اہم بات وہی ہے جو پہلے بھی عرض کی گئی کہ ”قرب بالفرائض“ کا یہ راستہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے خواص اصحاب و حواریین کا راستہ ہے، اور ان کے مشاغل (تعلیم و تعلم، دعوت و تبلیغ، اصلاح و ارشاد اور اقامت دین و احیاء شریعت کی کوشش۔ وغیرہ) ان حضرات کے خاص مشاغل ہیں، پس اس طریق کو اختیار کرنے والے اور ان کاموں کو سنبھالنے والے بلاشبہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کے اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دینی خلفاء ہیں، اگرچہ سیاسی نظام اور سیاسی طاقت والی خلافت ظاہری ان کے پاس نہیں ہے، لیکن اصل امانت نبوی کی حفاظت اور تبلیغ و دعوت اور ماننے والوں کی تعلیم و تربیت خلافت نبوت ہی ہے۔

بلکہ یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ مقصدی اہمیت اس کو زیادہ حاصل ہے اور بروجہ احسن اور وسیع پیمانہ پر انہی مقاصد کی تکمیل کے لئے ”خلافت ظاہرہ“ مقصود ہوتی ہے۔

نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی غیر سیاسی خلافت (حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی اصطلاح کے مطابق خلافت باطنہ) اگر ایک مرکز اور نظام کے ساتھ ہو تو ”خلافت ظاہرہ“ تک بھی پہنچا دیتی ہے ”استخلاف فی الارض“ اور تمکین دینی“ کا انعام انہی فرائض اور انہی خدمات کی انجام دہی پر مرتب ہوتا ہے، یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور یہی اس کی سنت ازلیہ ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے کہ ”خلافت نبوت“ کے قیام کا صحیح راستہ صرف یہی ہے اور اس طریقہ اور اس ترتیب کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں پر جدوجہد کرنے سے اگرچہ ”اپنی حکومت“ قائم کی جاسکتی ہے لیکن خلافت نبوت قائم نہیں ہو سکتی۔ (والتفصیل لایسعه المقام)

خیر یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا ورنہ عرض کرنا یہی تھا کہ ”قرب بالفرائض“ کی شان بہت اعلیٰ و ارفع ہے اور اس کے مشاغل، تبلیغ و دعوت، تعلیم و تربیت، اصلاح و ارشاد اور اقامت دین و احیاء شریعت کے لئے جدوجہد وغیرہ کا درجہ اور اجر نفلی عبادات قربات اور ذکر و فکر ہی میں مشغول و منہمک رہنے سے یقیناً بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً اس دور میں تو اس طریقہ اور ان مشاغل کی اہمیت اس لئے اور بھی زیادہ ہو گئی ہے کہ یہ زمانہ ہی عوامی تحریکات اور عمومی و جمہوری دعوتوں کا ہے، اور مختلف مادی اور لادینی تحریکیں بے حد تیزی کے ساتھ بڑھی ہوئی عوام کو اپنی طرف جذب کرتی جا رہی ہیں، ایسے وقت میں بھی اگر دین کی دعوت دینی تعلیم و تربیت اور اصلاح و ارشاد کی جدوجہد وسیع پیمانے پر اور عوامی دعوت کے رنگ میں نہیں کی گئی اور اللہ کے وفادار اور اس کی رضا کے طلبگار بندے خدمت دین کے عمومی میدان میں نہ اترے تو دین کی امانت کا بس اللہ ہی حافظ ہے۔

امام ابواسحاق اسفرائینی کا پر جوش اور ولولہ انگیز پیغام رہ رہ کر یاد آتا ہے، ان کے زمانے میں جب عام مسلمانوں کا دین و ایمان بعض خاص گمراہانہ فتنوں کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گیا تھا تو آپ اپنے عہد کے بعض ان اکابر و مشائخ کے پاس پہنچے جو دنیا و مافیہا

سے یکسو ہو کر پہاڑوں کے غاروں میں عبادت و مجاہدہ میں مصروف تھے اور کہا۔ (اور اللہ اکبر کیسے درد سے کہا)

”اکلة الحشیش انتم ههنا وامة محمد ﷺ فی الفتن“ جنگل کی سوکھی گھاس پر گزارہ کرنے والو! تم یہاں ہو اور رسول ﷺ کی امت گمراہیوں میں مبتلا ہو رہی ہے۔

الغرض یہ کام یعنی مسلمانوں کے دین ایمان کی حفاظت اور جاہلوں ناواقفوں کی دینی تعلیم و تربیت اور غافلوں نا آشناؤں کو تبلیغ و دعوت کا کام اگرچہ ہر وقت اور ہر حال میں بہت بڑا اور اہم کام ہے اور جیسا کہ تفصیل سے اوپر عرض کیا گیا۔

عند اللہ اس کا درجہ بہت اعلیٰ و ارفع ہے، اور امتیوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی کمال اور ترقی کا کوئی مقام نہیں ہے۔ بقول مجددؒ۔

پیچ کمالے برتبہ دعوت و تبلیغ نزد فان احب عباد اللہ الی اللہ من احب اللہ الی عبادہ و حبب عباد اللہ الی اللہ و هو الداعی و المبلغ“۔ (۱)

لیکن بالخصوص ایسے زمانہ میں جب کہ چاروں طرف سے مادیت اور لادینیت کے بادل امنڈ رہے ہوں اور دین سے غفلت و جہالت اور خدا فراموشی کی گھٹائیں نہایت تیزی سے دنیا پر چھائی چلی جا رہی ہوں۔ سو ایسے وقت میں ان کاموں کی قدر و قیمت اللہ کے یہاں بے حساب بڑھ جاتی ہے۔ حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ ہی نے کیسی اچھی تمثیل میں فرمایا ہے:

مثلاً سپاہیاں در وقت غلبہ دشمنان و استیلاء مخالفان اگر اندک تردد می

کنند آن قدر نمایاں میشود و اعتبار می گردد کہ در وقت امن اصغاف آن

در حیز اعتبار نمی آید (۲)

”مثلاً جو سپاہی دشمن کے غلبہ اور مخالفین کے چڑھ آنے کے نازک

(۱) مکتوبات امام ربانی مکتوب: ۵۷/۲

(۲) مکتوب ۴۴

وقت میں تھوڑی سی بھی وفادارانہ جدوجہد کرتے ہیں وہ ایسا اعتماد اور امتیاز حاصل کر لیتے ہیں کہ عام امن و سکون کے وقت کی گئی جانفشانی بھی کریں تو وہ اعتبار و اعتماد پیدا نہیں ہوتا۔“

الحاصل ہر زمانہ میں خاص کر ہمارے اس دور میں دینی و روحانی ترقی و قرب الہی و رضا خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ اور شاہراہ ”قرب بالفرائض“ ہی کا طریقہ ہے اور اس کے مشاغل مثلاً دعوت و تبلیغ، اصلاح و تعلیم اور اقامت دین و احیاء شریعت کے لئے جدوجہد کا درجہ اور اجر یکسوئی کے ساتھ نفعی عبادات و قربات اور ذکر و مراقبہ ہی میں منہمک و مشغول رہنے سے بہت زیادہ ہے۔ لیکن ”قرب بالفرائض“ کی ان مشاغل کی یہ امتیازی حیثیت اور ”قرب بالنوافل“ کے مقابلہ میں ان کی یہ عظمت اور فوقیت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کاموں میں اشتغال و اخلاص و احتساب اور خشیت و انابت کی صفت کے ساتھ ہو، اگر یہ نہیں ہے تو پھر ساری دوڑ دھوپ اور جدوجہد ایک بے داغ عامیانہ تحریک یا ایک پیشہ اور حرفہ کے سوا کچھ نہیں ہے (اعاذنا اللہ من ذلك) اور ان اوصاف (اخلاص و احتساب) کے حاصل ہونے کا عام آزمودہ اور عادی ذریعہ ان اوصاف والوں کی صحبت و رفاقت اور تنہائیوں کے اوقات میں ذکر و فکر کی کثرت ہے۔ ان دونوں چیزوں کے اہتمام کے بغیر اخلاص احسان جیسی کیفیات کا پیدا ہونا اگرچہ عقلاً ناممکن نہیں لیکن عادتاً دشوار اور اہل تجربہ کی شہادت کے مطابق شاذ ضرور ہے۔

ضروری استدراک اوپر کی سطروں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ ”قرب بالنوافل“ کے طریقہ کو ہم غلط یا غیر شرعی یا غیر مرضی سمجھتے ہیں، ہرگز نہیں! حاشا، ہزار بار حاشا!! ہماری گزارش کا مدعا تو صرف یہ ہے کہ ”قرب بالفرائض“ کا راستہ قابل ترجیح اور افضل ہے اور خصوصاً ہمارے اس زمانہ کے حالات اور دینی ضروریات کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کے بندے اس طریق کو اختیار کریں اور اپنی ہمتوں کو اسی رخ پر لگائیں۔

نیز ہمیں اس سے بھی انکار نہیں کہ فی زمانہ ماحول کے عمومی فساد کی وجہ سے اکثر

طبیعتوں کی حالت ایسی ہو گئی ہے کچھ مدت یکسوئی کے ساتھ ذکر و فکر کے بغیر ان پر اخلاص و احسان کا رنگ بھی نہیں چڑھتا، سوائے حضرات کے لئے کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ وہ تیاری کے طور پر کچھ دنوں اسی طریق پر چلیں لیکن ^{مطمح} نظر دین کی خدمت و نصرت ہی کے مشاغل کو بنائیں اللہ کی بخشی ہوئی قوتوں اور صلاحیتوں کا اس سے بہتر مصرف کوئی نہیں۔

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عوامی دعوت و تبلیغ اور عوامی تعلیم و تربیت کا یہ کام جس کی طرف اس مضمون میں ہم نے خصوصیت کے ساتھ دعوت دی ہے اس سے ہماری مراد خاص متعارف و عظم گوئی نہیں ہے جس کے لئے علم دین کی ایک خاص مقدار ضروری ہے، بلکہ حقیقت دین سے نا آشنا طبقوں میں دین کا صحیح شعور پیدا کرنا اور کم از کم دین کی بنیادی باتوں کی ان کو تعلیم و تلقین کرنا اور اس درجہ کی عملی اصلاح کی کوشش کرنا اس سلسلہ کا ابتدائی کام ہے جس میں ہر مسلمان اپنی صلاحیت کے مطابق کچھ نہ کچھ حصہ لے سکتا ہے اور اسی کے ساتھ خود بھی تعلیم و تربیت حاصل کر سکتا ہے۔

اب ہم اس مضمون کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پر ختم کرتے ہیں:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مرسلًا مروی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کے بارے میں سوال کیا جن میں سے ایک دین کا جاننے والا تھا اس کا طریقہ یہ تھا کہ فرض نماز پڑھتا اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی باتیں بتاتا اور سکھاتا اور دوسرا ہمیشہ دن کو روزے رکھتا اور رات بھر نوافل پڑھتا تھا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا) کہ ان دونوں میں سے کون افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ عالم جو فرائض ادا کرتا اور پھر بیٹھ کر لوگوں کو اچھی باتیں بتلاتا اور سکھاتا تھا۔ اس قائم اللیل صائم النہار عابد کے مقابلہ میں ایسی فضیلت رکھتا ہے، جیسی کہ تم میں سے کسی اُدنی آدمی پر مجھے فضیلت حاصل ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں جو تمثیل ہے، یہ مقدار فضیلت میں نہیں ہے، بلکہ فضیلت کی نوعیت میں تمثیل و تشبیہ ہے۔ فَلَا يَغُزُّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ۔

تبلیغ دین کے لیے ایک اصول

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مضمون ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ، بھارت بابت جولائی ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا اس میں ذکر کردہ اصلاحی پہلو کی پہلے سے زیادہ ضرورت بڑھ چکی ہے، خلاصہ مضمون یہ ہے:

- ۱۔ غیر منصوص اور مجرب کسی مؤثر طریقہ دعوت کو منصوص کا درجہ نہ دیا جائے۔
- ۲۔ ہر دینی تحریک کو رسمیت سے بچا کر حقیقت اور اساسی مقاصد پر باقی رکھنا ضروری ہے۔

۳۔ مجدد اور مصلح کو ہر گز نبی کا مقام نہیں دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ کوئی ایک دعوت اور اصلاحی جدوجہد امت کے تمام طبقات اور دین کے تمام شعبہ جات کے لیے کافی اور مؤثر عادت نہیں ہوتی، امت مسلمہ کی متنوع ضروریات کے پورا کرنے کے لیے مختلف دینی کوششوں کی ضرورت رہتی ہے، اس لیے دوسرے دینی کاموں کی اہمیت و ضرورت کا اعتراف اور اعتماد کرنا چاہئے، اور جہاں جو کام بہتر انداز میں انجام دیا جا رہا ہے اس سے کھلے دل کے ساتھ استفادہ کرنے کا رواج آج ہماری بڑی ضرورت ہے۔

”دین کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے اس کی دو قسمیں کی جاسکتی ہیں، ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہیئت و شکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی ہیئت و شکل مطلوب ہے، اس کو ہم ”منصوص بالوضع“ کہہ سکتے ہیں، کہ یہ وہ دینی امور ہیں جو اپنی خاص ہیئت

وصورت کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں مثلاً: ارکانِ دین اور بہت سے فرائض جن کو نہ صرف جناب رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبانِ مبارک سے بتایا بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں، اور خود کر کے بھی دکھلائیں مثلاً نماز، حج، وضو وغیرہ۔

دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں نفسِ شئی مطلوب ہے، لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر (اور زمانہ کے تغیرات اور امت کے لئے وسعت کا خیال کر کے) آپ ﷺ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں، صرف شئی بتلا دی کہ یہ مقصود ہے، یہ چیزیں خود منصوص ہیں، لیکن ان کی کوئی خاص وضع و ہیئت منصوص نہیں ہے، مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، دعوت الی اللہ، علم و دین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام کا امت تک پہنچانا، یہ سب امت سے مطلوب ہے، اگر امت ان کو چھوڑ دے، اور بالکل ترک کر دے تو وہ گنہگار ہوگی، لیکن صرف یہ اعمال مقصود ہیں، ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ متعین نہیں کیا گیا، اس بارے میں امت کی عقل سلیم پر اعتماد کیا گیا ہے، اور ان فرائض کی ادائیگی کو اس کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

غیر منصوص بالوضع کی واضح مثال لباس کا مسئلہ ہے، لباس ستر ہے، ٹخنوں سے اونچا ہو، گھٹنوں سے نیچا ہو، تفاخر اور تکبر کا لباس نہ ہو، کوئی حرام و ناجائز مثلاً مردوں کے لئے ریشم نہ ہو، پس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرائط بھی منصوص ہیں، لیکن لباس کی شکل، لباس کا رنگ اور اس کی قطع وغیرہ غیر منصوص ہیں، اسی میں امت کے لئے بہت سی سہولتیں ہیں ان کو امت کی تمیز اور عقل عام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری مثال مساجد کی ہے: مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی نظافت بھی مطلوب ہے، اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے ممتاز ہوں، مگر ان کی کوئی خاص طرز تعمیر مطلوب نہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ عالم اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں، یہاں تک کہ مینارے اور گنبد بھی مساجد کے لئے شرائط میں نہیں تھے۔ ہندوستان کی مسجدوں میں دو میناروں کا رواج ہے، الجزائر

و مراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے، اور دنیا کی سب سے بڑی اور پہلی مسجد بیت اللہ کا کوئی مینار نہیں ہے۔

اب دعوت الی اللہ کی مثال لیجئے، اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے، انفرادی ہو یا اجتماعی، تقریر سے ہو یا تحریر سے، اعلانیہ ہو یا خلوت میں اس میں کوئی شکل معین نہیں، نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا ہے کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ ”قال رب انی دعوت قومى لیلاً ونهاراً“ حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اور توحید کی دعوت رکھی اور دن میں بھی ”ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جَهَارًا“ پھر میں نے خوب پکار کر اور چیخ کر بھی ان کو بلایا ”ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اَسْرَارًا“ پھر میں با اعلان بھی آپ کا پیغام ان کو پہنچایا اور چھپ چھپ کر تنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی۔

لہذا دعوت دین کا کام کرنے والے ہر فرد و جماعت کو اختیار ہے کہ وہ جس ماحول میں اپنے لئے جو طریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے اور اپنی سعی و جہد کا جو طرز مناسب اور مفید سمجھے وہ اختیار کرے، اس میں کسی کو جائز اور ناجائز کہنے یا کوئی روک ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے، جب تک کہ اس میں کوئی ایسا عنصر شامل نہ ہو جائے، جو شرعی طور پر منکر یا مقاصد دینیہ کے لیے مضر ہو۔

عوامی حلقوں کی غلطی

بعض عوامی حلقوں میں اس وقت ان دونوں حصوں کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے، منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دے دیا جاتا ہے، اور غیر منصوص کو منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے، اس کے نتیجے میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور مختلف اداروں اور دعوتوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے، اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی، سینکڑوں تنازعات کا سد باب ہو جائے گا، اور بہت سی ذہنی

الجہنیں ختم ہو جائیں گی۔

تقابل ختم کرنے کا طریقہ

چیزوں کی اصلی ہیئت سمجھنے اور ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا یہ پیمانہ ہمارے ہاتھ آ گیا، اس کے بعد صحیح اصول پر چلنے والی اور مخلصانہ دینی دعوتوں، دینی اداروں اور حلقوں کے درمیان تقابل، تصادم اور اختلاف کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا، فرق جو رہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اور حالات کے مطالعہ کا ہے کہ کام کی کونسی شکل اور طریقہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہے، اور وہ کس سے وہ نتائج و مقاصد حاصل ہوتے ہیں جو اس کام سے مطلوب ہیں؟

محنت کے الگ طریقے ہو سکتے ہیں

دعوت الی اللہ کی مخصوص شکل اور طرز کی افادیت و تاثیر کی وضاحت کی جاسکتی ہے لیکن کسی کو اپنے تجربہ اور مطالعہ کا اس طرح پابند نہیں کیا جاسکتا، جیسے احکامِ قطعیہ اور نصوصِ قرآنیہ کا، دین کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت اگر کسی خاص طریقہ کو اختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اصول اور سلف صالحین کے متفقہ مسلک اور طرز فکر کے خلاف نہ ہو) تو وہ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہے، ہم اپنے مخصوص طرز کار کو دوسری دعوتوں اور دین کی خدمت کرنے والے دوسرے حلقوں کے سامنے بہتر سے بہتر طریقہ سے پیش کر سکتے ہیں، لیکن اگر صرف طرز کار کے فرق کی وجہ سے ہم ان کو غلط کار سمجھیں یا ان کی دینی مساعی اور مشاغل کی نفی کریں جن کو انہوں نے اپنے تجربہ، مطالعہ اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر اختیار کیا ہے اور ان کی افادیت کے واقعات اور برسوں کے تجربہ سے ان پر واضح ہو چکی ہے اور کتاب و سنت، سیرتِ نبوی، اور حکمتِ دینی کے وسیع دائرہ میں اس کے لیے ان کے پاس شواہد و دلائل پائے جاتے ہیں، تو یہ ہماری غلطی اور زیادتی ہوگی، ہم صرف اتنا کر سکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غور کرنے اور نتائج کو دیکھنے اور ان کا موازنہ کرنے کی درخواست کریں لیکن ان کی تحقیر و تردید کرنا اور ان کو غلط کار

اور گمراہ سمجھنا غلط ہے اور خدمتِ دین، دعوتِ الی الخیر کے دروازے کو محدود اور تنگ بنا نے، اور امورِ دین کے رشتہ کو زمانہ اور ماحول سے منقطع کرنے کے مترادف ہوگا۔

دعوتوں اور طریق کار میں بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے، بعض انتظامی امور ہوتے ہیں جو حدیث و قرآن سے استنباط کئے جاسکتے ہیں، وہ اصولی طور سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں ملیں گے، لیکن خاص اس ہیئت میں نہیں ملیں گے، یہ سب چیزیں اجتہادی اور تجرباتی ہیں، ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

سب سے مشکل چیز، اعتدال

سب سے مشکل چیز اعتدال ہے، انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجہ اتم ہوتا ہے، یہ بالکل ممکن ہے کہ پچاس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں جو صاحبِ نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور دعوت کے طریقہ میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں، اس وقت اگر ایک جامد طبقہ اس کی مخالفت محض اس بناء پر کرے کہ ہمارے بزرگ ایسا کرتے تھے تو یہ رویہ غلط ہوگا، اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا، کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ایک طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرزِ دین کی خدمت اور احیاء کے لیے ہمیشہ کے واسطے اور ہر جگہ کے لئے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے، جب تک اس مخصوص طریقہ پر کام نہ ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ ساری جدوجہد رائیگاں ہوگئی اور جو کچھ ہو اسب فضول ہوا، یہ بے اعتدالی ہے اور یہ رویہ خطرناک ہے، اسی طرزِ فکر کے نتیجے میں مختلف مذاہب اور فرقے امت میں پیدا ہوئے، اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک غور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم نے اس کو مفید پایا ہے، پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہئے لیکن اگر کوئی خاص طریقہ اک رسم بن جاوے تو یہ ایک مذہب بن جاوے اور ایک بدعت قائم ہو جائے اور اس وقت کے ربانی مصلحین کا فرض

ہوگا کہ اس کی اصلاح کے لئے جدوجہد کریں اور ان رسومات کو مٹائیں، بہت سی چیزیں صحیح اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہیں، ایسے موقع پر حقیقت و رسم، سنت و بدعت، فرض و مباح میں تمیز کرنا تفقہ فی الدین ہے، اور کہنے والے نے کہا ہے کہ:-

گر حفظ مراتب کنی زندیقی

انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تربیت اور ان کی مساعی جمیلہ کے لئے (جن کی پشت پر تائید ربانی اور ارادۃ الہی ہوتا ہے) جہاں مضر اور ایک طرح سے حریف و رقیب کفر، الحاد، غفلت و معصیت ہے جو ان کے پیروؤں کو ان کی دعوت کے برکات اور ان کی تعلیم و تربیت اور تبلیغ و دعوت کے اثرات سے محروم کرنے کا کام انجام دیتی ہے وہاں ”بے روح رسمیت“ بھی ہے، اول الذکر طاقتیں اگر بیرونی دشمن کی حیثیت رکھتی ہیں، جو باہر سے حملہ آور ہوتا ہے تو یہ اندورنی بیماری ہے جو گھن کی طرح اس جماعت کو لگ جاتی ہے (جو ان کی تعلیم و دعوت سے پیدا ہوتی ہے) اور اس کو اندر اندر کھوکھلا کر دیتی ہے، اس کے نتیجے میں عقائد بے اثر اور اعمال و عبادات بے روح اور بے نور بن جاتے ہیں، وہ ایک رسم کی طرح ادا کئے جاتے ہیں، ان میں نفس و ماحول کی ترغیبات اور شیطان کی تسویلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہتی اور ان کی کیمیائی اثری اور انقلاب انگیزی جاتی رہتی ہے، یا بہت کمزور ہو جاتی ہے، یہ عموماً نتیجہ ہوتا ہے مؤثر و صحیح دعوت و تربیت کے فقدان یا انقطاع کا، یا مؤثر اصلاحی تربیتی شخصیتوں سے محرومی کا، یا ایسے مواقع اور میدانوں کے صدیوں تک پیش نہ آنے کا جن میں شرکت سے ایمان میں تحریک پیدا ہوتی ہے، دلوں کے زنگ دور ہوتے ہیں اور نفس کی مخالفت کی طاقت اور ایثار و قربانی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ اسی وقت کوئی ایسی دعوت و تحریک (الہام ربانی اور انتظام خداوندی سے جو اس دین کا ہمیشہ سے رفیق رہا ہے) سامنے آتی ہے جو اس ”رسمیت“ پر ضرب لگاتی ہے، اسلام میں تجدید و اصلاح کی تاریخ اور مجددین، مصلحین کے مستند تذکروں کے

مطالعہ سے اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، کہ ان کا نشانہ یہی ”رسمیت“ تھی جو مسلم معاشرہ میں سرایت کر چکی ہوتی ہے، اور دیمک کی طرح اس کے سرسبز و شاداب درخت کو چاٹ چکی ہوتی ہے، اور امت بعض اوقات ”وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشِبٌ مُّسَلَّدَةٌ“ اور جب تم ان (کے تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں، اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر توجہ سے سنتے ہو (مگر فہم و ادراک سے خالی) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں، کا ایک حد تک نمونہ بن جاتی ہیں، وہ ہدایت خداوندی اور کتاب و سنت کے عمیق و مخلصانہ مطالعہ کے اثر سے کوئی ایسی دعوت یا طریق کار پیش کرتے ہیں جس سے اس ”رسمیت“ کا پنچہ ڈھیلا ہو جاتا ہے، اس کی قوت عمل بڑھ جاتی ہے، اس کو بڑی سے بڑی قربانی آسان معلوم ہونے لگتی ہے، اور بعض اوقات قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کرنے والے واقعات سامنے آتے ہیں اور ایمان کی روح پرور باد بہاری کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔

رسمیت پیدا ہو ہی جاتی ہے

لیکن یہ بھی تاریخ اصلاح و دعوت کا واقعہ و المیہ ہے اور فطرتِ انسانی کی کمزوری ہیکہ کہ خود اس اصلاح و دعوت اور اس طریق کا میں مرورِ زمانہ سے ”رسمیت“ دے پاؤں داخل ہو جاتی ہے، اور جو چیز رسم مٹانے اور دل و دماغ کو جگانے کو آئی تھی وہ بھی اپنی روح، اندرونی جذبہ اور تازگی کھودیتی ہے، اور ایک ”رسم“ ضابطہ اور (routine) بن کر رہ جاتی ہے، اور اسی کو خود ایک نئی اصلاحی دعوت اور ایک طاقت و شخصیت کی ضرورت پیش آ جاتی ہے، جو اس خواب آلودہ اور لکیر کے فقیر کے نظام اور طریق کار کی اصلاح کرے، اور اس میں جو بدعات، مفاسد، غلو اور جمود پیدا ہو گیا ہے اس کو توڑنے اور اس معاشرہ میں کسی اور طریقہ سے جو کتاب و سنت سے ماخوذ اور اصول و مقاصد کے مطابق ہو معاشرہ کی ”رسمیت“ کو دور کرے اور ایمان و ایثار اور قوت عمل پیدا کرے۔

ایک لطیفہ سے سمجھیں

اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے ایک مثال پیش کی جاتی ہے جو ایک لطیفہ رکھتی ہے لیکن اس سے بڑا سبق حاصل کیا جاسکتا ہے، راقم سطور کے ایک فاضل دوست نے بتایا کہ دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ان کے کتب خانہ میں جلد دیمک لگ جاتی تھی، اور قیمتی کتابیں تلف ہو جاتی تھیں، وہ پریشان تھے کہ اس کا کیا علاج کریں، ایک تجربہ کار دوست نے بتایا کہ اگر اونٹ کی ہڈی اس کتب خانہ میں رکھ دی جائے تو دیمک نہیں لگے گی، انہوں نے بڑی مشکل سے اونٹ کی ہڈی حاصل کی لیکن ان کی حیرت و پریشانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے ایک دن دیکھا کہ اونٹ کی اس ہڈی میں خود دیمک لگ گئی ہے۔

نبی اور مجدد کے کام میں فرق

یہاں ایک بار ایک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد اور ایک مصلح ہوتا ہے، نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے بغیر نجات ہی نہیں ہو سکتی، اور اس کی ہدایت حاصل کئے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی، اس میں کسی قسم کی مداہنت یا تساہل کی گنجائش نہیں ہے، لیکن مجدد دین اور مصلحین کا معاملہ یہ نہیں ہے ہر مجدد اور ہر ربانی مصلح کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے مثلاً کسی مجدد کے طریقہ سے قربانی کے جذبات بڑھتے ہیں، لہذا اس کے طریقہ کی پیروی سے قربانی کے جذبات بڑھیں گے، اور ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، لہذا اس کے اثر سے انفاق و ایثار کے جذبات پیدا ہوں گے، ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے اخلاق کی اصلاح اور صفائی معاملات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے تو اس سے تعلق و وابستگی خاص طور سے اس میں مؤثر ہوگی۔

بہر حال نبی کے طریقہ پر نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم لیکن کسی مجدد و مصلح کا معاملہ یہ نہیں، خاص خاص ترقیاں تو ان کی اتباع اور وابستگی

سے ہوتی ہیں، لیکن نجات اس پر منحصر نہیں ہوتی۔

ایک حقیقت

ایک بات یہ بھی جانی چائے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے اور اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی دعوت و تحریک اور کوئی اصلاحی جدوجہد یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کر سکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کر سکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کر سکتی ہے، کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوا ہے، کسپر لٹر پیچ اثر انداز ہوتا ہے، اور کوئی کسی دوسرے ذریعہ سے متاثر کیا جاسکتا ہے، اسی طرح واحد طریقہ کار سے ہر جگہ ہر ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے اس حقیقت کو نہ سمجھنے اور اس کے مطابق نہ چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگ قابلِ قدر اور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص اسی مخصوص طرز پر کام نہ کرے، جس کو اس نے اختیار کیا ہے، حالانکہ عمومی اصلاحی و انقلابی تحریکوں اور دعوتوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا، وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے، اور ٹھیک چوکھٹے میں بٹھائی جاتی ہے، ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہو اور اس میں دوسروں سے ممتاز ہو اور جس کو دوسروں سے بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہو۔

یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہئے کہ کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ اس راستہ سے آجائیں، اپنے طریق کار کو مناسب طریقہ سے ان کے سامنے اکثر پیش کرتے رہنا چاہئے؛ لیکن اس طرح نہیں کہ اس میں دین کے دوسرے کاموں اور دینی و اصلاحی مساعی کی نفی اور تحقیر ہوتی ہے اور اخلاص سے کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور انہیں مایوسی اور بددلی پیدا ہو، اس طرح امت کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں ”تَعَاوُنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى“ کی روح بیدار ہوگی جو عرصہ سے مفقود ہو چکی ہے اور جس کی اس زمانہ میں جبکہ باطل مختلف شکلوں میں اور نئے نئے حربوں

کے ساتھ حملہ آور ہے اور اہل باطل ”مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ“ (ہر ٹیلے اور ٹاپو سے ابلے چلے آ رہے ہیں) سخت ضرورت ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ۔



تمام فرض کفایہ کا اہتمام امت مسلمہ کی ہمہ جہتی ترقی کا ضامن

یہ بات معلوم ہے کہ فرض عین کی فقہی تعریف یہ ہے کہ جس کا انجام دینا ہر مکلف مسلمان پر شرعاً ضروری ہے چند لوگوں کا کرنا کافی نہیں ہوگا جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، خدمت والدین، عین کہا جاتا ہے اسی لیے کہ ہر ایک کی عین اور ذات سے خطاب خداوندی متوجہ ہوتا ہے۔

فرض کفایہ کا مطلب یہ ہے کہ امت کے بعض افراد کا اس عمل کو انجام دینا باقی افراد امت سے اُس فریضہ کو ختم کر دینا ہے یعنی وہ لوگ گناہ گار نہیں ہوں گے، جیسے ڈوبنے والے کو نکالنا، بھوکوں کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا، جنازہ نہلانا، کفننا، نماز جنازہ پڑھنا اور دفن کرنا، دعوت و تبلیغ کرنا، افتاء و قضاء کا کام، علوم شرعیہ کے ماہرین پیدا کرنا، حفظ قرآن، حدیث اور اسناد حدیث کی حفاظت، یہ امور تو دینی اعتبار سے ہیں، عصری و دنیاوی اعتبار سے انجینئرنگ، ڈاکٹری، ہتھیار سازی، اپنے ملک کی حفاظت و ترقی میں کام دینے والی پرنکنا لوجی میں مہارت حاصل کرنا۔

امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فرض کفایہ والے اعمال سے امت مسلمہ کی دینی و دنیوی مصالح وابستہ ہیں، اسلامی شریعت صرف ایک شخص پر بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی ہے اور اس کے بغیر امت مسلمہ میں تمام شعبوں کے تقاضے اور متوازن و معتدل انتظام

والنصرام قابو میں نہیں آ سکتا ہے۔ (۱)

یہ بات بھی معلوم ہونا چاہئے کہ فرض عین کبھی فرض کفایہ نہیں بنتا البتہ فرض کفایہ کبھی فرض عین بن جاتا ہے جیسے کہیں کوئی منکر ہو رہا ہو اور وہاں ایک کے علاوہ کوئی مسلمان موجود نہ ہو تو اس مسلمان پر فرض عین ہوگا کہ اُس گناہ پر نکیر کرے۔

یہاں یہ بحث بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ فرض عین پر عمل کرنا افضل ہے یا فرض کفایہ پر، ابو اسحاق رحمۃ اللہ علیہ اسفرائینی، ابو محمد الجوبینی اور ان کے بیٹے امام الحرمین کی رائے یہ ہے کہ فرض عین پر عمل کرنے والا صرف اپنے فریضہ کو ادا کر رہا ہے اور فرض کفایہ ادا کرنے والا اپنی طرف سے اور پوری امت کی طرف سے بوجھ اُتار رہا ہے، اس طرح فرض کفایہ کی ادائیگی میں نفع متعدی ہے فرض عین کی ادائیگی میں نفع محدود ہے اس لیے فرض کفایہ کا ادا کرنا اولیٰ ہے فرض عین کے ادا کرنے کے مقابلہ میں، لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ فرض عین کی ادائیگی افضل ہے فرض کفایہ کے انجام دینے سے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: علم خلاف میں مشغولیت کی شرط یہ ہے کہ وہ فرض عین سے فارغ ہو چکا ہو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص نماز چھوڑ دے، اور کپڑا بٹننے کے فن میں مہارت حاصل کر لے اور کہے کہ میرا مقصد نماز پڑھنے والوں کا سر ڈھانکنا ہے، دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ نصوص شرعیہ میں فرض عین کو مقدم رکھا گیا فرض کفایہ پر، خدمت والدین کو مقدم رکھا گیا جہاد فی سبیل اللہ پر، تیسری دلیل یہ ہے کہ فرض عین کا مطالبہ مہر پر، مُکلف سے ہے، فرض کفایہ تو صرف چند ضروری افراد سے متعلق ہوتا ہے، رائج بات بھی یہی ہے کہ فرض عین کی ادائیگی مقدم ہے فرض کفایہ پر۔ (۱)

اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ علاقے سماج اور اشخاص کے اعتبار سے ان

(۱) التحبیر شرح التحرير: ۲/۸۷۵

(۱) الفروق للإمام القرافي: ۲/۳۷۷، شرح مختصر الروضة: ۹/۴۰۹، شرح

الکوکب المنیر: ۱/۳۷۷

دونوں اقوال پر غور کیا جانا چاہئے، جیسے ایک شخص فرض عین کی ذمہ داری تو پوری کر رہا ہے اور وہاں فرض کفایہ کو ادا کرنے کوئی تیار نہیں ہے تو اُس کے لیے دوسری کفایہ والی ذمہ داری بھی فرض عین ہو جائے گی، اور ایک شخص فرض کفایہ کا غم تو لیے پھر رہا ہے مگر فرض عین کی طرف توجہ نہیں ہے تو اُسے فرض عین میں دلچسپی لینی چاہئے۔ (۱)

حقیقت یہ ہے کہ فرض کفایہ والی دینی، تعلیمی، ملکی، سماجی ذمہ داریوں کا افراد اور اقوام کی ترقی میں بڑا دخل ہے، مثلاً: تدریس، تزکیہ کی طرف امت مسلمہ کی توجہ ہے، مگر غیر مسلموں میں دعوت اسلام یا سیاسی میدان کے لیے رجال سازی کی طرف توجہ نہ ہونے کے برابر ہے، کالج اسکول میں ڈاکٹر انجینئر تیار ہو رہے ہیں، لیکن ملکی انتظامیہ، فوج پولیس، عدالتی نظام یا معیشت و تجارت میں ملک و قوم کے مفاد سامنے رکھتے ہوئے ایک شرعی ذمہ داری سمجھ کر آگے بڑھنے والے کم لوگ ہیں، صرف اپنا کیرئیر، ذاتی رجحان، دستیاب وسائل، دوستوں کی ذہن سازی، ناپختہ مزاجی، کی بنیاد پر ہمارے نوجوان آگے بڑھ رہے ہیں، خواص امت کی طرف سے اصول فقہ کے ان قواعد کی روشنی میں صحیح ذہن سازی اور معتدل تصور پیش کیے جانے کی ضرورت ہے، نئے فارغ ہونے والے علماء کرام حفاظ کرام کو ان میدانوں کی طرف متوجہ کرنا جس کو بالعموم نظر انداز کیا جا رہا ہے اور اب ان کی ضرورت کافی محسوس کی جا رہی ہے، دسویں جماعت سے ہی عصری علوم کے طلبہ کو مختلف شعبہ زندگی میں جانے کی ضرورت، امکانات سمجھانے، مواقع، امداد کئے جانے کا سخت تقاضہ بڑھ رہا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ فرض کفایہ کے تمام اقسام اور تمام میدانوں میں حصہ لینے کے شعور کے بغیر امت مسلمہ کی ہمہ جہتی ترقی ہرگز نہیں ہو سکتی ہے۔

واللہ ہو الموفق۔

غیر مسلموں میں دعوتِ دین کی اہمیت علماء امت کی نظر میں

غیر مسلموں میں دعوتِ دین کی اہمیت و فریضیت قرآن و حدیث کی روشنی میں جس قدر واضح انداز سے ثابت ہے اور کتاب و سنت میں غیروں میں دعوت پر جتنا زیادہ زور دیا گیا ہے، مسلمانوں میں اس سے اتنی ہی لاپرواہی پائی جاتی ہے، بہت کم لوگ اس کا شعور رکھتے ہیں کہ غیروں میں دعوتِ مسلمانوں کا فرض منصبی ہے، اس صورتِ حال کے منجملہ اسباب میں سے ایک سبب موجودہ علماء کرام کا اصلاحی کاموں پر اکتفا کرنا ہے، علماء کی اکثریت اس وقت اپنوں کی اصلاح پر زیادہ توجہ مرکوز کر رہی ہے، علماء کی جانب سے غیر مسلموں میں منظم دعوتی کام نہ ہونے کے برابر ہے، علماء کے عمومی میدانِ عمل سے یہ تاثر لیا جا رہا ہے کہ اس وقت صرف اصلاحی کاموں پر اکتفاء کرنا چاہئے۔ جب کہ ہر دور میں ہمارے علماء کرام نے اصلاحی کام کے ساتھ غیروں میں دعوت کو بھی اپنا نصب العین بنائے رکھا تھا، صوفیاء کرام نے غیروں میں دعوت کے لئے جس طرح کی خدمات انجام دی ہیں وہ ملک کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے علاوہ دوسرے اولیاء ہند نے خلقِ خدا کو راہِ راست پر لانے میں اہم رول ادا کیا ہے، اسی طرح گذشتہ ایک صدی کے دوران جن علماء نے ملک و ملت کی تعمیر و اصلاح

اور خدمتِ دین میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں، ان کی زندگی بھی دعوت کے اس اہم شعبہ سے خالی نہ رہی، نیز ماضی قریب کے علماء بھی غیر مسلموں میں دعوت کے سلسلہ میں فکر مند تھے اور اس طرف امت کی توجہ مبذول کراتے رہتے تھے، ذیل میں چند اقتباسات پیش کئے جا رہے ہیں، جن سے اس بات کا اندازہ لگانا آسان ہوگا کہ ماضی میں علماء نے غیر مسلموں میں دعوتِ دین پر نہ صرف توجہ دی بلکہ امت میں پائی جانے والی غفلت پر وہ سخت نالاں بھی تھے (۱)۔

① حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

مفسر قرآن مولانا اخلاق حسین قاسمی نے اپنے ایک مضمون میں غیر مسلموں میں دعوت کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات کی صراحت کی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر مسلموں میں دعوتِ دین اتمامِ حجت تک ضروری ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”غیر مسلموں میں اسلام کی تبلیغ کا مسئلہ بڑا نازک ہے، یہ دعوتِ عام کا فریضہ ہے، اس فریضہ کی ادائیگی بھی امت پر لازم ہے اور قرآنی ہدایت بال حکمت کے تحت جس غیر مسلم طبقہ کو اسلام کی دعوت دینی ہو اس کی زبان جاننا، اس کے سماجی طور و طریق کو سمجھنا، اس کے ساتھ انسانی بنیادوں پر خیر خواہی کرنا، اس قوم کے ضرورت مندوں کی مدد کرنا اور ان کے مذہبی پیشواؤں کا احترام کرنا ضروری ہے، یہ تالیفِ قلب ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے غیر مسلموں میں تبلیغ بدرجہ اتمامِ حجت ضروری قرار دی ہے“۔ (۲)

(۱) حضرت مولانا احمد ومیض ندوی دامت برکاتہم (استاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد، خلیفہ حضرت مولانا ذوالفقار نقشبندی دامت برکاتہم) کی کتاب ”دعوتِ دین، اہمیت و طریقہ کار“ سے ماخوذ ہے۔

(۲) ترجمان دارالعلوم جولائی ۱۹۹۴ء

اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”حجة اللہ البالغہ“ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”دعوتِ اسلامی کا یہ رہنما، چند اصول اور ضروری باتوں کا ضرورت مند ہوگا، ان میں سے ایک یہ کہ پہلے کسی ایک گروہ کو راہِ راست کی طرف دعوت دے گا، اس کا تزکیہ کرے گا، اس کے حالات کو سنوارے گا، اسے اپنا دست و بازو بنائے گا اور اطرافِ عالم میں

اس مقصد کے لئے پھیلائے گا۔“ (۱)

② حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ان میں شاہ عبدالعزیز علیہ الرحمہ کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، وہ شاہ صاحب کے علوم کے امین سمجھے جاتے تھے، تمام مکاتیبِ فکر کے نزدیک مسلم ہیں وہ غیر مسلموں میں دعوت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”غیر مسلم طبقہ پر اتمامِ حجت کے دو طریقے ہیں: ایک طریقہ یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنی عملی زندگی کو اسلام کی صداقت کا عملی نمونہ بنا کر پیش کریں اور ہماری عملی زندگی میں لوگ اسلام کی برکتیں اور رحمتیں دیکھ کر اسلام کو نجات و ہدایت کا راستہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقی کمالات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ کیرکٹر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے اور ہر طبقہ کو اس کی زبان، اس کی سمجھ اور اس کی استعداد کے مطابق سمجھانے کی کوشش کی جائے تاکہ رحمۃ للعالمین اور صاحبِ خلقِ عظیم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت لوگوں کے دلوں میں اتر جائے اور پھر اس محبوب شفیق احمد اور محسنِ انسانیت کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات

کو سچی ماننے پر اپنے آپ کو مجبور پانے لگیں۔“ (۱)

③ حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت مولانا فخر الحسن صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند مولانا اخلاق حسین قاسمی کی کتاب ”اخلاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

”۱۹۵۰ء کے آس پاس ہندوستان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں فرقہ پرست پریس نے گستاخیوں کا سلسلہ شروع کیا، اس دور میں اکابر علماء: مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی، مولانا احمد سعید صاحب ایڈوکیٹ نے ملک کی افسوسناک صورت حال پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا: ہم مسلمان بھی اس ذمہ داری سے نہیں بچ سکتے، ہم نے غیر مسلم طبقہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح تعارف کرانے کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم پر مخالف ذہن کو سامنے رکھ کر کوئی ٹھوس کام نہیں کیا، سیرت کی عام کتابوں میں غزوات رسول کا حصہ غالب نظر آتا ہے، اگر ہم کسی متعصب ذہن کے سامنے رحمۃ للعالمین اور صاحب خلق عظیم کی زندگی رکھنا چاہیں تو ہمارے پاس ایسی کوئی مستقل کتاب نہیں۔

حضرت مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: مجھے بھی اس کا احساس ہے میرے پاس اگر مسلمانوں کی خدمت کا اتنا کام نہ ہوتا تو میں

سعادت ضرور حاصل کر لیتا۔ (۲)

محمد احمد کاظمی صاحب کی بات ”غیر مسلموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیح تعارف کرانے کے لئے ہم نے کوئی ٹھوس کام نہیں کیا“ پر حضرت مجاہد ملت مولانا سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا

(۱) فتاویٰ عزیزی ص: ۴۱۰ بحوالہ اخلاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، ص ۳

(۲) مقدمہ اخلاق رسول ص: ۹

یہ کہنا کہ ”مجھے بھی اس کا احساس ہے“ صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان کے دل میں بھی غیر مسلموں میں اسلام اور سیرت رسول ﷺ کے تعارف کی ضرورت کا شدت سے احساس پایا جاتا تھا۔

(۴) حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ و ملفوظات اور دیگر تحریروں میں غیر مسلموں میں تبلیغ پر بھی زور دیا ہے، چنانچہ ایک وعظ میں فرماتے ہیں:

جب اسلام ہی دین کامل ہے تو جن لوگوں کے پاس یہ نعمت نہیں ہے ان کے پاس بھی اس کو پہنچانا چاہئے، کیونکہ اول تو یہ بات مروت و ہمدردی کے خلاف ہے کہ ایک نافع (سودمند) چیز سے خود ہی نفع اٹھایا جائے اور دوسروں کو محروم کیا جائے، دوسرے ہم کو شرعاً بھی اس کا حکم ہے کہ جن لوگوں کو اسلام کی خوبیاں معلوم نہیں ان کے سامنے اس کے محاسن بیان کریں، تو اب دو قسم کے لوگ ہیں: ایک وہ جن کے پاس اسلام کی نعمت ہے مگر ادھوری ہے، ان کو تو پورا مسلمان بنانے کی کوشش کی جائے، اس شعبہ کا نام ”تکمیل اسلام“ رکھتا ہوں، دوسرے وہ جن کے پاس یہ نعمت نہیں ہے ان کو اسلام پہنچانا چاہیے، اس شعبہ کا نام ”تبلیغ“ رکھتا ہوں، اس میں بہت سے مسلمان کوتاہی کر رہے ہیں، اس فرض کو سب ہی نے بھلا دیا ہے، حالاں کہ انبیاء علیہم السلام کا اصل کام یہی تھا، وہاں پڑھنا پڑھانا اور کتابوں کا درس کہاں تھا؟ ہماری حالت یہ ہے کہ بہت سے لوگ تو اس کو معمولی سمجھتے ہیں اور جو لوگ اس کی ضرورت و مرتبہ کو سمجھتے ہیں وہ بھی ایسی جگہ جا کر تبلیغ کرتے ہیں جہاں ان کی خاطر مدارات ہوتی ہے، کفار میں جا کر کوئی تبلیغ نہیں کرتا، کیوں کہ وہاں خاطر مدارات کہاں؟ بلکہ بعض دفعہ تو برا بھلا سننا پڑتا ہے، اس لئے لوگ کفار کو تبلیغ کرتے ہوئے رکتے ہیں۔ (۱)

اس وعظ میں مزید فرماتے ہیں:

اسلام کی خدمت قاعدہ سے کرو، اس وقت تبلیغ اسلام کی سخت حاجت ہے، اس کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور چوں کہ اس وقت ترغیب اسلام کی سخت ضرورت ہے، اس لئے لازم ہے کہ اس میں بھی حصہ لیں، اور اسلام کی خوبیاں بیان کر کے لوگوں کو اسلام سے مانوس کریں۔ (۱)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ میں نہ صرف غیر مسلموں میں تبلیغ پر زور دیا گیا ہے، بلکہ جگہ جگہ حضرت نے غیر مسلموں میں تبلیغ کے طریقہ کار کی بھی نشاندہی فرمائی ہے، چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

اسلام میں دو چیزیں ہیں: اصول و فروع، عقائد کو اصول کہتے ہیں اور اعمال کو فروع اور اس پر بھی عقلاء کا اتفاق ہے کہ مذہب کی خوبی کا مدار اس کے اصول کی پاکیزگی پر ہے، جس کے اصول پاکیزہ اور حق ہیں اس کے فروع بھی پاکیزہ ہوں گے، اس لئے مخالفین کے سامنے ہم کو سب سے پہلے اسلام کے اصول کی پاکیزگی ثابت کرنا چاہئے، کیوں کہ اصول عقلی ہوتے ہیں، ان پر عقلی دلائل قائم کر کے فریق مخالف پر حجت قائم کر سکتے ہیں۔ (۲)

موجودہ حالات میں مسلمانوں میں تبلیغ اہم ہے یا غیر مسلموں میں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں:

اصل میں تو مسلمان اور غیر مسلموں دونوں کو تبلیغ کی ضرورت ہے، البتہ اگر کوئی شخص دونوں کام نہ کر سکے تو ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ دیکھے اس مقام پر مسلمانوں کو تبلیغ کرنے میں اصلاح کی زیادہ امید ہے یا غیر مسلموں میں تبلیغ کرنے میں ان غیر مسلموں کا زیادہ نفع ہے، پس جس صورت میں مخاطبین کے نفع کی زیادہ امید ہو اس صورت کو اختیار کرنا زیادہ اچھا ہے۔ (۳)

⑤ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ غیر مسلموں کے درمیان فریضہ دعوت ادا کرنے کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

دنیا کے تمام عقلاء کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر انسان کا اخلاقی اور انسانی فرض ہے کہ اگر کسی دوسرے انسان کو کسی سخت نقصان سے دوچار ہوتا دیکھے تو اس کی مدد کرے اور حتی الوسع اس کی دستگیری کرتا ہو۔ مصائب و آفات کے پنچے سے نجات دلوائے، اسی بناء پر گڑھے اور کنویں میں گرنے والوں، درندوں اور زہریلے جانوروں کے شکار ہونے والوں، ظالموں اور خونخوار حیوانوں کے پنجوں میں پھنسنے والوں، فاقہ اور افلاس و امراض میں مبتلا ہونے والوں وغیرہ کی مدد ہر قوم اور مذہب میں ضروری خیال کی جاتی ہے، جب دنیوی چند روزہ مصائب اور فنا ہونے والے جسم کو تکلیف سے بچانا انسانی فریضہ شمار کیا جاتا ہے تو اخروی، دائمی مصائب اور ہمیشہ باقی رہنے والی روح کو تکلیف سے بچانا کیا اس سے بدرجہا زائد لزوم والا فریضہ شمار نہیں کیا جائے گا؟

اس لئے ہر انسان کا فرض ہے کہ انسانوں کی اخروی زندگی اور روحانی امراض سے شفا یابی کی طرف پوری توجہ کرے، دوسری وجہ جب کہ حسب تعلیمات اسلامیہ تمام افراد انسانی ایک ہی باپ اور ایک ہی ماں کی اولاد ہیں اور یہ وجہ ہے کہ مقتضیات طبیعت اور صورت و سیرت میں بھی ایک دوسرے سے مشابہ ہیں، اس لئے جس طرح اپنے حقیقی بھائی کے ہم پر حقوق ہیں اور انہی کی بناء پر ہمارا طبعی اور عقلی فریضہ ہے کہ ہم اپنے بھائی اور انسان کی ہر طرح ہمدردی اور مدد کریں اور اس کو آخرت کے عذاب سے نجات دلانے کی، اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی خوشنودی تک پہنچانے کی، نعم ابدی اور روحانی زندگی حاصل کرانے کی ہر ممکن کارروائی سے دریغ نہ کریں۔ (۱)

⑥ حضرت مولانا حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

تبلیغ کے معنی پشتینی مسلمانوں کو عبادتی رنگ کے کچھ احکامات پہنچانے کے نہیں، عرفِ شریعت میں تبلیغ درحقیقت اسلام کو پہنچانے اور اسلامی برادری کو وسیع کرنے کو کہا گیا ہے، افسوس! مسلمان اس فریضہ سے غافل ہیں اور اس کے لئے بہانہ بناتے ہیں کہ ہم مکہ کی زندگی میں ہیں، مکہ کی زندگی بے شک ناتوانی زندگی تھی، مگر مارکھانے کی زندگی نہ تھی، کیوں کہ مارکھانا نہ دفاع، نہ ہجوم، بلکہ تعطل ہے، جو اسلام کو ناپسند ہے، مکہ کی زندگی ایک بلند نصب العین کے لئے درحقیقت قربانیاں پیش کرنے کی زندگی تھی، مسلمان کا کام دوسرے کے سہارے زندہ رہنا، بھیک مانگنا نہیں ہے بلکہ دنیا کو عطا کرنا اور اونچا اٹھانا ہے، مسلمان کو دولت اور عزت وجاہ بھی صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہی کی راہ میں مل سکتی ہے، قرونِ اولیٰ کی ساری عزتیں اس دعوت الی اللہ کے راستے سے رونما ہوئیں۔ آج ضرورت ہے کہ سب نہیں تو کم از کم اربابِ علم و بصیرت کی ایک جماعت اس مقصد کو اپنا کر کمر بستہ ہو جائے۔ (۱)

④ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی تبلیغ کو غیر مسلموں اور بالخصوص اہل یورپ کو دین حق سے قریب کرنے کی فکر کس قدر تھی اس کا اندازہ مولانا کے اس مکتوب سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا یہ مکتوب ”ارشادات و مکتوبات بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ“ میں شامل ہے، جسے افتخار فریدی صاحب نے مرتب کیا ہے، اس مکتوب میں مولانا نے جس درد مندی کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ سے اہل یورپ میں دعوت کے لئے درخواست کی ہے، اس سے مولانا کی فکر و تڑپ کا اظہار ہوتا ہے، مکتوب یوں ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخدومی و مکرمی! زیدت مکار مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں مخدوم کی قابلیت و ذکاوت اور قدرت علی الکلام و ہمدردی اسلام اس خاکسار کے دل پر نہ آج سے سکھ جمائے ہوئے ہے بلکہ کامریڈ کے نیرتابانی کے وقت سے جو ہر شناسی و قدر دانی ہے اور شیخ الکمل یعنی سیدی و مولائی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں نیاز مندی اور آمد و رفت سامی کے برتاؤ نے اس خیال کو اور مضاعف اور مدلل کر دیا تھا، ہمیشہ اس پر زور انجن کے اسلام کی کوئی بڑی گاڑی کھینچنے کی طبیعت متمنی اور جو یاں رہی، کچھ زمانہ سے خاکسار کے ذہن نارسا میں یہ مضمون آرہا ہے کہ کوئی قابل اور اہل شخص خاص اور معتدل طریقہ سے فطری اور اوسط السلل مذہب یعنی سچے اسلام کی طرف اس یورپین قوم کو زور و قوت اور پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ دعوت الی الحق کرے، سو اس کے لئے آپ کے سوا کسی پر نظر نہیں جمی، اس وقت یہ قوم برسر اقتدار ہے اور ایک مدت سے حکمرانی کر رہی ہے، سو اللہ تعالیٰ کی عادت مع الخلق پر نظر کرتے ہوئے یہ بات خیال میں آئی ہے کہ اہل حکومت لوگوں کو دعوت الی الحق دیئے جانے پر مدعوین کو دوراہہ ہوتی ہے، دعوت الی الحق کو قبول کر کے فوزِ دارین اور دین خداوندی مذہب آسمانی کی تروتازگی اور یا اس دین سے استنکاف اور اعراض کر کے استیصال و بربادی اور ہمیشہ کے لئے خسران و نامرادی، غرض کسی ایک معاملہ کا ان کے ساتھ تعین ہو جانا، اس دعوتِ الی الحق کی قبولیت اور اعزاز اور رد و انکار پر مبنی ہے، اس مدعا کے لئے پہلے خط لکھ رہا ہوں، خدا کرے یہ نہج ایک بار اور تجربہ کار

ہو، اس مراسلت کو مداومت بخشے اس کے واسطے پہلی بات اس طرز و طریق کا متعین کرنا ہے کہ جو اس کے لئے اختیار کیا جائے، جس میں چند امور قابل لحاظ سمجھ میں آرہے ہیں، ایک یہ کہ مناظرہ اور صریح کسی پر چوٹ کرنے سے محفوظ ہو، دوسرے جو خرابیاں ان کے دلوں میں بیٹھی ہوتی ہیں، ان کے شافی جواب کو لئے ہوئے ہو اور اس لئے مذہب کی اصولی چیزوں مثلاً: حسن تعلیم وغیرہ کی خوبیوں پر روشنی ڈال رہا ہو، باوجود اس کے مختصر ہونے کے عام اشاعت کے قابل ہو، مختصر چیز کی اشاعت آسان ہوتی ہے۔

غرض میں ایک نا اہل شخص قابل یگانہ زمانہ کو کیا متوجہ کروں کہ کن کن امور کی اشاعت ضروری ہے، پھر آپ خود مجھ سے اچھا سمجھ سکتے ہیں، خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اس کے مالہ و ماعلیہ پر کافی نظر کر کے خدائے پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے جناب محمد ﷺ کی بارگاہ میں سرخروئی اور آخرت کا بہترین ذخیرہ سمجھتے ہوئے اس کام کو تندہی سے شروع کیا جائے، پھر حق تعالیٰ اپنے وعدہ کے موافق حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ (سورہ روم: ۴۷) اِنْ تَنْصُرُوا اللَّهَ يَنْصُرْكُمْ (سورہ محمد: ۷) كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ الْغَلَبَةَ اَنَا وَرُسُلِي (سورہ مجادلہ: ۲۱) اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ اٰمَنُوا (سورہ غافر: ۵۱) کشتی کو کنارے لگا ہی دیں گے۔ رائے عالی سے مطلع فرمائیں۔ (والسلام)

اس مکتوب سے جہاں حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اہل یورپ میں دعوتِ حق کی تڑپ کا اظہار ہوتا ہے وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغربی اقوام میں دعوت کے لئے مخصوص صلاحیتوں کی بھی ضرورت ہے، مولانا نے اس کام کے لئے مولانا محمد علی

جو ہر رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب اس لئے کیا کہ ان میں بدرجہ اتم مطلوبہ صلاحیتیں پائی جاتی تھیں، مولانا کا مندرجہ بالا مکتوب نہ صرف غیر مسلموں میں دعوت کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے، بلکہ اہل یورپ میں دعوت کے طریق کار پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ طریق کار کے سلسلہ میں مولانا نے مختلف باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن میں پہلی بات یہ کہ ان کے ساتھ مناظرانہ اسلوب نہ اختیار کیا جائے بلکہ حکمت کے ساتھ مثبت انداز میں دین حق کی خوبیوں کو واضح کیا جائے، دوسری چیز اسلام کے سلسلہ میں اہل یورپ کے ذہنوں میں بیٹھی ہوئی غلط فہمیاں دور کی جائیں، تیسری بات جس کی رعایت ضروری ہے وہ اسلام کی اصولی باتوں کی توضیح ہے، جزئیات سے احتراز کرتے ہوئے اسلام کی اصولی خوبیوں کو واضح کیا جائے۔ اہل یورپ میں دعوت کے لئے مولانا نے جن باتوں کی طرف مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ کی توجہ مبذول کروائی ہے وہ ایک دل دردمند کا حامل داعی ہی کر سکتا ہے، مولانا کے خیالات سے ایک داعی اور مصلح قوم کی ذہنیت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، وہ یہ کہ دعوت و اصلاح کے کسی شعبہ میں لگے ہوئے داعی کو دعوت کے دیگر شعبوں کی اہمیت کا منکر نہ ہونا چاہئے۔

⑧ مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی غیر مسلموں میں دعوت دین کی خوب تڑپ رکھتے تھے، اس کا اظہار ان کے ان خطوط سے ہوتا ہے جو انہوں نے اپنے مختلف متعلقین کو لکھے تھے، چنانچہ مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ مفتی دارالعلوم دیوبند کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

”چالیس سال سے زیادہ زمانہ گزرا، جب سے ایک سوال دماغ میں گردش کر رہا ہے کہ اس کفرستان میں قیام کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے علاقوں کی اتنی بڑی آبادی اور اس پر بھی بیس بائیس کروڑ نفوس ایسے رہ گئے ہیں جنہوں نے اپنے پیغمبر کو نہیں پہچانا، نہ انہوں نے پہچانا اور نہ پہچاننے کے لئے جو بھیجے گئے تھے انہوں نے

دھیان دیا، وہ حکومت اور سیاست کے حقوق میں کچھ دن الجھے رہے، ان سے نجات ملی تو اب پیٹ اور روٹی کا جھگڑا ہے، ہر روز آدم علیہ السلام کی اولاد کی اتنی بڑی تعداد مسلسل جہنم میں ٹپکتی جا رہی ہے، لیکن ہم اس تماشہ کو دیکھ رہے ہیں، دو ہی صورت ہے یا واقعہ جہنم میں گرنے کا دھوکہ ہے یا دھوکہ نہیں واقعہ ہے تو پھر.....

اگر بینی کہ نابینا و چاہ ست اگر خاموش بنشینی گناہ ست
خدا کرے یہ گرہ کھل جائے اور جس کے لئے ہم بہار آئے تھے وہ یاد آ جائے۔
مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام خط میں لکھتے ہیں:

آپ سے دل کی بات عرض کرتا ہوں، دینی خدمات کا شعور جب سے دماغ میں پیدا ہوا ہے، ذہنی طور پر میرا دماغ ہمیشہ اس پہلو کو سوچتا رہتا ہے کہ ہندوستان کی غیر مسلم اقوام تک اسلام کو بڑھانے کی کوئی صورت نکالی جائے، میرا خیال ہے کہ موجودہ مسلمانوں میں زندہ کرنے کی کوشش لا حاصل ہے، ہاں ممکن ہے کہ کوئی تازہ خون اسلام کی رگوں میں کسی راہ اگر آجائے تو ممکن ہے کہ اس کی حرارت سے ان پرانے، تھکے ہوئے مسلمانوں میں زندگی پیدا ہو، مگر براہِ راست ان کے جگانے اور جھنجھوڑنے کے کام کو قریب قریب مردوں کے جگانے اور جھنجھوڑنے کے ہم مثل سمجھ رہا ہوں، جب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی (۸۰) سال حکومت میں یہ سوئے ہوئے رہے اور کچھ ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ان میں کون آیا اور کون چھوڑ کر چلا گیا تو اب دوسروں سے متاثر ہوں گے، میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی۔ (۱)

⑨ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اقوامِ عالم میں اسلام کے پیغام کو عام کرنے کی کتنی فکر تھی اس سے ہر شخص واقف ہے، اس کام کے لئے مولانا نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی، مولانا نے دنیا کے ہر طبقہ کو مخاطب کیا، بالخصوص اہل مغرب کو دینِ حق سے قریب کرنے میں مولانا کا اہم رول رہا ہے۔ مولانا نے اپنی متعدد کتابوں میں غیر مسلموں میں دعوت پر زور دیا ہے، ساتھ ہی اسلام کے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالہ کی بھی کوشش کی ہے، مولانا کو اصلاحِ مسلمین کی بھی فکر تھی، لیکن اس کے ساتھ غیر مسلموں میں دعوت پر بھی زور دیتے تھے، ان کی قائم کردہ تحریک ”پیامِ انسانیت“ کا مقصد بھی یہی تھا، مولانا نے بارہا اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ مسلمانانِ ہند کو جھنجھوڑا ہے، ایک موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

”اس ملک میں ہم (مسلم) تنہا وہ ملت ہیں جو خدا کا واضح پیغام رکھتی ہے، جو آخری آسمانی محفوظ کتاب کی حامل ہے، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت اس کے پاس ہے، نوعِ انسانی کے لئے اس امت کے پاس رحمت و ہدایت کا عظیم سرمایہ ہے، اسوۂ نبوی، حیاتِ صحابہ اور مثالی و معیاری انسانوں کے کردار و عمل کا عظیم ذخیرہ موجود و محفوظ ہے، امتِ مسلمہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو ہدایت کا پیغام دے سکتی ہے، یہ وہ امت ہے جو ڈوبتے سفینہ کو ساحل تک پہنچا سکتی ہے، کسی گمراہ ہوئے معاشرے کو جو زمین میں بالکل دھنس رہا ہے اور دلدل میں پھنس رہا ہے اور جو خودکشی و خودسوزی پر آمادہ ہے بچا سکتی ہے، اس لئے کہ اس کے پاس اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جو دونوں جہاں میں کامیابی کا ضامن ہے، اس کے پاس وہ ایمان موجود ہے جو قوموں کا مقدر بدل سکتا ہے، اس کے پاس وہ آخرت کی زندگی کا مضبوط تصور

ہے، جس سے دنیوی زندگی کی رنگینیاں پھیکی معلوم ہوتی ہیں، مگر یہ امت خود اپنا مقام و منصب سمجھے، آج دنیا پیاسی ہے، اس کو راہِ مستقیم دکھانے کی ضرورت ہے، آج انسانیت کو دنیا کی تنگیوں سے نکال کر آخرت کی وسعتوں میں لانے کی ضرورت ہے، کفر و شرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کے اجالے اور نور میں لانے کی ضرورت ہے، آئیے! آج ہم اس عظیم ذمہ داری کو نبھانے کا عہد کریں اور انسانیت کے مقدر کو بدل کر رکھ دیں۔“

⑩ مولانا مفتی عاشق الہی بلند شہری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

موجودہ دور کے علماء میں مولانا عاشق الہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں، مولانا عرصہ تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے اور علومِ اسلامیہ کی خدمت کرتے کرتے دارِ فانی سے رخصت ہوئے، مختلف علمی موضوعات پر ان کی قیمتی کتابیں ہیں، اسی طرح مختلف جرائد میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے، مولانا اپنے ایک مضمون میں غیر مسلموں میں دعوت پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ دعوتِ الی اللہ کا کام جاری رکھیں، غیر مسلموں کو دعوت دیتے رہیں، دعوت کا کام جاری رکھنے سے سارے عالم میں اسلام پھیلا، بادشاہوں نے تو یہ کام نہیں کیا، حضراتِ صوفیاء نے یہ کام جاری رکھا اور ان کے ہاتھوں پر لاکھوں افراد اسلام میں داخل ہوئے، مشہور ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر نوے لاکھ افراد نے اسلام قبول کیا، اتنے بڑے ہندوستان میں جو مسلم اقوام ہیں، ان میں سادات، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی تو کم ہی ہیں، زیادہ تر وہی اقوام ہیں جو مشرک نسلیں ہیں، ان کے آباء و اجداد کو اسلام کی تعلیم دی گئی

اور ان کو توحید پسند آگئی، شرک و بدعت کی قباحیت معلوم ہوئی اور لامحالہ

سچے دل سے بغیر کسی جبر کے اسلام قبول کیا۔“ (۱)

⑪ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی حفظہ اللہ کی نظر میں

مولانا کی ویسے بہت سی تحریریں ہیں جن میں غیر مسلموں کو دعوت کی ترغیب دی گئی ہے، یہاں مختصر اقتباسات نقل کئے جا رہے ہیں۔ ۱۹ / جولائی ۲۰۰۳ء کو مولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی، بھٹکل کے ایک عوامی اجلاس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”اللہ تعالیٰ نے اس امت کا انتخاب فرمایا کہ یہ امت سارے انسانوں کی رہبری اور گواہی کا کام کرے گی، کوئی قوم بغیر دعوت کے کام کے، بغیر دوسروں کو پہنچائے، بغیر دوسروں کو واقف کرائے اور حق ناحق کا فرق بتلائے، اس مقام کے لائق نہیں ہو سکتی اور اس کا انجام نہیں دے سکتی، اللہ تعالیٰ نے اس کا امتیاز اسی میں رکھا ہے، یہ کام جب نہیں ہوگا تو اس کا امتیاز ختم ہو جائے گا، پھر اس کی حقیقت باقی نہیں رہے گی، چنانچہ یہی ہوا کہ آخری چار پانچ سو سال میں مسلمان بہت نیچے چلے گئے، اللہ کی رحمت سے محروم ہو گئے، جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے کام کو، اللہ کے دیئے ہوئے نظام کو نظر انداز کر دیا اور اپنے کو ان امتوں میں شامل کیا جو امتیں اللہ تعالیٰ کے غضب میں مبتلا ہو گئیں۔ ہم غیر مسلموں کی زمین میں رہتے ہیں، دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہے، مکان سے مکان ملا ہوا ہے، دفتر میں ایک ساتھ کام کرتے ہیں، لیکن وہ اسلام کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے تو یہ کس کی ذمہ داری ہے، ہم نے ان کو بتایا نہیں، واقف نہیں کرایا، اپنے عمل سے مظاہرہ نہیں کیا، وہ اسلام کی برتری اور اس

کی خوبی سے واقف ہو جائیں، یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ (۱)

⑫ مولانا اخلاق حسین قاسمی کی نظر میں

ماہنامہ ”ترجمان دارالعلوم“ میں شائع شدہ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

”ہندوستان میں تعلیم کے بعد ارتداد کا خطرہ تھا اور ملک کے بعض حصوں میں یہ حادثہ رونما ہو بھی گیا تھا، جان و مال کی تباہی کے حادثات نے پیچھا کر رکھا تھا، مسلم دشمن فرقہ پرستوں نے ہر محاذ پر اسلام اور مسلمانوں کو بے جان کرنے کی منظم سازش شروع کر رکھی تھی، لیکن دیوبند کی تعلیمی تحریک (جو ولی الہی تحریک کا دوسرا دور تھا) نے تعلیم و تدریس، تزکیہ و تصفیہ، اصلاح معاشرہ، عیسائیت اور آریہ سماج کے مقابلہ میں مجادلہ و مباحثہ اور تحریک آزادی ہند میں قائدانہ شرکت کے میدان میں العلماء ورثہ الانبیاء کے منصب کا حق ادا کیا اور ہر میدان کی قیادت کے لئے اعلیٰ درجہ کے قائد و امیر کھڑے ہو گئے، لیکن اپنے گھر کے کاموں کی مشغولیت کے سبب اور سیاسی تصادم سے پیدا شدہ ہندو مسلم منافرت کے سبب دعوتِ اغیار کے اہم تقاضہ کی طرف توجہ نہیں کی جاسکی، ایک طبقہ علماء کا ہندوستان کے غیر مسلموں کی طرف سے مایوسی کا شکار ہو گیا اور اس نے پورے ملک و قوم کو بھاجپا اور جن سنگھ کے آئینہ میں دیکھا جو غلط تھا اور غلط ہے، ایک طبقہ نے دعوتِ عام کے اخلاقی اور روحانی کام کو سیاسی اصطلاحوں میں شروع کیا، جس سے مسلمانوں کے اندر تو ایک اسلامی تنظیم وجود میں آ گئی، لیکن غیر مسلموں میں دعوتِ عام کا کوئی کام انجام نہیں پاسکا بلکہ اسے نقصان پہنچا۔ اب ضرورت اس بات

کی ہے کہ علماء ہند کی یہ تاریخی جماعت اپنے اندرونی کام کے ساتھ دعوتِ عام کی تنظیمی جدوجہد کا انتظام کرے اور دعوتِ حکمی کے فقہی تصور کے سہارے تاویل کی راہ پر نہ چلے، احساس تو ہو، آغازِ کار تو ہو، پھر خدا خود میرا کارواں ہے، اپنے بندوں کی مدد کرے گا۔ (۱)

اسی مضمون میں دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”متأخرین فقہاء نے دعوتِ دین کی دو قسمیں کر کے ایک قسم دعوتِ حکمی نکالی ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ صاحب ”البحر الرائق“ نے دعوتِ حکمی کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ: ”دعوتِ حکمی کے معنی یہ ہیں کہ انتشارِ اسلام کی وجہ سے ہر شخص کے لئے ایسے اسباب مہیا ہو گئے ہوں کہ وہ جہاں چاہے اسلام کے متعلق بنیادی معلومات حاصل کر سکے، اگرچہ اسے باقاعدہ اسلام کی دعوت نہ دی جائے“ قرآن حکیم اور احادیث نبویہ میں دعوتِ حق کے بنیادی مقاصد و مشن کے بارے میں علماء دین اور عام امت پر درجہ بدرجہ جو ذمہ داری عائد کی گئی ہے، اس کے پیش نظر علامہ ابن نجیم کی یہ اجتہادی تاویل علماء اور امت کے حق میں آسانی اور رخصت کے سوا کچھ نہیں، یہ صحیح ہے کہ اسلام، قرآن اور محمد کے اسماء گرامی اور ایک مسلم قوم کا نام دنیا کے کونے کونے میں پہنچ چکا ہے، لیکن یہ انتشار و اشاعتِ اسلام کی بنیادی معلومات سے محروم الایمان لوگوں کو متعارف کرانے اور اپنر حجتِ دین قائم کرنے کے لئے قطعی طور پر کافی نہیں ہے اور اگر اس مفروضہ کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ دنیا کے کونے کونے میں خدا کی توحید، شرک کی برائی، رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی و رسول ہونے کی

صداقت، اور آپ پر ایمان لانے کی افادیت، اور ایمان نہ لانے کے نقصانات اور آخرت پر ایمان اور قرآن کریم پر اور اس کے احکام کی اطاعت کی ضرورت (جو بنیادی معلومات ہیں) کا علم پھیل چکا ہے اور اب صرف اتنا کام باقی ہے کہ اندر اس کی رغبت اور چاہت پیدا ہو تو یہ طلب و خواہش موجودہ مادہ پرستی کے اندھیرے میں خود بخود پیدا ہوگی؟ یا اسے خدا کے امر تقدیری پر چھوڑ دیا جائے گا؟ تو پھر واقعی مسلمانوں کے ذمہ کوئی دعوتی کام نہ رہا، لیکن یہ سب مفروضہ ہے، قطعی بات یہ ہے کہ محروم لوگوں میں طلب پیدا کرنا تدبیر و اسباب کے لحاظ سے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے اور اسے پورا نہ کرنا قرآنی اصولِ ثلاثہ کے خلاف ہے، فقہاء کرام کی اس اجتہادی رخصت سے فائدہ اٹھا کر کیا علماء کرام آخرت کی جواب طلبی سے محفوظ رہیں گے؟ یہ سوال کافی غور طلب ہے۔ (۱)

⑬ حضرت مولانا عتیق الرحمن سنہلی کی نظر میں

غیر مسلموں کے درمیان حق کی دعوت کو ایک فریضہ کے بجائے ہم نے فضیلت و احسان سمجھ لیا ہے، حالاں کہ قرآن و حدیث اور پیغمبروں کے اسوہ کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آج کے حالات میں جو کوئی عام غیر مسلم اس دنیا سے جاتا ہے، اس کا اخروی انجام جو کچھ بھی ہو لیکن وہ ہمارا دامن خدا کے روبرو پکڑنے کا ضرور حقدار ہوگا کہ ہم نے اسے کچھ نہیں بتایا بلکہ اس کی بے خبرانہ جاہلی عصبیت کے مقابلہ میں عصبیت کا مظاہرہ کر کے حق کو سننے اور سمجھنے کے امکانات سے اس قدر دور کر دیا کہ نہ کان کچھ سن سکیں اور نہ آنکھ دیکھ سکے۔ (۲)

(۱) دعوت اسلام سے محروم انسانوں کا مسئلہ، شائع شدہ ترجمان ”دارالعلوم دیوبند“ ۱۹۹۴ء

(۲) ماہنامہ ”الفرقان“، لکھنؤ جون ۱۹۹۴ء

غیر مسلموں میں دعوتِ اسلام

کچھ غلط فہمیاں (۱)

پہلی غلط فہمی

آنحضرت ﷺ صرف مسلمانوں کے نبی ہیں، قرآن مجید مسلمانوں کے لیے نازل کی گئی کتاب ہے، جیسے حضرت عیسیٰؑ یہود کے لیے نبی تھے اور انجیل عیسائیوں کے لیے نازل کی گئی کتاب ہے، دعوتِ دین میں یہ غلط فہمی بڑی رکاوٹ کا سبب ہے، اگرچہ مسلمان اعتقاداً اس کے قائل نہ ہوں مگر عملاً اسی تخصیص کے قائل ہیں، جبکہ کسی نص میں نہ اسکی صراحت ہے نہ اشارہ ہے، بلکہ نصوص اس کے خلاف ہیں، اس غلط فہمی کی وجہ سے مسلمان اسلام، نبی ﷺ اور قرآن مجید کا دیگر اقوام کے سامنے تعارف کرانے کو اہمیت نہیں دیتے ہیں، اور نفرت و تعصب کے ماحول کی وجہ سے خود دیگر قومیں سنجیدگی سے قرآن مجید کو اور احادیث کو اپنی ذات کے لیے مطالعہ کرنے کے بجائے مسلمانوں کی کتاب کا تصور لے کر مطالعہ کرتے ہیں، جس کے نتیجہ ہدایت تک رسائی تو کجا عیب جوئی و نکتہ چینی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

دوسری غلط فہمی

قرآن مجید صرف مسلمانوں کی کتاب تصور کیئے جانے کے نتیجہ قومی زبانوں میں

(۱) یہ غلط فہمیوں کے جوابات حضرت مولانا کلیم صدیقی پھلتی دامت برکاتہم کی کتاب ”دعوتِ دین، حقائق غلط فہمیاں“ کے مضامین کی نقل و تلخیص ہے۔

قرآن کا ترجمہ کروانا، اہتمام سے مخاطب کی زبان میں ترجمہ و مختصر تفسیر والا قرآن پیش کرنا، قرآن کی نافعیت و جامعیت کو سمجھانا اپنی ذمہ داری سمجھنے کے بجائے یہ تصور ہو گیا کہ ”کافر ناپاک ہے، اس کو قرآن کیسے دیا جائے گا، اس کو قرآن کی کیا ضرورت ہے، وہ مساجد میں کیونکر آسکتے ہیں“ جس کی وجہ سے کفار بھی اس تصور سے محروم رہے کہ ”قرآن میرے مالک کا کلام ہے مجھ سے براہِ راست خطاب کیا جا رہا ہے، اس پر صرف مسلمانوں کا حق نہیں ہے، مجھے غیر جانب دار ہو کر مطالعہ کرنا چاہئے، جبکہ قرآن پوری انسانیت کے لیے دستور العمل ہے، اسکے مخاطب برادرانِ وطن بھی اتنے ہی ہیں جتنے کہ مسلمان مخاطب ہیں، مسلمان اس کے امین ہیں کہ امانت داری سے رب کا کلام رب کے بندوں تک پوری وضاحت کے ساتھ پہنچایا جائے، افسوس کی بات تو یہ ہے کہ برادرانِ وطن و اقوامِ عالم کی طرح مسلمان بھی قرآن مجید کو ایک دھار مک گرنتھ سمجھ کر ناقدری کا معاملہ کر رہے ہیں، تلاوت برکت کی کتاب سمجھا جاتا ہے جبکہ یہ کتاب ہدایت و کتابِ دعوت بھی ہے، جس کی وجہ سے تذکیر، تبشیر، و تخویف کے لیے اس کا مطالعہ کرنے کو بھی گمراہی سمجھا جاتا ہے، جبکہ اس کا پوری انسانیت کو حق حاصل ہے، اجتہاد و استنباط کے لیے یقیناً اصول و ضوابط ہیں، مگر تذکیر کے لیے پڑھنے کا حق کس نے چھین لیا۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (۱)

تیسری غلط فہمی

ملتِ اسلامیہ کے بعض خواص اور تقریباً عوام کا یہ ذہن بن گیا ہے کہ اسلام پورا کتابوں میں طبع ہو چکا ہے، اسلامی تعلیمات عام ہو چکی ہیں، مسلمانوں کی طرف سے اتمامِ حجت ہو چکی ہے، اغیار کو دعوت دینا محض ایک مستحب عمل ہے، اب ہر انسان کی اپنی ذمہ داری ہے کہ حق کی تلاش میں نکلے اور صحیح مذہب کو اپنائے، غور کریں ہندوستان کے موجودہ ماحول میں کسی غیر مسلم سے اس کا تصور آسان ہے، وہ کس کا ترجمہ قرآن، کس کی

حدیث کی کتاب خریدے گا مطالعہ کے لیے؟ لسانِ قوم میں اسلام سمجھنے کے لیے کتنی کتابیں دستیاب ہیں؟ اسلام پر اعتراضات کے حل کے لیے مخاطب کی زبان میں کونسی کتاب اسے ملے گی؟ کون اس کی رہبری کرے گا؟ کسی کی رہبری کے بغیر اس کا مطالعہ مفید ہوگا؟ جب ہم مسلمانوں کو بغیر علماء کی سرپرستی کے تنہا قرآن کے مطالعہ کو منع کرتے ہیں کہ غلط سمجھ لے گا تو غیر مسلم سے آپ کی کیا توقع ہے؟

کیا ہم نے اتمامِ حجت کر دیا؟

علاوہ ازیں کیا ہم نے برادرانِ وطن تک دین پہنچا دیا؟ ہم میں سے ہر شخص خود کو مخاطب بنا کر خود سے سوال کرے کہ میرے ذریعہ سے کتنے برادرانِ وطن تک دین کی کونسی بات پہنچی، افسوس تو یہ ہے کہ اذال کا مطلب صحیح بتایا نہیں گیا، وہ سمجھتے ہیں کہ اذال میں ”اللہ اکبر“ کہہ کر اکبر بادشاہ کو یاد کیا جا رہا ہے، کوئی سمجھ رہے ہیں کہ ”مسلمان روزانہ اپنے بھگوان کو اتنے زور سے مائیک سے کیوں پکارتے ہیں کیا ان کا رب بہرا ہے؟ (العیاذ باللہ) اذال کا اثر خود مسلمانوں پر قوی و فعلی اعتبار سے کیا ہے؟ اذال کے وقت جواب دینے کے لیے خاموش ہیں؟ یا اذال کے بعد عمل کے قدم مسجد کی طرف اٹھ گئے؟ پنج وقتہ اذال کا یہ حال ہے تو قرآن مجید و نبی ﷺ کی ذاتِ برکت کا تعارف کا کیا حال ہوگا؟ تصور کر لیں، پھر کہنا کہ اتمامِ حجت ہو گیا جرات نہیں تو کیا ہے۔

بالفرض مان لیں کہ اسلام کا تعارف ہو چکا اب مزید تبلیغ کا درجہ استحباب کا ہے تو غور کرنے کی بات یہ ہے کہ ”مسلمانوں میں گناہِ کبیرہ، جھوٹ، شراب کی حرمت، غیبت، چوری، رشوت خوری وغیرہ کا تعارف اغیار کے سامنے اسلام کے تعارف سے زیادہ ہو چکا ہے، تو اعمال کی اصلاح کے لیے اصلاحِ معاشرہ کے جلسے، ہفتہ واری نشستیں، پروگرام، ملاقاتیں یہ سب بھی تو مستحب ہی ہیں، اعمال کے سلسلہ میں بھی تو اتمامِ حجت ہو چکا ہے، اس کے باوجود اعمال کی اصلاح کی اتنی کوششیں اور کفار کے سامنے اسلام کا تعارف بالفرض ہو چکا ہے پھر بھی کوئی عملی کوشش نہیں، ایمان کے بغیر تو

اعمال کی درستگی کا اعتبار ہی نہیں، جڑ کی درستگی کے لیے کوئی محنت نہیں شاخوں کی محنت کے لیے ہر تنظیم کوشش کر رہی ہے۔

اعمال کی درستگی کی محنت اگر مستحب ہے اور اسکے لیے اتنی کوششیں ہو رہی ہیں تو اسلام کی تبلیغ کی محنت بھی مستحب ہے تو اس مستحب کے لیے بھی ویسی ہی کوششیں کریں جیسی اعمال کے لیے کر رہے ہیں، اس مستحب عمل کی اہمیت بتائیں۔

چوتھی غلط فہمی

کفار میں دعوت کا کام تو ہونا چاہئے مگر ہندوستان کا موجودہ ماحول اس کے لیے سازگار نہیں ہے، اس ماحول میں دعوت دینے سے اپنی جان کو خطرہ ہو سکتا ہے، جس کی وجہ سے دعوت کی ضرورت تو محسوس کی جاتی ہے مگر ماحول مانع بن جاتا ہے، اگر ہندوستان کا موجودہ ماحول سازگار نہیں ہے تو کیا مکی زندگی میں آپ ﷺ اور صحابہ کے لیے مکہ کا ماحول سازگار تھا، کیا ابو جہل اور ابولہب جیسے دشمن اب بھی موجود ہیں؟ جب کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے گئے کلمہ پڑھنا جرم تھا، تب ماحول عذر نہیں بنا تو آج اپنے دین کی تبلیغ کی کھلی اجازت کے باوجود ماحول عذر کیسے ہے؟ اگر ماحول کا عذر خدا نخواستہ صحابہ کرتے تو ہمیں پتہ نہیں کہ ایمان نصیب ہوتا کہ نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جس قدر ماحول سازگار ہے اس سے قبل شاید کبھی نہیں تھا، یہ عقل و علم کا زمانہ ہے، اسلام کے علاوہ کوئی مذہب عقل و علم کی کسوٹی میں پورا نہیں اترتا، بین الاقوامی قانون میں ہر شخص اپنے مذہب پر عمل کرنے اور اس کی تبلیغ کرنے کی مکمل آزادی ہے، جسے انسان کا بنیادی حق تسلیم کیا جا چکا، ذرائع ابلاغ کی آسانیاں، اپنی بات جہاں چاہے جب چاہے جس تک چاہے پہنچائی جاسکتی ہے، قومی زبان اور بین الاقوامی زبان و حکمت عملی کے ذریعہ ہر ایک تک اپنی بات پیش کی جاسکتی ہے۔

پانچویں غلط فہمی

تبدیلی مذہب کی محنت شروع کی جائے گی تو دیگر مذاہب کے لوگ ہم سے کھلی

دشمنی کر کے ہمیں بدنام کرنے کی کوشش کریں گے، انہیں ظلم کا شکار بنایا جائے گا۔

سچی بات یہ ہے کہ ہندوستان کی سرزمین دعوتِ دین والوں کی بڑی قدرداں ہے، یہاں سیاسی فکر اور مادی انداز میں کام کرنے والوں کی مخالفت کی جاتی ہے، اورنگ زیب عالمگیر اپنی تمام تر پرہیزگاری، مذہبی رواداری کے باوجود کفار میں موضعِ بحث ہیں، جبکہ انہوں نے دعوتِ اسلام کا قابلِ ذکر کام نہیں کیا، تاریخ کا طالبِ علم اچھی طرح واقف ہے، مگر دعوتِ دین و روحانیت کے علمبردار حضرت خواجہ معین الدین چشتی، امیر کبیر سید علی ہمدانی (صوبہ کشمیر)، سے متعصب ہندو بھی محبت کرتا ہے، ان کے آستانے پر سر نہیں دل جھکا دیتے ہیں، یہاں کی قوم خیر خواہانہ، درمندانہ طور پر روحانیت کی محنت کرنے والوں کے لیے دل بچھانا جانتی ہے، آپ غیر مسلم کو آداب کے ساتھ اسلام سمجھائیں قبول کرے یا نہ کرے احسان مند ضرور ہوگا، پھر نفرت و دشمنی کی کیسی شکایت۔

چھٹویں غلط فہمی

اگر اسلام کی محنت کے بعد وہ لوگ اسلام لانا شروع کر دیں تو ہمارے پاس ان کے معاشی، سماجی، وازدواجی نظام کو سنبھالنے کا انتظام کہاں ہے، تجارت، شادی بیاہ کے مسائل کا حل کیسے کیا جائے؟

آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام کے وقت ایسا خیال نہیں فرمایا، آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام کے ساتھ حل بھی تلاش کیا، صحابہ میں مواخاۃ قائم فرمائی، تالیفِ قلوب کے لیے زکوٰۃ کا حصہ مقرر کیا گیا، مسلمانوں کی اتنی کروڑ کی آبادی میں اس کے لیے کوئی منظم ترتیب قائم کی جاسکتی ہے، آنے والے کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچائے بغیر یا اس کی عادت بگاڑے بغیر معاشی نظام کا حل پیش کیا جاسکتا ہے، اور اب تک اسلام قبول کرنے والوں کی زندگی سے سبق لیا جاسکتا ہے۔

ساتویں غلط فہمی

کام تو بہت ضروری ہے، وقت کا تقاضا ہے، کرنا چاہئے مگر ہم جیسے چھوٹے لوگ

کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کے لیے بڑے بڑے لوگ یا بڑی بڑی تنظیمیں آگے آنی چاہئے۔ کسی بھی کام کی استعداد یک لخت یا ابتداء ہی سے کامل صورت میں نہیں ہوا کرتی، بلکہ کام کرتے کرتے صلاحیت بڑھتی رہتی ہے، جیسے ورزش کرنے ایک ایک کیلو وزن میں اضافہ کرتے ہیں اسی طرح افراد و اقوام کا بھی ضابطہ ہے۔

یاد رکھیں کہ دنیا مثبت و منفی نظام سے چلتی ہے، تو داعی بنیں یا مدعو، داعی بنیں گے تو ایمان پر آپ بھی اور آنے والی نسل بھی باقی رہے گی، ورنہ مدعو بننا پڑے گا، آخر اونٹ و بکریاں چرانے والی قوم دنیا کے ساٹھ فیصد حصہ پر قبضہ کر لیا تو دعوتِ دین و اعلاء کلمۃ اللہ جذبہ صادق کا کرشمہ تھا، آج بھی اس امت کی سربلندی اسی طریقہ کار کو اپنانے میں ہے۔ ”لَنْ يُصْلِحَ آخِرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا مَا أَصْلَحَ أَوَّلُهَا“ (۱)۔
آٹھویں غلط فہمی

پہلے ہم خود اچھے مسلمان بن جائیں، ایک مثالی معاشرہ قائم کر لیں، تب دوسروں کو دعوت دی جاسکتی ہے، جب ہم خود تمام برائیوں میں مبتلا ہیں تو کس منہ سے اسلام کی دعوت دیں گے۔ اگر تمام مسلمانوں کے اچھے اور مثالی مسلمان بننے کا انتظار کیا جائے تو قیامت تک کفار کو دعوت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ جیسے جیسے زمانہ عہد نبوی سے دور ہوتا جائے گا شر غالب ہوتا ہی جائے گا، اس وقت پوری دنیا میں اسلامی ممالک سمیت کوئی شہر گاؤں ایسا نہیں جو اسلامی معاشرہ کی مثال بن سکے، حتیٰ کہ دینی اداروں اور افراد میں بھی وہ جامعیت نہیں جو خیر القرون میں تھی، ہر فرد موت تک اصلاح کا محتاج ہی رہے گا اور مکمل اصلاح آپ ﷺ کی کامل اتباع، دعوتِ اسلام کی محنت جس کا تکملہ جہاد فی سبیل اللہ ہے کے بغیر حاصل ہونا دشوار ہے، جب کامل مسلمان بننے میں دعوتِ اسلام

(۱) مجموع الفتاویٰ لتقی الدین أبو العباس أحمد بن عبد الحلیم بن تیمیۃ الحرانی (المتوفی: ۷۲۸ھ)، ۲۰/۵۷۳، الناشر: مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبویة، المملكة العربیة السعودیة، عام النشر: ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵م۔

بھی شامل ہے تو اس کو چھوڑ کر ایک شخص کامل مسلمان کیونکر بن سکتا ہے، اور کیا اپنی اصلاح کی کوشش بھی ناقص نہیں رہ جائے گی، اصلاحِ کامل کا تصور اتنی انتظار کی وجہ سے اس وقفہ میں کتنے لوگ بغیر ایمان کے دنیا سے چلے جائیں گے؟

نویں غلط فہمی

دعوتِ دین امتِ مسلمہ کا ضمنی یا ثانوی درجہ کا کام ہے، اپنی تمام ضروریات سے فارغ ہونے پر اگر کچھ وقت خالی مل جائے تو کر لیا جائے، ورنہ کوئی اہم مسئلہ نہیں، جبکہ دعوتِ دین امتِ مسلمہ کا فرض منصبی ہے، مقصدِ بعثت ہے۔

کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ

غلط رواج کی وجہ سے لوگ زندگی کے مقصد کو ضرورت اور ضرورت کو مقصد کا درجہ دے دیا ہے، جب تک دونوں کا فرق اعتقادی و عملی طور پر واضح نہیں ہوگا اس وقت تک میدانِ عمل میں قدم رکھنا دشوار ہوگا، ضرورت مقصد کے تابع ہوتی ہے، مقصد ضرورت کے تابع نہیں ہوتا، ضرورت کو وقت بقدر ضرورت دیا جاتا ہے، بیت الخلاء میں ایک گھنٹہ بیٹھیں، دسترخوان پر ایک گھنٹہ لگائیں تو ہر شخص کو تعجب ہوگا علاج کا مشورہ دے گا، آج ضرورت کو مقصد کا درجہ دینے کی وجہ سے مقصد کے لیے ضرورت کے بقدر وقت دینا بھی دشوار ہو گیا ہے ہونا تو چاہئے تھا کہ ضرورت کے لیے وقت نکالنے کی دعوت دی جاتی ہے، ”لَجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِرِزْوَجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا“ (۱) مقصد کے لیے تو کھپا جانا ہے اور ہم سے وقت نکالنا نہیں جاتا، آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں سے مقصد اور ضرورت کا واضح فرق مل جائے گا، بہت کم صحابہ کو ان کے پیشہ و حرفہ سے دنیا جانتی ہے، مگر ان کی خدمتِ دین سے سب واقف ہیں، ظلم یہ ہے کہ جن خوش نصیبوں کو دعوتِ دین کے شعبوں (مقصدِ زندگی) جیسے درس و تدریس، امامت و خطابت، تصنیف و تالیف، وغیرہ میں خدمت کا موقع ملا وہ بھی مقصد میں لگے

(۱) صحیح البخاری، کتاب النکاح، باب لزوجك عليك حق، حدیث: ۵۱۹۹

ہونے کے تصور سے خالی ہوں اور اپنے شعبہ کو ضرورت زندگی، روزگار، و مشاہرہ کا ذریعہ سمجھ لینا ہے۔

محنت اقدامی کاموں میں صرف ہو

جب دین اسلام کا مزاج اور شریعت محمدیہ ﷺ سے مزاجی مناسبت ہو جائے تو محنتیں دفاعی و حفاظتی کاموں میں صرف ہونے کے بجائے اقدامی کاموں میں صرف ہوگی، دوسروں کے شکوک و شبہات کو دور کرنا، غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا ضروری ہے، یہ بھی دین اسلام کی خدمت ہے، مگر اسلام کا مزاج اس سے آگے اقدامی محنت ہے، ہر ادارہ، تنظیم کی حفاظت ضروری ہے، مگر جب اقدامی محنت ہوگی تو حفاظت دوسرے کر لیں گے، جب برادرانِ وطن کو یہ سمجھایا جائے کہ اسلام کی جتنی ضرورت مسلمان کو ہے اتنی ہی ضرورت تمہیں بھی ہے، قرآن مجید سے عائلی مسائل کا حل جس قدر پرسکون زندگی کے لیے ایک مسلمان کو ضروری ہے اتنا ہی تمہیں بھی ضروری ہے، مدارس کے تفصیلی علم کی تمہیں بھی ضرورت پڑے گی، ان شعبوں کی اہمیت، ضرورت افادیت بتانے پر محنت صرف ہوتی حفاظت پر محنت برادرانِ وطن کر لیتے، غیر مسلم ماہر قانون جسٹس بھاردواج (Justice Rajashri Bharadwaj) اور اپنی کتاب ”یونیفارم سول کوڈ“ میں لکھتے ہیں کہ ”ہندوستان کی سالمیت و اتحاد کے لیے یونیفارم سول کوڈ کوئی ضروری چیز نہیں اور اگر سب لوگ بالفرض اس پر متفق ہو جائیں کہ ہندوستان میں سب لوگوں کے لیے صرف ایک عائلی قانون لاگو کیا جائے تو پھر میری رائے ہے کہ ”مسلم پرسنل لا“ کو لاگو کیا جانا چاہئے، اس لیے کہ انسانیت کے لیے اس سے زیادہ مکمل اور جامع کوئی قانون نہیں ہے۔“ (۱)

دسویں غلط فہمی

ہندوستان میں اکابرین امت اور صوفیاء کرام نے دعوتِ اسلام کا کام نہیں کیا،

لوگ ان کے ہاتھ پر اسلام قبول نہیں کئے، اگر یہ ضروری ہوتا تو وہ اسلاف امت بھی کرتے؟

یہ غلط فہمی تاریخ سے بے تعلقی کی وجہ سے ہے ہندوستان کے اکثر صوفیاء و اسلاف امت نے اپنے دور میں اپنے طور پر دعوتِ اسلام کا کام کیا ہے، مثلاً اجمیر اور پشکرجی کے گڈھ میں فاتح ہندوستان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے دعوتی فتوحات، چھتر پور کے تیرتھ کے پاس مہرولی میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی محنت، دہلی میں حضرت نظام الدین اولیاء کی محنت، ہریدوار اور رشی کیش میں کی بنیادوں میں کلیر شریف کے مقام پر حضرت علاء الدین صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی کوششیں، تاریخ میں رقم ہیں، بالفرض اگر کوئی نہ بھی کیا ہو تو کسی شخصیت کی اپنی دیگر مصروفیات کی وجہ سے دعوتِ دین کے حق کی ادائیگی نہیں ہو پائی تو بھی ان کی عظمت و بزرگی کے اعتراف کے باوجود ان کو معذور سمجھیں گے، مگر ان کا یہ عمل قابلِ تقلید و حجت نہیں ہوگا، سند و حجت تو نصوصِ شرعیہ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم و جانشین علیہم السلام کا عمل مشعلِ راہ ہے۔

گیارہویں غلط فہمی

موجودہ ہندوستان میں دعوت کے لیے جیسے وسائل ہونے چاہئے وہ وسائل حاصل نہیں ہیں، اس لیے دعوتِ اسلام کا کام قدرے مشکل ہے، جبکہ یہ محض ایک وہم ہے، وسائل کبھی مقصود نہیں ہوتے ہیں، رسی نہ ملے تو پانی کسی اور طریقہ سے پیا جائے گا، سواری نہ ملے تو مسافر پیدل ہی چل دے گا، اگر دعوت کی ”شیریں“ سے کسی دعوتی کام کرنے والے ”فرہاد“ کو عشق ہو جائے تو دودھ کی نہر کھودنا مزے کی مصروفیت بن جائے گی، ہر تجربہ کار مقبول داعی کی سوانح سے واضح ہوتا ہے کہ جو مسائل (مشکلات) تھے وہی وسائل بن گئے، ناممکن بھی ممکن بن گیا، نبوت مانگ کر نہیں لی جاتی، مگر محنت دعوت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کے لیے نبوت مانگ لی اور دیدی گئی۔ (۱)

بارہویں غلط فہمی

تعصب پسند سماج میں دعوتِ اسلام کا کام کریں گے تو خود کا جینا مشکل ہو جائے گا، سی آئی ڈی لگا دی جائے گی، اسلام دشمن طاقتیں نشانہ پر رکھیں گی، اس خوف کی وجہ سے از خود کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کرنے والوں کو کلمہ پڑھوانے سے بھی گریز کیا جاتا ہے، چنانچہ ایک مسلمان لڑکی غیر مسلم لڑکے کے قبولِ اسلام کے بعد نکاح کے لیے مختلف دینی شخصیات، مساجد کے کئی روز دورے کرنے کے بعد بھی انہیں مسلمان ماننے نکاح کروانے کے لیے تیار نہ ہوا تو بالآخر یہ طے ہوا کہ اپنے معاشرہ سے مایوسی ہو چکی چلو ہندو ہو جاتے ہیں، پھیرے لگا لیتے ہیں، مجبوراً ایک مندر کے پجاری نے لڑکی کی شدھی کر کے ان کے پھیرے لگوا دیے، جبکہ دعوتِ اسلام میں اللہ نے حفاظت رکھی ہے۔ (۱)

”يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ

فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۗ وَاللَّهُ يَعْصِيكَ مِنَ النَّاسِ“ (۲)

اس لیے اس قسم کے خوف سے خالی ہو کر کام کرتے رہنا چاہیے، احتیاطی اور قانونی تحفظ کی تدابیر کی رعایت کے ساتھ محنت ہو مقرر کا طے شدہ ٹلنے والا نہیں ہے، خدائی مدد ضرور شامل ہوگی۔

تیرھویں غلط فہمی

اخلاص کے نام پر اخفا میں حد درجہ غلو بھی دعوت کے کام میں رکاوٹ ہے، جس میں غیر اللہ کا خوف پوشیدہ ہے، کوئی ہماری جان کا دشمن نہ بن جائے، جبکہ کارِ دعوت پوری انسانیت کے لیے مطلوب و اشاعتی کام ہے، اس میں حوصلہ، قربانی، آخری درجہ کی پریشانیاں جھیلنے کے لیے تیار رہنا ہے اس راہ کے مصائب ہی راہِ عزیمت کے وہ تحفے ہیں جن کی وجہ سے ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کو فخر سے ذکر کرتے ہیں، اس راہ میں

(۱) دعوتِ دین، کچھ غلط فہمیاں: ۴۰

(۲) سورة المائدة - آیت: ۶۷

بے خوف ذاتِ حفیظ پر بھروسہ کر کے قدم رکھنا ہے۔

الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا

اللَّهُ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝ (۱)

رہی بات اخلاص کی تو وہ ایک امرِ باطن ہے جہاں کسی کو دکھانے کے لیے عمل کرنا
ریا ہے وہیں کوئی دیکھ نہ لے اس غرض سے عمل کا ترک بھی ریا ہے، ریا ایجابی و سلبی
دونوں پہلوؤں میں پایا جاتا ہے، اس اخفا کی وجہ سے آج تک برادرانِ وطن کو یہ باور
نہیں کرایا جاسکا کہ یہ پوری انسانیت کی نجات و فلاح کے لیے ان کے مالک کا آخری
وابدی قانون ہے، مزید برآں جن مذاہب میں دعوت کی کوئی گنجائش نہیں وہ اسلام کی
دعوتی مزاج کو اپنا کردعوتی شناخت منوار ہے ہیں، اور ہم خوف کو اخلاص کا نام دے رہیں۔
اس راہ میں ریا بھی اخلاص ہی ہے، کوئی شخص اپنے اخلاق و تعلقات، معاملات
و معاشرت اسلامی طرز پر اپناتا ہے تاکہ برادرِ وطن متاثر ہو کر اسلام قبول کر لے، اس کو
ریا کہا جائے گا یا یہ بھی دعوت کا حصہ ہی ہے؟ دعوت کی راہ میں اس خوف کی وجہ خود سے
کلمہ پڑھنے کے لیے آنے والے کو نہ پڑھوانا کفر پر راضی رہنا ہے، جتنی دیر وہ کفر پر باقی
رہا اتنی دیر ہم کفر پر راضی رہے، تبرکاً کسی بزرگ سے پڑھوانے کے لیے بھی تاخیر کی
گنجائش نہیں کیا پتہ کہ اس سے قبل اس کی موت واقع ہو جائے۔

چودھویں غلطی

دعوتِ دین میں صرف عقلی دلائل، مادی نفع اور اسلامی کو سائنٹفک ہی ظاہر کرنا
اور حشر و نشر، سزا و جزاء کے پہلو کو پیش کرنے میں سمجھنا کہ سائنس کے ترقی یافتہ دور میں
ایسی باتیں کون سنے گا، یہ خیال غلط ہے، جبکہ اسلام دینِ فطرت، اور انسانی فطرت کا
تقاضہ ہے کہ وہ کسی ایسی ہستی کے آگے جھکے جو عقل میں نہ آتی ہو، اسی لیے انسان ہر اس
شعبہ سے مرعوب ہو جاتا ہے جو اس کی عقل میں نہ آئے، اسلام کا حقیقی چین اس وقت

تک حاصل نہ ہوگا جب تک توحید سے جڑے ہوئے عقیدہ آخرت پر بھی اس کو یقین نہ آئے، عقلی دلائل، (scientific) انداز انسان کو قائل تو کر سکتا ہے مگر مائل نہیں کر سکتا کہ وہ اپنے مذہب کو برا سمجھ کر نئے مذہب کو سینہ میں جگہ دینے کے لیے تیار ہو جائے۔

سچ تو یہ ہے کہ آخرت کا حقیقی تصور داعی کے دل میں پیدا ہو جائے تو دعوت کا انداز بھی موثر ہوگا، چونکہ مخاطب کو ہمیشہ کی جہنم سے بچانا ہے، اور یہی عقیدہ آخرت کا تصور سابق مذہب کے پورے خاندانی، معاشرتی، معیشتی تکالیف کو برداشت کر لینے پر آمادہ کرتا ہے، ورنہ مادی وسائل کی کثرت یا عقلی دلائل کا جواب ہضم نہ ہو تو مرتد ہونے سے آخرت کے تصور کے علاوہ کون تھام سکے گا۔

مولانا عاشق الہی بلند شہری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”مرنے کے بعد کیا ہوگا؟“ کی تصنیف کے وقت پر برادرانِ وطن میں دعوت کا تصور بھی نہیں رہا ہوگا، اس کتاب کے ہندی ایڈیشن میں صرف رسم الخط بدلا گیا ہے، جس سے غیر مسلم بھائیوں کو پوری طرح سمجھ میں آنا بھی مشکل ہے، مگر سینکڑوں کی تعداد میں ایسے غیر مسلم ہیں جو صرف اس کتاب کے ہندی ایڈیشن کو پڑھ کر مسلمان ہوئے ہیں۔

دس ہزار لوگ عقلی دلائل سے اسلام قبول کریں اور ایک بندہ عقیدہ آخرت کے تصور سے اسلام قبول کرے تو اس ایک کا اسلام پر باقی رہنا زیادہ آسان ہے، ان سب کے مقابلہ میں، کچھ تو بات ہے کہ مکی زندگی اکثر آیات حشر و نشر، عقیدہ آخرت، بعث بعد الموت پر مشتمل ہیں۔

پندرہویں غلط فہمی

عموماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ حق کی دعوت پر باطل مقابلہ میں آنا ضروری ہے، مخالفین پیدا ہونا یقینی ہے، بعض خواص کا بھی یہی خیال ہے، بعض اوقات دعوتی کام کی حسرت دل میں ہونے کے باوجود اسی خیال سے کہ ”کیوں مصیبت مول لیں“ خاموشی اختیار کر لی جاتی ہے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی زندگی، اور تاریخ ہر دور کے داعی کی

سوانح سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے، آپ ﷺ کی پوری حیات طیبہ میں دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے یا ماننے والوں کی تعداد؟ پوری مدنی زندگی میں مخالفین کتنے رہے؟ جتنے بادشاہوں کو خط لکھا گیا کتنے مخالفت کرنے پر تلے؟ ہر دور میں مخالفت کرنے والے کتنے رہے؟ تاتاریوں کے اسلام قبول کرنے سے کونسی مخالفتیں ہوئیں؟ خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین زیادہ ہیں یا تبعین؟ ہاں! داعی کو ہر مصیبت جھیلنے اور ہر مخالف کو برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا ضروری ہے مگر مخالفت ہونا ضروری نہیں، انبیاء کے جہاں مخالف پیدا ہوئے وہاں کتنے انبیاء ہیں جنہوں نے بنا کسی مخالفت کے اپنا فریضہ انجام دیا، یہ سچ ہے کہ اگر ہر جگہ آسانیاں ہوں تو زندگی دشوار ہو جائے مگر یہ بھی سچ ہے کہ دعوت کے راہِ وفا میں ہر دشمن دوست بن جاتا ہے۔

فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ (۱)

عبداللہ ابن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کا واقعہ

سورہ عبس کے ابتدائی دس آیات کا شانِ نزول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک مرتبہ قریش کے سرداروں عتبہ بن ربیعہ، ابو جہل بن ہشام، عباس بن عبدالمطلب، اُبی بن خلف اور اُمیہ بن خلف کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، اسی دوران حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے جو کہ نابینا تھے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کو بار بار آواز دے کر عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو سکھایا ہے وہ مجھے تعلیم فرمائیے، حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ نے یہ نہ سمجھا کہ حضور اقدس ﷺ دوسروں سے گفتگو فرما رہے ہیں اور میرے پکارنے سے قطعِ کلامی ہوگی۔ یہ بات حضور پر نور ﷺ کو گراں گزری اور ناگواری کے آثار چہرہ اقدس پر نمایاں ہوئے، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، اس آیت اور اس کے بعد والی ۹ آیات میں فرمایا گیا کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات پر اپنے ماتھے پر شکن چڑھائی اور منہ پھیرا کہ ان کے پاس ایک نابینا شخص حاضر ہوا اور اے

پیارے حبیب! ﷺ، آپ کو کیا معلوم کہ شاید وہ آپ کا ارشاد سن کر پاکیزہ ہو جائے یا آپ کے کلام سے نصیحت حاصل کرے تو وہ نصیحت اسے فائدہ دے۔ جبکہ دوسرا وہ شخص جو اپنے مال کے تکبر میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے اور ایمان لانے سے بے پروا ہوا تو آپ اس کے پیچھے پڑتے ہیں اور اس کے ایمان لانے کی امید میں اس پر کوشش کرتے ہیں (تا کہ دین اسلام کی قوت میں اضافہ ہو اور ان کے پیچھے چلنے والے اور لوگ بھی ایمان لے آئیں) حالانکہ آپ پر اس بات کا کوئی الزام نہیں کہ وہ کافر ایمان لا کر اور ہدایت پا کر پاکیزہ نہ ہو کیونکہ آپ کے ذمہ دعوت دینا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور وہ ابنِ اُمّ مکتوم، جو بھلائی کی طلب میں تمہارے حضور ناز سے دوڑتا ہوا آیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے تو آپ اسے چھوڑ کر دوسری طرف مشغول ہوتے ہیں، ایسا کرنا آپ کی شان کے لائق ہرگز نہیں۔ (۱)

تفسیری فوائد

① یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے دو طرح کے لوگ تھے، ایک مالدار کفار جن کے اسلام لانے سے خود اُن کفار کو اور اسلام و مسلمانوں کو فائدہ تھا جبکہ دوسری طرف نابینا مسلمان صحابی تھا، دونوں کے اعتبار سے یہاں تین پہلو تھے:

پہلا یہ کہ مالدار کفار، خصوصاً سردار ہر وقت تبلیغ کے لئے مُیَسَّر نہیں ہوتے تھے اور اُس خاص وقت کے علاوہ دوسرے وقت ان کا ایمان کی بات سننے کے لیے آنا یقینی نہیں تھا جبکہ صحابی ہر وقت حاضر رہتے اور اُس خاص وقت کے علاوہ دوسرے وقت میں ان کا آنا یقینی تھا۔

دوسرا پہلو یہ تھا کہ کفار سے بات ایمانیات کے متعلق ہو رہی تھی جبکہ صحابی سے

(۱) خازن، عبس، تحت الآیۃ: ۱-۱۰، ۴/ ۵۳، مدارک، عبس، تحت الآیۃ: ۱-۱۰، ص ۱۳۲، جلالین، عبس، تحت الآیۃ: ۱-۱۰، ص ۴۹۰، ملخصاً

بات ایمان کی تکمیل یا عمل کے متعلق ہونی تھی اور ایمان کا معاملہ اس کی تکمیل اور اعمال سے زیادہ اہم ہے۔

تیسرا پہلو یہ تھا کہ کفار کا ایمان لانا یقینی نہیں تھا جبکہ صحابی کا آپ ﷺ کے فرمان پر عمل نسبتاً یقینی تھا، ان تینوں باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اب آیت اور اس واقعے کا مفہوم سمجھیں کہ پہلے دو پہلوؤں کا تقاضا یہ تھا کہ کفار سے بات کرنے کو ترجیح دی جائے جبکہ تیسرے پہلو کا تقاضا تھا کہ صحابی سے بات کرنے کو ترجیح دی جائے، نبی کریم ﷺ نے پہلے دو پہلوؤں کو کثرتِ فوائد کے پیش نظر اپنے اجتہاد سے ترجیح دی جبکہ حکمِ الہی میں بتا دیا گیا کہ تیسرا پہلو جو یقینی تھا اسے پہلے والے دو غیر یقینی پہلوؤں پر ترجیح دی جانی چاہیے تھی چنانچہ اسی کے حوالے سے آپ ﷺ کی تربیت فرمادی گئی اور آپ ﷺ کو آپ کی تمام جہانوں کے لئے رحمت ہونے والی شان کے مطابق انداز اپنانے کا بھی فرما دیا گیا کہ اس طرح کے معاملات میں چہرے پر تیوری نہ چڑھائی جائے۔

② اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی: اس بات پر کہ ان کے پاس نابینا حاضر ہوا۔ حضرت عبداللہ بن اُمّ مکتوم رضی اللہ عنہ کو نابینا فرما کر ان کی تحقیر نہیں کی گئی بلکہ اس میں ان کی معذوری کی طرف اشارہ ہے کہ ان سے قطعِ کلامی بینائی نہ ہونے کی وجہ سے واقع ہوئی اور اس وجہ سے وہ مزید نرمی کئے جانے کے مستحق تھے۔

③ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ”بعض حضرات کو اس سے غلط فہمی ہوئی کہ غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینے سے مقدم مسلمانوں کی تربیت ہے، لیکن یہ درست نہیں ہے، اور نہ یہ اس واقعہ کا منشا ہے، اس واقعہ کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ کسی شخص کو اس کی معذوری کی وجہ سے کمتر نہ سمجھنا چاہئے اور دنیوی وجاہت کو جذبہ ایمانی پر ترجیح نہ دینی چاہئے، رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایسی ترتیب قائم نہیں فرمائی کہ مسلمانوں کی تربیت ہو،

پھر غیر مسلموں کو دعوت دی جائے، بلکہ آپ ﷺ نے ساتھ ساتھ دونوں کاموں کو انجام دیا ہے، ایک ہی وقت میں آپ ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت بھی فرماتے، ان کو دین سکھانے کا اہتمام بھی کرتے، اور غیر مسلم قبائل پر اسلام کی دعوت بھی پیش کرتے، ان کے پاس اپنے نمائندے بھیجتے یا ان کو دعوتی خطوط تحریر کرتے، کیوں کہ نبی پوری انسانیت کی طرف مبعوث ہوتا ہے، نہ کہ صرف ایمان والوں کی طرف (۱) نیز امت کو بھی اللہ تعالیٰ نے صرف مسلمانوں کے لئے نہیں بلکہ پوری امت کے لئے پیدا فرمایا

ہے: ”كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ“ (۲) بلکہ غیر مسلموں میں دعوت کا کام بعض جہت سے زیادہ اہم ہے، کیوں کہ مسلمانوں کو دین کی تعلیم، دوزخ کی عارضی سزا سے بچانے یا ان کے درجات کو بلند کرنے کے لئے ہے اور عام طور پر مسلمانوں کو زندگی کے کسی نہ کسی مرحلہ میں توبہ کی توفیق ہو ہی جاتی ہے، جب کہ غیر مسلموں کو دعوت ابدی عذاب سے بچانے کے لئے ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں انبیاء کے جو خطبات ذکر کئے گئے ہیں، زیادہ تر ان میں خطاب کافروں سے ہے نہ کہ مسلمانوں سے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی کام ضروری ہیں اور اس میں کوئی ایسی ترتیب نہیں کہ جب تک ایک کام نہ ہو جائے دوسرا کام نہ کیا جائے۔ (۳)

④ اگر اس آیت میں مسلمانوں کی تربیت کو کفار کے ایمان پر مقدم رکھنے کا حکم دیا گیا ہے

(۱) جب دعوت و تبلیغ نبیوں والی محنت ہے، نبی بیک وقت ساری امت کے لئے ہے تو دعوت بھی ساری امت کے لیے ہوگی، جس طرح نبی کی نبوت پہلے مسلمانوں کے لیے پھر غیر مسلموں کے لیے نہیں ہے بلکہ سب کے لیے آن واحد میں ہے تو نبوی محنتیں بھی آن واحد میں جاری رہیں گی، مسلمانوں کی تربیت اور غیر میں دعوت دونوں بیک وقت جاری رہیں گی۔

(۲) آل عمران: ۱۱۰

(۳) آسان تفسیر قرآن مجید، سورہ عبس: ۸۴۸

تو آیت نازل ہونے کے بعد آپ ﷺ کے طرز عمل میں تبدیلی آئی؟ کفار میں دعوت کو ثانوی درجہ میں رکھا، یا اس تحریک میں برابر زور پیدا ہوتا رہا؟ اور تا وفات کفار کے پاس لشکر اسلام جاتا رہا؟ اگر اس آیت کا مطلب یہی لیا جائے تو جس ذاتِ مقدس پر آیت نازل ہوئی ان کی عملی تفسیر کا پیغام کیا ہے؟ (۱)

⑤ جب کفار کے غم میں آپ ﷺ کا تڑپنا دیکھا گیا تو آیت فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَتٍ (۲) اور آیت لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسُكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (۳) نازل ہوئی جس سے یہ سمجھا جائے کہ اب غیر مسلموں میں کام کی فکر زیادہ کرنے سے منع کر دیا گیا تو آپ ﷺ نے اس جیسی آیات کے نزول کے بعد اپنا غم و فکر کم کر دیا یا برابر فکر تا وفات جاری رہا؟ کوئی ایمان والا نہیں کہہ سکتا کہ آخری زندگی میں آپ ﷺ کفار کے ایمان سے متعلق اپنی فکر اور محنت کم کر دی تھی، اگر آیت کا یہی مطلب ہے تو آپ ﷺ کا عمل اس مطلب و حکم کے خلاف کیونکر ہو سکتا ہے؟ درحقیقت ان آیات میں جہاں آپ ﷺ کے دعوے کی درد، پوری انسانیت خیر خواہی کے تڑپ پر تسلی ہے وہیں امت کو حکم ہے کہ آپ ﷺ جیسا غم و فکر کفار کے ایمان سے متعلق پیدا ہونا چاہئے، کفار کے ایمان کے لیے اپنے نبی ﷺ کا اسوہ و تڑپ تمہیں اپنانا چاہئے۔ (۴)



(۱) دعوتِ دین، کچھ غلط فہمیاں: ۲۳

(۲) سورہ فاطر: ۸

(۳) سورہ الشعراء: ۳

(۴) دعوتِ دین، کچھ غلط فہمیاں: ۲۵

مرتد طبقہ میں دعوتِ دین

مسلمانوں میں تصویر کے دورِ خ

اس وقت پورے عالم میں اسلامی بیداری کی لہر پائی جاتی ہے، آئے دن مساجد میں اضافہ ہو رہا ہے، مدارس کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے، نئی نئی دینی تحریکات قائم ہو رہی ہیں، جگہ جگہ اسلامی مراکز کی بنیاد پڑ رہی ہے، اسلامی طرز کی زندگی عام ہو رہی ہے، مختلف اسلامی موضوعات پر عالمی سطح پر سمینار منعقد ہو رہے ہیں، لوگوں میں اسلام کی طرف رجوع بڑھتا جا رہا ہے، مسلمانوں میں دینی شعور پیدا ہوتا جا رہا ہے، نوجوانوں اور بچوں میں اسلامی وضع قطع کا اہتمام ہو رہا ہے، اسلام کے لئے دل کھول کر دولت صرف کی جا رہی ہے، غیر مسلموں میں اسلام سے دلچسپی پیدا ہو رہی ہے، مختلف یورپی ملکوں میں قبولِ اسلام کی شرح میں غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے، ہر سال سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں۔

یہ وہ صورتِ حال ہے جسے جان کر ہر مسلمان خوشی سے جھوم اٹھتا ہے، لیکن یہ تصویر کا صرف ایک رخ ہے، تصویر کا دوسرا رخ ارتداد کا وہ سیلاب ہے جو امتِ مسلمہ کے دین و ایمان کے لئے چیلنج بنا ہوا ہے جہاں تک تہذیبی ارتداد کی بات ہے تو یہ بہت عام ہے، مغربی تہذیب کی یلغار نے امت کے ایک بڑے طبقہ کو تہذیبی ارتداد کے قریب پہنچا دیا ہے۔

ارتدادی سرگرمیوں کے تین محور

لیکن حقیقی ارتداد کی صورتِ حال بھی کچھ کم تشویشناک نہیں ہے، عالمی سطح پر ارتداد کی کاوشیں عیسائی مشنریوں کے ذریعہ ہو رہی ہیں، جنہیں مغرب کی مکمل سرپرستی حاصل ہے، براعظم افریقہ کے بیشتر ممالک عیسائیت کے زرعے میں ہیں، جہاں عیسائی مشنریاں منظم انداز میں عیسائیت کی تبلیغ کر رہی ہیں، ان کے علاوہ ہندوستانی پس منظر میں فرقہ پرست ہندو تنظیمیں بھی پوری طرح سرگرم ہیں، اسی طرح دنیا کے مختلف ملکوں بالخصوص برصغیر ہندوپاک میں قادیانیت کا بھی کافی زور ہے، اس طرح ہندوستان میں ارتدادی سرگرمیوں کے یہ تین محور ہیں:

① ہندو تنظیمیں ② عیسائی مشنریاں ③ قادیانی حضرات

ہندو تنظیم کی کاوشیں

ہندو تنظیموں میں وشوا ہندو پریشد اپنے قیام کے روزِ اول ہی سے شدھی کے مقاصد پر کاربند ہے، آریہ سماج کے شدھی کرن کے منصوبہ کو وہ پھر سے زندہ کر رہی ہے، ہندو پریشد کو آریس ایس کا مکمل تعاون حاصل ہے، میناکشی پورم کے قبولِ اسلام کے واقعہ نے ہندو پریشد میں زبردست تحریک پیدا کر دی، چنانچہ ۱۹۸۱ء سے لے کر ۱۹۹۵ء اور اب تک وشوا ہندو پریشد نے اس معاملہ میں کافی سرگرمی دکھائی ہے، ایک اندازہ کے مطابق وشوا ہندو پریشد نے مسلمانوں، بودھوں اور عیسائیوں کو ہندومت میں داخل کرنے کے لئے ۱۰/ ہزار مبلغین کو پھیلا رکھا ہے، اسی طرح آریس ایس اور اس کی مختلف ذیلی تنظیمیں بھی ارتداد کے سلسلہ میں سرگرم ہیں، ہندو تنظیموں کے کام کا انحصار زیادہ تر دھمکیوں اور سماجی بائیکاٹ پر ہوتا ہے۔

عیسائی مشنری اور ان کے کام کے تین محاذ

ارتداد کا دوسرا محاذ عیسائی مشنریاں ہیں، عیسائی مشنریاں ویسے عالمی سطح پر سرگرم ہیں، ان کا میدان وہ غریب مسلم ممالک ہیں جہاں کا ایک طبقہ خطِ افلاس کے نیچے زندگی

کذا رتا ہے، ہندوستان میں بھی عیسائی مشنریاں کافی سرگرم ہیں، یہاں کا دلت طبقہ عیسائیت سے کافی متاثر ہے، کیرالا، کرناٹک، آندھرا پردیش کی ریاستیں عیسائیت کا خاص میدان ہیں، اسی طرح دیہاتوں کے کمزور مسلمان عیسائیت کے چنگل میں آ رہے ہیں، چھوٹے چھوٹے قریوں اور قصبوں میں آئے دن چرچوں کا اضافہ ہوتا جا رہا ہے، عیسائی مشنریوں کا کام تین محاذوں سے انجام پاتا ہے:

① تعلیم ② علاج و معالجہ ③ ریلیف

ملک میں مشنری اسکول کا جال پھیلا ہوا ہے، جو اپنے خاص تعلیمی معیار کے لئے سارے ملک میں شہرت رکھتے ہیں، ان اسکولوں میں ہر مذہب کے لوگ خطیر رقم دے کر اپنے بچوں کو شریک کراتے ہیں، تعلیم کے ساتھ غیر محسوس طریقہ سے ان بچوں کو عیسائی عقائد سے قریب کیا جاتا ہے اور مغربی تہذیب سے دلدادگی پیدا کی جاتی ہے، ان اسکولوں میں مسلمانوں کا انتہائی ذہین اور متمول طبقہ تعلیم حاصل کرتا ہے، دیہاتوں میں سادہ لوح دیہاتیوں سے تعلیم کے عنوان سے ان بچوں کو حاصل کیا جاتا ہے اور انھیں قیام و طعام اور معالجہ کی تمام سہولتوں کے ساتھ عیسائی ہاسٹلوں میں رکھا جاتا ہے اور دھیرے دھیرے ان کی ذہن سازی کی جانے لگتی ہے۔

عیسائیوں کا اہم ترین حربہ علاج و معالجہ ہے، جگہ جگہ پر مشنریوں کے ہاسپٹلس قائم ہیں، جہاں علاج کا معقول انتظام ہوتا ہے، مریضوں کیساتھ انتہائی ہمدردی کا معاملہ کیا جاتا ہے، نتیجتاً دورانِ علاج مریض ان معالجوں سے بے حد متاثر ہوتا ہے، یہیں سے تبدیلی مذہب کی راہیں ہموار ہونے لگتی ہیں، فسادات کے موقع پر مشنریوں کی سرگرمیوں میں کافی تیزی آ جاتی ہے، سینکڑوں یتیم بچوں کو کفالت کے عنوان سے مشنریاں حاصل کر لیتی ہیں، پھر انہیں عیسائیت کے سانچہ میں ڈھالا جاتا ہے، اسی طرح غربت سے دوچار خاندانوں کو ریلیف کے ذریعہ رام (قابو میں) کر لیا جاتا ہے اور کاروبار اور معاشی مدد کے ذریعہ عیسائیت کے دام میں پھانسا جاتا ہے۔

قادیانیت کی دیہی کاوشیں

ارتداد کا تیسرا محاذ قادیانیت ہے، یہ اس لحاظ سے نازک ہے کہ قادیانی خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں، جس کی وجہ سے عام مسلمان آسانی سے ان کے چنگل میں آجاتے ہیں، قادیانی مارِ آستین ہیں، ہندوستان کی مختلف ریاستوں کی دیہی آبادی میں قادیانیت کی زبردست سرگرمیاں جاری ہیں، قادیانیوں کا میدانِ کار ایسے دیہات ہوتے ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی کم ہوتی ہے اور جو دینی علوم سے نابلد اور شہری مسلمانوں سے کٹے ہوئے ہوتے ہیں، چنانچہ ایسے سینکڑوں دیہات ہیں جو قادیانیت سے شدید متاثر ہیں، قادیانیوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ دیہات کے انتہائی پسماندہ مسلمانوں کو معاشی لالچ دیا جاتا ہے، نیز وہاں دینی تعلیم کا نظم کیا جاتا ہے، مسجد نہ ہو تو مسجد بنائی جاتی ہے، بغیر تنخواہ امام مقرر کیا جاتا ہے، ابتداء میں ساری چیزیں اسلام کے مطابق بتائی اور سکھائی جاتی ہیں، پھر قادیانی عقائد کو اس مضبوطی سے ذہن نشین کرایا جاتا ہے کہ لوگ انہی کو اصل اسلام سمجھ بیٹھتے ہیں، نیز صحیح العقیدہ مسلمانوں کے بارے میں انہیں حد درجہ بدگمان کر دیا جاتا ہے، جب علماء ان دیہاتوں کا رخ کرتے ہیں تو انھیں باہر ہی سے رخصت کر دیا جاتا ہے، بسا اوقات تشدد تک کی نوبت آ جاتی ہے۔

پس چہ باید کرد؟

اس وقت ارتداد کے سید باب کے لئے چند فوری اقدامات ناگزیر ہیں جن کی طرف ذیل کی سطروں میں اشارہ کیا جا رہا ہے:

① اصلاحی کوششوں میں تیزی پیدا کی جائے، اور ایک منصوبہ بند پروگرام کے تحت سارے دیہاتوں اور ارتداد زدہ علاقوں کا سروے کر کے ان میں اصلاحی کام کیا جائے، اس وقت مختلف تحریکوں کے ذریعہ اُمت میں اصلاحی کام ہو رہا ہے، بالخصوص تحریک دعوت و تبلیغ کی اس میدان میں نمایاں خدمات ہیں، لیکن اکثر اصلاح کا دائرہ شہروں تک محدود رہتا ہے، یا پھر دیہاتوں میں غیر منظم انداز

پر کام ہو رہا ہے، جس سے بہت سے دیہات نظر انداز ہو رہے ہیں، اس کے لئے ہر تعلقہ کے تحت آنے والے دیہاتوں کی ایک لسٹ بنائی جائے، پھر تعلقہ کو ہیڈ کوارٹر بنا کر ان دیہاتوں کا احاطہ اس طور پر کیا جائے کہ وقفہ وقفہ سے وہاں اصلاحی وفد اور علماء پہنچتے رہیں۔

② جن قریوں میں اصلاحی کام کسی حد تک قابو میں آجائے ان قریوں کے مقامی لوگوں کو داعی بنایا جائے، اس طور پر کہ وہ خود اس کام کو سنبھال لیں، اس کے لئے دعوت و تبلیغ کا نہج موزوں معلوم ہوتا ہے، جس کے تحت ہر ہفتہ گشت اور پروگرام ہو اور لوگ مستقل وقت نکالتے رہیں، مقامی افراد جب تک کھڑے نہ ہوں گے دیر پا اصلاحی عمل کی توقع نہیں کی جاسکتی۔

③ علماء کی ایک بڑی تعداد تعلقوں اور دیہاتوں سے تعلق رکھتی ہے، لیکن عموماً فراغت کے بعد وہ شہروں کا رخ کر لیتے ہیں، مقامی علماء کو اپنے دیہاتوں میں رہ کر کام کرنے کی ترغیب دی جائے، اس سلسلہ میں ان کے معاشی مسائل کا حل نکالا جائے تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اپنے علاقہ میں مصروف کار رہیں۔

④ ارتداد کے مقابلہ کے لئے مالی وسائل کی اہمیت سے بھی انکار ممکن نہیں، بہت سے دیہاتوں میں مساجد ہی نہیں پائی جاتیں اور بعض ایسے دیہات بھی ہیں جہاں قادیانیوں کی تعمیر کردہ مساجد ہیں اور انہی کا امام بلا تنخواہ امامت اور بچوں کو تعلیم دیتا ہے، ظاہر ہے کہ مساجد کی تعمیر یا ائمہ کی فراہمی کے لئے مالیہ کی سخت ضرورت ہوگی، آج امت مختلف لایعنی کاموں میں لاکھوں روپے صرف کرتی ہے، اگر اس کے سرمایہ کا کچھ حصہ فتنہ ارتداد کی سرکوبی کے لئے صرف ہو تو کتنا عظیم کام انجام دیا جاسکتا ہے، دیہاتوں میں باصلاحیت علماء کا تقرر وقت کا اولین تقاضہ ہے، مختلف دینی تحریکوں میں سے کوئی تحریک اس کو اپنے بنیادی مقاصد میں شامل کر کے ائمہ کی فراہمی پر توجہ دے۔

- ⑤ ان اضلاع اور دیہاتوں کی ایک لسٹ بنائی جائے جو ارتداد سے شدید متاثر ہیں یا جہاں قادیانی یا عیسائی مشنریاں سرگرم عمل ہیں، تاکہ فوری طور پر وہاں کام کا آغاز کیا جاسکے، اس وقت ہماری تحریکوں کا المیہ یہ ہے کہ ان کے پاس ارتداد سے متعلق ٹھوس معلومات نہیں ہیں، سارے ملک کا سروے کر کے ایک جامع رپورٹ تیار کرنا انتہائی ضروری ہے، جب تک صورت حال کی نزاکت کا علم نہ ہوگا کام کی فکر پیدا نہیں ہو سکتی، کل ہند سطح کی دینی جماعتوں کی یہ ذمہ داری ہے۔
- ⑥ ارتداد پر توجہ دینے والی مختلف تحریکوں کے درمیان باہمی رابطہ بھی ضروری ہے، تاکہ کوششوں کو منظم کیا جاسکے اور ہر ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کر سکے، اس وقت ارتداد کے انسداد کے لئے کوششیں تو ہو رہی ہیں، لیکن ان میں تنظیم اور منصوبہ بندی کی کمی ہے، جس کی وجہ سے مطلوبہ نتائج نہیں نکل رہے ہیں۔

- ④ بہت سے دیہات ایسے ہیں جہاں دو چار مسلم گھرانے آباد ہیں، بقیہ پوری آبادی غیر مسلموں پر مشتمل ہے، عموماً ایسے دو چار مسلم خاندان غیر مسلموں میں ضم ہو جاتے ہیں، ایسے خاندان نام کے مسلمان ہوتے ہیں، سارے طور و طریقے غیر مسلموں کے اپنائے ہوتے ہیں، ایک عرصہ گزرنے کے بعد یہ لوگ اپنے آپ مرتد ہو جاتے ہیں، ان خاندانوں کے ایمان و اسلام کی بقا کے لئے خصوصی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس طرح کے دیہاتوں میں اصلاحی کام کے آغاز کے ساتھ مساجد کی تعمیر بھی ضروری ہے۔

انھیں بتلایا جائے کہ مسلم اقلیتی علاقوں میں رہنے کی اجازت جب ہی ہے جبکہ اپنی تہذیب و عقیدہ کی حفاظت ہو سکے، شریعت میں مستقل عنوان ہے کہ ایسے ملک کی شہریت یا ایسے علاقہ کا انتخاب کیا جاسکتا ہے جہاں آئندہ آنے والی نسل کا ایمان خطرہ میں ہو، کوئی عالم نہیں، کوئی مسجد و مدرسہ نہیں، کوئی دینی مزاج والا

اسکول نہیں، برقعہ والیاں نظر نہیں آتی ڈاڑھی ٹوپی والے دور دور تک نہیں بلکہ ہندوؤں کے تہوار اور ان کی مندروں کی کثرت، بھجن کی آواز ہماری نسل کو ضرور متاثر کرے گی، ایسی جگہ پر رہنا ہرگز درست نہیں، ایسی جگہ منتقل ہو جائے جہاں دین و ایمان کی حفاظت ہو سکتی ہو۔ (ہماری کتاب ”مسنون معاشرت“ دیکھئے) دس پندرہ مکانات کے لئے مسجد بنانا مناسب معلوم نہیں ہوتا، اگر آبادی مستقل ہو جائے تو مصلیٰ یا جماعت گاہ بنالی جائے جہاں باجماعت نماز اذان کے ساتھ ہوتی ہے، بہر حال چونکہ مسجد ایک مرتبہ جب بن جاتی ہے تو قیامت تک مسجد رہتی ہے، اُسے نہ بدلا جاسکتا ہے نہ بیچا جاسکتا ہے، اس لیے مسجد بنانے میں جلدی نہیں کرنا چاہیے۔

⑧ بعض علاقوں میں مسلمان اردو زبان سے بالکل نا بلد ہوتے ہیں، علاقائی زبان ہی ان کی افہام و تفہیم کی زبان ہوتی ہے، ایسے علاقوں میں اسلامی مبادیات پر مشتمل کتابوں کو علاقائی زبان میں شائع کرنا ضروری ہے، تاکہ اسلام کے بارے میں انہیں بنیادی معلومات حاصل ہو سکیں، مختلف علاقائی زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی فراہمی ارتداد کے انسداد کا ایک اہم حصہ ہے۔

مرتد مسلمانوں میں دعوت کا طریقہ کار

جیسا کہ اشارہ کیا گیا کہ ہندوستان میں تین راستوں سے مسلمانوں میں ارتداد پھیل رہا ہے، عیسائیت، قادیانیت اور ہندومت، اسلام سے پھر کر ان مختلف مذاہب کو اپنانے والے مرتدوں میں دعوت کا طریقہ کار مختلف ہوگا، اس لئے کہ دعوت کے دوران مدعو کے پس منظر کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے، مذکورہ بالا تینوں مذاہب کے الگ الگ پس منظر ہیں، جن سے ان مذاہب کے اختیار کرنے والوں کی ذہنی تشکیل ہوتی ہے، تاہم مخاطب کے لحاظ سے دعوتی طریقہ کار کی نزاکتوں کی اہمیت دعوت کے علمی اسلوب میں درکار ہوتی ہے، موجودہ عام مرتد طبقہ جہالت کی بناء پر اسلام سے پھرتا ہے، جن کو نہ

اسلام کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی نئے اختیار کردہ مذہب کا، ایسے طبقہ میں علمی اسلوب کا رگر نہیں ہوتا، عام واعظانہ گفتگو مناسب ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مرتد مسلمانوں میں بہت کم مناظرہ یا استدلالی طرز گفتگو کی ضرورت پڑتی ہے، تاہم داعی کو قبل از وقت علمی طور پر تیار رہنا ضروری ہے، یہاں مختلف قسم کے ارتداد سے متاثر افراد میں کام کرنے کے لئے چند اشارات دیئے جا رہے ہیں۔

قادیانیت سے متاثرہ علاقوں میں کام کرنے کے لئے درج ذیل باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

① علماء کی جماعت ہی اس کام کے لئے زیادہ موزوں معلوم ہوتی ہے، اس لئے علماء کو باقاعدہ تربیت دی جائے، اس کے لئے ملک کے مرکزی دینی اداروں میں شعبہ قادیانیت کے تحت مستقل تربیتی نظام قائم کیا جائے۔

② ہر تعلقہ میں علماء کی زیر نگرانی ”مجلس تحفظ ختم نبوت“ کی تشکیل دی جائے، جس کے تحت اس تعلقہ کے سارے دیہاتوں کا احاطہ کیا جائے، نیز مجلس کا ماہانہ کارکردگی اجلاس منعقد کیا جائے، جس میں ہر مہینہ کی کارکردگی کا جائزہ لیا جائے۔

③ قادیانیت سے متاثرہ مسلمانوں میں حکمت اور ہمدردی کے ساتھ اس بات پر خوب زور دیا جائے کہ قادیانی اسلام سے خارج ہیں اور قادیانیت اسلام کے بالمقابل ایک متوازی دین ہے۔

④ ختم نبوت کے سلسلہ میں پھیلائے گئے قادیانی وسوسوں اور غلط فہمیوں اور پروپیگنڈوں کا پول کھولا جائے۔

⑤ مناظرہ سے حتی الامکان گریز کیا جائے، نیز حالات میں کسی طرح کا تناؤ پیدا ہونے نہ دیا جائے، مناظرہ ناگزیر ہو جائے تو قادیانیت پر کامل عبور اور مناظرہ کا تجربہ رکھنے والے علماء کی نگرانی میں مناظرہ کیا جائے۔

⑥ قادیانیت سے متاثر عام دیہاتی مسلمانوں میں دعوت دیتے ہوئے علمی موشگافیوں سے مکمل اجتناب کیا جائے، بلکہ ان کی ذہنی سطح کو ملحوظ رکھتے ہوئے سادہ انداز سے گفتگو اپنایا جائے۔

④ کام کی منصوبہ بندی اور دعوت کی حکمت کا پاس و لحاظ رکھتے ہوئے اس انداز سے کام کیا جائے کہ ماحول، حالت اور پس منظر کی پوری رعایت ہو۔
ہندومت سے متاثر افراد میں کام کرنے کے لئے درج ذیل باتوں کو ملحوظ رکھا جائے:

① جن مسلمان نے ہندومت یا سکھ مت قبول کیا ہے انہیں ان مذاہب کے ماننے والوں نے پورے طور پر قبول نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ بعض ہندو مذہبی قائدین نے ہندومت اختیار کرنے والے مرتد مسلمانوں کے لئے نئی مندروں کی تعمیر کی تجویز رکھی ہے، تاکہ انہیں عام مندروں میں داخل ہونے سے روکا جاسکے، اسی طرح ان مرتد مسلمانوں سے شادی بیاہ بھی نہیں کی جاتی، جس کا احساس خود ان مرتد مسلمانوں کو بھی ہے، دعوت کے دوران اس صورت حال کا پورا فائدہ اٹھایا جائے، اور ان سے کہا جائے کہ اگر وہ پھر سے اسلام کی طرف لوٹ آئیں تو ان کے ساتھ کسی قسم کا امتیازی سلوک برتنا نہ جائے گا بلکہ ان کی عام قدیم مسلمانوں جیسی حیثیت ہوگی۔

② عصری تعلیم کے ابتدائی اسکول قائم کئے جائیں اور ان اسکولوں میں مرتد لوگوں کے بچوں کی ذہن سازی کی جائے اور بچوں کے ذریعہ ان کے والدین سے ربط کیا جائے اور انہیں سمجھایا جائے۔

③ مرتد افراد میں کام کا تجربہ رکھنے والوں سے استفادہ کیا جائے، دعوت ایک عملی کام ہے، جس میں تجربات کافی اہمیت رکھتے ہیں، مرتد مسلمانوں میں جہاں بہت سے افراد اور تنظیمیں کام کر رہی ہیں وہیں ان میں ایک نام مولانا کلیم صدیقی

کا بھی ہے، ایک جگہ وہ اپنے تجربات کی روشنی میں مرتدوں میں کام کرنے کے طریقہ کار پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اس سلسلہ میں نفسیاتی کمزوریوں کا لحاظ بہت مفید ہے، مثلاً ان کے آبا و اجداد کے قبرستان کی صفائی پر ان کو متوجہ کریں اور مردوں کو جلانے میں ان کی تکلیف کا احساس ان کو دلائیں، جو غیر مسلم اسلام قبول کر رہے ہیں، ان کے واقعات ان کو بتائیں، ان مرتدوں میں جو لوگ اسلام کے دائرہ میں دوبارہ آنا چاہیں ان کو صرف ایمان کی تجدید کرنے کو کہیں، اس کی شہرت نہ کریں اور لوگوں کے سامنے اس کا چرچا نہ کریں، ان کو بتایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے ایمان کی ضرورت نہیں، اللہ کے یہاں ہماری وقعت ہو اور اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہوں اس کی ہمیں ضرورت ہے، حساس اور جذباتی ماحول بنا کر قرآن کریم کی آیات مع متن ان کے سامنے ان کی عقل کے مطابق ترجمہ اور تشریح کے ساتھ سنائی جائیں۔ (۱)

ہندوستانی پس منظر میں ارتداد کا ایک دروازہ ہے جو غیر مسلم لڑکوں یا لڑکیوں سے نکاح کرنے سے پیدا ہو رہا ہے، غیر مسلموں سے ازدواجی تعلق اس وقت ایک چیلنج بنا ہوا ہے، بعض فرقہ پرست طاقتوں کے ذریعہ یہ کام منظم انداز میں ہو رہا ہے، کالجوں اور تعلیم گاہوں کا مخلوط نظام بھی اس کا ایک اہم سبب ہے، والدین کا نوجوان لڑکیوں کو حد سے زیادہ آزادی دینا بھی اس طرح کے مسائل پیدا کر رہا ہے، یہ صرف مسلمانوں ہی کا مسئلہ نہیں، بلکہ دیگر مذاہب کے لوگوں میں بھی عام ہے، ارتداد کی اس صورت پر قابو پانے کے لئے مخلوط تعلیم اور تعلیم کے بہانے اولاد کو حد سے زیادہ آزاد چھوڑنے سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے، جن دیہاتوں میں جہالت کی وجہ سے ایسی شادیاں ہو رہی ہیں،

وہاں کے مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کرنا چاہئے، اسی طرح جن مقامات پر یہ مہم منصوبہ بند طریقہ سے چلائی جا رہی ہے اس سے چونکار ہنا بھی ضروری ہے۔

مختصر یہ کہ ارتداد امت کے لئے ایک زبردست چیلنج ہے، ہمیں صرف شہروں میں پائی جانے والی دینی لہر سے خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہئے، ایک طرف اگر آئے دن مختلف مذاہب کے لوگوں کے قبول اسلام سے خوشی ہوتی ہے تو دوسری طرف خود اپنوں کا اسلام سے پھر جانا ساری خوشیوں پر پانی پھیر دیتا ہے، ارتداد کی صورت حال اصلاحی کوششوں کی اہمیت کو دوچند کر دیتی ہے، نیز اصلاحی تحریکوں کو مزید متحرک کر دیتی ہے، ارتداد کے سد باب کے لئے اس وقت صدیق اکبرؑ کے عزم و حوصلہ کی ضرورت ہے، جنہوں نے اپنے دور کے ارتداد کا ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے کہا تھا: ”میرے جیتے جی اسلام میں کمی آجائے؟ یہ ممکن نہیں۔“ (۱)

آج کا خارج اسلام گمراہ فرقے شکیلیت اور آندھرا تلنگانہ میں فیاضیت اور عالمی سطح پر غامدیت، الحاد اور دھرمیت اسی طرح شیطان کے پجاری جیسے مذاہب شوشل میڈیا کے ذریعے فروغ پا رہے ہیں حدیث کے دلیل ہونے کا انکار، متواتر احادیث میں تاویل، سلف صالحین کی تحقیقات پر بے اعتمادی، مغرب کے سامنے شکست خوردگی اور مرعوبانہ مزاج وغیرہ، اس کے لیے حق و باطل کا وسیع مطالعہ سنجیدہ علمی اور منطقی گفتگو، انگریزی زبان پر عبور اور قوت دعا کی سخت ضرورت ہے۔



لسانِ قوم کی اہمیت

ساری زبانیں اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں انہیں کی قدرت کی نشانی ہے، ہر زبان میں ایک طرح کی چاشنی اور حلاوت پائی جاتی ہے، جس کو اس کے بولنے والے اچھی طرح محسوس کرتے ہیں، کوئی شخص جب مقامی زبان میں ہم کلام ہوتا ہے تو ملک، شہر کی جغرافیائی درحد بندیوں کے باوجود اجنبیت کا احساس کم ہو جاتا ہے۔

ثقافت کے پھیلاؤ میں زبان کا بھی اثر ہوتا ہے، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم پر سریانی زبان سیکھی، اگر زبان سے واقفیت نہ ہو تو اندیشہ رہتا ہے کہ وہ ہمارے الفاظ اور بیانات کو توڑ مروڑ کر پیش کرے، جس قوم سے واسطہ ہے اس قوم کی زبان اور محاورے سے واقفیت ہو تو کسی بھی قسم کی غلط فہمی کا اندیشہ نہیں ہوگا، جب اسلام تمام مذاہب پر غالب ہونے کے لیے آیا ہے تو فائدہ مند طریقہ یہ ہی ہے کہ اسلام کا پیغام انہیں کی زبان میں پہونچادے، حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا گیا ”فلیبلغ الشاهد الغائب“ موجودین غائبین تک پہونچادے، اب اتنی بڑی دنیا میں اربوں انسانوں تک جب ہی پیغام انہیں کی زبان میں پہونچایا جاسکتا ہے جبکہ دنیا میں بولی جانے والی زبانیں سیکھی جائیں، قرآن متعدد جگہوں پر کہتا ہے کہ ہم نے ہر رسول کو لسانِ قوم میں بات کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، قوم کی زبان جانے بغیر اپنے جذبات اور خیالات صحیح طور پر منتقل نہیں ہو سکتے ورنہ خود ہی کہے گا خود ہی سمجھے گا، اپنے لکھیں گے اپنے ہی پڑھیں گے، اجنبی اور غیر مذہب والوں سے رابطہ نہیں ہوگا۔

مقامی اور عالمی زبانوں کے ماہرین پیدا کرنا ضروری ہے اگر ہم تمام اقوام عالم تک پیغام رب پہنچانا چاہیں، تجارت ملازمت کے لیے لوگ مشکل سے مشکل زبان سیکھ لیتے ہیں، مگر دعوتِ دین کے مقصد کے لیے سیکھنے والے کم ہیں، یہ ہی نہیں بلکہ بہروں کے لیے اشارہ کی زبان اور اندھوں کے لیے بریل رسم الخط سے فائدہ اٹھانے کی بھی سخت ضرورت ہے عیسائی تنظیمیں معذوروں میں محنت کر کے انہیں عیسائی بنا چکی ہیں، یہ ایسا پہلو ہے جس کی طرف کم توجہ ہو پارہی ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ محبت کی زبان سب سے پہلے سیکھنا چاہیے، اس کے بعد ہی ساری زبانوں میں تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اسلام کی سرکاری زبان عربی زبان ہے، دوسری زبان دعوت یا ضرورت کی وجہ سے سیکھ تو سکتے ہیں مگر اس پر فخر کرنا نفاق ہے، عربی زبان کی حفاظت ہمارا مذہبی فریضہ ہے، ہر زبان کے ساتھ اُس زبان والوں کے نظریات و رجحانات کے اثرات ہوتے ہیں، سورج اور چاند کے پجاریوں نے SUNDAY MON DAY بنایا ہے، دوسری زبان ضرور سیکھیں لیکن اس کے ساتھ اس کے کلچر اور تہذیب سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں، لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ انگریز بن جاتے ہیں مگر انگریزی نہیں آتی ہے، سولہ سترہ سال پڑھ کر بھی انگریزی زبان میں اسلام کی دعوت نہیں دے پاتے ہیں، داعی حضرات اپنے کارکنوں کو مختلف زبانوں میں بانٹ کر متعدد زبانوں کے ماہر ہو سکتے ہیں، مقامی زبان سے ناواقف شخص مقامی باشندوں کے حق میں گونگا ہو جاتا ہے۔

(اس موضوع پر قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ اُردو زبان کی شرعی حیثیت دیکھئے اس کا خلاصہ ہم نے مسنون معاشرت میں بھی نقل کیا ہے)۔

اگر زبان کو اس حیثیت سے لیا جائے کہ اس کے ذریعہ سے ہم دوسروں کو اچھی طرح جان سکتے ہیں اور ان کے تعلق سے اپنا مستقل موقف طے کر سکتے ہیں اور ان کی جانب سے پہنچنے والے نفع یا نقصان کا درست اندازہ لگا سکتے ہیں، تو ہمارے خیال میں

زبانِ دانی بڑے فائدہ کی چیز ہے، حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ میں یہودیوں کی کتاب کے کلمات سیکھ لوں، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ بخدا میں یہودیوں کی طرف سے اپنی کتاب کے بارے میں مطمئن نہیں ہوں حضرت زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے آدھا مہینہ نہیں گزرا تھا کہ میں نے اللہ کے رسول ﷺ کے لیے اسے سیکھ لیا۔

جب میں نے اسے سیکھ لیا تو ایسا ہونے لگا کہ جب آپ ﷺ کو یہودیوں کی طرف کوئی مراسلہ بھیجنا ہوتا تو میں اسے لکھتا تھا اور جب وہ کچھ لکھ بھیجتے تھے تو میں ان کے مراسلہ کو اللہ کے رسول ﷺ کے لیے پڑھتا تھا:

”امرنی رسول اللہ ﷺ أَنْ أَتَعْلَمَ لَهُ كَلِمَاتٍ مِنْ كِتَابِ

يَهُودٍ قَالَ: وَاللَّهِ إِنِّي مَا أَمِنْ يَهُودٍ عَلَى كِتَابِي... (۱)

حضرت زید رضی اللہ عنہ کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ الی اللہ کی خاطر غیر مسلموں کی زبانوں کو سیکھنا جائز ہے تاکہ اسلام کا پیغام براہِ راست ان تک پہنچایا جاسکے، زبانِ خدا کی نعمت اور ایک جلیل القدر وسیلہ ہوتی ہے جس کے ذریعہ سے متعدد مقاصد ہو سکتے ہیں۔

مثلاً اس کے ذریعہ سے دوسروں تک اسلام کا پیغام پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے دوسروں کے پیغامات کا علم ہوتا ہے اور ان کے دلائل و اعتراضات کا حقہ سمجھ جاسکتے ہیں۔ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے لیے بھی ضروری ہے کہ اسلام کے تعلق سے دشمنوں کے پھیلے ہوئے شبہات و شکوک حل کرنے اور دوسروں کی زبان سیکھ لینے کا فائدہ یہ ہوگا کہ دشمنانِ دین کی مکاری اور دھوکہ بازی سے بچا جاسکے گا اور یہ لوگ مسلمانوں کو بے وقوف نہ بنائیں گے۔

اس بابت اعتراض حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک قول کے حوالے سے نقل کیا

جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ عجیبوں کا بولنا مت سیکھو اور نہ ان کے تیوہاروں پر ان کے کنیساؤں میں جاؤ کیونکہ اللہ کی ناراضگی اس وقت ان پر نازل ہوتی ہے۔ ”لا تعلموا رطانة الاعاجم ولا تدخلوا عليهم في كنائسهم في عبادتهم فان السخطة تنزل عليهم“ (۱) علمائے کرام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قول کو مخصوص حالات پر محمول کیا ہے، مطلب یہ ہے کہ دوسروں کی زبان کو سیکھنا یا ان کے تیوہاروں میں شریک ہونا مسلمان اپنی عادت نہ بنالیں، یعنی دوسروں کی زبان کو قرآن کی زبان کے برابر نہ سمجھنے لگیں جیسا کہ ہمارے زمانے میں مسلمانوں اور مسلمان نسلوں کا واقعی طرز عمل بڑی حد تک بن چکا ہے کہ قرآن اور قرآنی زبان سیکھنے کے بجائے کفر اور کافروں کی زبان سیکھنے کو ترجیح دی جاتی ہے۔ واللہ المستعان۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: عربی زبان جو کہ اسلام کا شعار اور قرآن کی زبان ہے اس کے علاوہ کسی اور زبان کو مخاطب کی زبان بنالینا مکروہ ہے، اگر حال یہ ہو جائے کہ پورے شہر کی عادی زبان کچھ اور ہو جائے، اہل خانہ، آل و عیال، بازار والے وغیرہ سب کسی دوسری زبان کو بولنے لگیں تو یہ اعاجم سے تشبہ کے دائرہ میں آجاتا ہے جو شریعت کی نگاہ میں حرام ہے۔ (۲)

مقامی زبانوں سے واقفیت

عزیزو! زبان جو ہمارے منہ میں ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے اور وہ زبان جو حروف و الفاظ سے مرکب ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مخلوقات میں ہے اور اظہار کا ایک اہم ذریعہ ہے، زبان کا خود کوئی مذہب نہیں ہوتا، بلکہ وہ دوسرے مضامین کی طرح مذہبی تصورات کے لئے ذریعہ و وسیلہ بنتی ہے، افسوس کہ ادھر ایک دوسدیوں سے مسلمانوں میں کچھ ایسی سوچ قائم ہو گئی کہ گویا زبانوں کا بھی ایک مذہب ہوتا ہے، فلاں

(۱) مصنف عبد الرزاق: ۴/۱۱۱

(۲) غیر مسلموں سے متعلق شرعی احکام، ذکی الرحمن غازی، مدنی، ص ۱۰۰۶ طبع شدہ فرید بکڈپو، دہلی

زبانِ اسلامی ہے اور فلاں غیر اسلامی؛ حالاں کہ اسلام میں عربی زبان کو یقیناً خصوصی اہمیت حاصل ہے؛ کیوں کہ وہ قرآن و حدیث کی زبان ہے، بقیہ تمام زبانیں برابر ہیں، اللہ کا شکر ہے کہ ادھر تقریباً بیس پچیس سال سے اس سوچ میں کسی قدر مثبت تبدیلی آئی ہے اور دینی مدارس میں بھی انگریزی زبان کی طرف توجہ دی جا رہی ہے، یا اس کے لئے خصوصی شعبہ کا قیام عمل میں لایا گیا ہے لیکن مقامی زبانوں سے غفلت؛ بلکہ بے اعتنائی و بے نیازی؛ بلکہ شاید اس سے بھی آگے بڑھ کر بے زاری کا سلسلہ آج بھی قائم ہے، اس ملک میں شمال کی بیشتر ریاستوں کی زبان ہندی ہے لیکن مدارس میں اس زبان کا گزر نہیں، جنوبی ہند کی ریاستوں میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں، لیکن اکثر و بیشتر اس ریاست میں پیدا ہونے اور بسنے والے مسلمان اس زبان سے نابلد ہیں؛ بلکہ اسے ناقابل توجہ سمجھتے ہیں۔

اس رویہ نے برادرانِ وطن کے اور ہمارے درمیان فاصلے بڑھا دیئے ہیں، فرقہ پرست عناصر چاہتے ہی تھے کہ مسلمانوں کو تنہا کر دیا جائے، ان کو اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل ہو گئی، سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ ہم برادرانِ وطن کے درمیان نہ اسلام کا تعارف کرا سکے، نہ ان کے درمیان دعوت کا کام کر سکے، اور نہ اسلام کے بارے میں جو غلط فہمیاں پھیلانی جا رہی ہیں، انہیں دور کرنے میں کامیاب ہو پائے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تا کہ یہودیوں کی کتابیں پڑھی جاسکیں اور انہوں نے صرف دو ہفتوں میں ہی زبان سیکھ لی۔ (۱) اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک مقصد یہودیوں کی تحریف و تصحیف سے بچنا بھی تھا۔ (۲) اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے فارسی زبان میں سورۃ فاتحہ کا ترجمہ کیا۔ (۳) خلافت راشدہ ہی کے عہد میں ہندوستان کے ایک

(۱) ترمذی، باب ما جاء فی تعلیم السریانی، حدیث نمبر: ۲۷۱۵

(۲) مسند عبد بن حمید: ۱۰۸، حدیث نمبر: ۲۴۳

(۳) کشف الخفاء: ۲۹۹، غالی

راجہ کے لئے ایک عرب سیاح نے قرآن کریم کا ہندی میں ترجمہ کیا، مسلمانوں نے ہمیشہ زبان کے معاملہ میں بے تعصبی برتی، انہوں نے یونانیوں کے پورے کتب خانہ کو عربی زبان میں منتقل کیا، فارسی زبان کی اتنی خدمت کی کہ آج فارسی کا جو کچھ لٹریچر موجود ہے، خواہ وہ نشر میں ہو یا نظم میں مسلمانوں کی ہی دین ہے، ہندوستان میں اس کی واضح مثال کلیلہ و دمنہ ہے، اس کی اصل کتاب کا تو شاید کوئی سراغ نہ ملے لیکن عربی زبان میں ان کہانیوں کو نقل کر کے عربوں نے اسے ایک طرح کا دوام عطا کر دیا۔ اس لئے یہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مسلمان بالخصوص علماء مقامی زبانوں پر توجہ دیں اور اسے دعوت اسلام کا ذریعہ بنائیں، قرآن مجید نے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم نے ہر قوم میں انہی کی زبان میں اپنا کلام اتارا ہے اور ان کے ہم زبان شخص کو پیغمبر کی حیثیت سے بھیجا ہے: ”وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ“ (۱) اس لئے صرف کسب معاش، تجارت و کاروبار اور سیاسی مہم جوئی کے لئے ہی نہیں؛ بلکہ اسلام کا تعارف اور اس کی اشاعت کے لئے دعوتی مقصد کے تحت مقامی زبانوں کو سیکھنا اور اس میں اسلامی لٹریچر کو پیش کرنا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ اس لئے میں آپ حضرات سے دردمندانہ گزارش کرتا ہوں کہ آپ داعیانہ کردار ادا کرنے کے لیے اپنے آپ کو تیار کریں، اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے مقامی زبانوں کو ذریعہ اظہار بنانے کی کوشش کریں، بے حد ضروری ہے، قرآن مجید کے مذکورہ ارشاد (۲) سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان کے عالم میں داعی کو مدعو کی سطح پر اتر کر دعوت کا فریضہ انجام دینا چاہئے۔ اگر ہم نے مخاطب تک ان کی زبان میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچائی تو ہم اپنے فریضہ سے سبکدوش نہیں ہوئے اور عند اللہ ہمیں جواب دہ ہونا پڑے گا۔ (۳)

(۱) ابراہیم: ۴

(۲) ابراہیم: ۴

(۳) میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے ۸: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب دامت برکاتہم

دعوتِ دینِ دیارِ مغرب میں

مغربی ممالک میں دعوتِ دین کی اہمیت

آج عالمی سطح پر بگاڑ پایا جا رہا ہے جس سے انسانی زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہے، یہ بگاڑ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی، سیاسی بھی ہے اور سماجی بھی، چنانچہ جمہوریت کے نام پر غریبوں کا خون چوسا جا رہا ہے، سیاست کے گور کھ دھندوں اور لیڈروں کے کرپشن زدہ کیرکٹر نے سرکاری خزانوں کو خالی کر دیا ہے، عریانیت و فحاشی کی وجہ سے خاندانی نظام انتشار کا شکار ہو رہا ہے، مال و زر کی ہوس نے انسان کو ہر طرح کے انسانی حدود کو توڑنے پر مجبور کر دیا ہے، جنسی بے راہ روی کی وبائے عورتوں کی عزت و آبرو کو غیر محفوظ بنا دیا ہے، غرض یہ کہ انسان حیوانیت کی سطح سے بھی نیچے اترتا جا رہا ہے، اس طرح ایک عالمگیر بگاڑ نے پوری انسانیت کو اپنی گرفت میں لے رکھا ہے۔

شاید اس حقیقت سے کسی کو کم ہی اختلاف ہوگا کہ اس عالمی بگاڑ کا سرچشمہ مغرب اور مغربی تہذیب ہے، وہی عالمی سطح پر پائے جانے والے بگاڑ کی سرپرستی کر رہا ہے، وہیں اس کے منصوبے بنائے جاتے ہیں، وہیں فحاشی اور بے حیائی کے نئے پروگرام پوری دنیا میں نشر کئے جاتے ہیں، اس کو پورے عالم کی قیادت حاصل ہے، اس پس منظر میں بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مغربی ممالک دینِ حق کی دعوت کے کس قدر مستحق ہیں۔

مغربی ذہن سائنٹفک ذہن ہے

آج مغربی ملکوں کو پوری دنیا میں فکری قیادت حاصل ہے اور جو قوتیں فکری

قیادت کی حامل ہوتی ہیں، ان کی اصلاح گویا پورے عالم کی اصلاح ہے اور ان کا بگاڑ پورے عالم کا بگاڑ ہے۔ ایسے میں دعوتِ حق کی بابت مغرب کو نظر انداز کرنا دراصل عالمی بگاڑ کے لئے پھلنے اور پھولنے کا موقع دینا ہے، ایک طرف دعوتی نقطہ نظر سے مغربی ممالک کی یہ اہمیت ہے، دوسری طرف بہت سارے اسباب کی بناء پر وہاں دعوتِ دین کے امکانات روشن نظر آنے لگتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ مغربی قوموں کے لیے سب سے زیادہ موزوں دین دین اسلام ہے، ان کے مزاج اور عقلیت پسندی کے سامنے نہ عیسائیت ٹھہر سکتی ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی اور مذہب، اس لئے کہ مغربی انسان ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کا عادی ہے، سائنٹفک ذہن کسی غیر معقول عقیدہ کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور اس معیار پر صرف اسلام ہی پورا اتر سکتا ہے، بد قسمتی سے ابتداء میں مغرب کو عیسائیت کا سامنا کرنا پڑا اور عیسائیت کی نامعقولیت اور علم و تحقیق سے نفرت نے مغربی انسان کو مذہب ہی سے متنفر بنا دیا، اگر اسلام کی حقیقی تعلیمات اس کے سامنے رکھ دی جاتیں تو وہ لامحالہ انہیں گلے لگا لیتا۔

مغرب کی بے راہ روی کا علاج صرف اسلام

ایک بات یہ بھی ہے کہ آج مغرب اپنی تہذیب کی تباہ کاریوں سے خود بھی اکتا چکا ہے، خاندانی نظام کے بکھراؤ نے اس سے سکون چھین لیا ہے، لذت پسندی کی بنیاد پر ہونے والی بے راہ روی نے اپنے کڑوے پھل دینے شروع کر دیئے ہیں، اب مغربی ملکوں کے اُونچی سطح کے دانشور اس سوچ میں پڑ گئے ہیں کہ آخر خاندانی زندگی کو فطری رفتار پر کیسے لایا جائے؟ اور وہ مغربی تہذیب کے تباہ کن نتائج سے آگاہ بھی کر رہے ہیں۔

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جو مغرب کو خودکشی سے بچا سکتا ہے، اس لئے کہ اسلام جس تہذیب کا علمبردار ہے وہ خالق کائنات کی بتائی ہوئی فطری تہذیب ہے، مغرب آج اسی فطری تہذیب سے ہٹ چکا ہے اور فطرت سے بغاوت نہیں کی جاسکتی،

آج مغرب کے پاس ہر طرح کے مادی وسائل ہیں، لیکن وہ حقیقی سکون سے محرومی کے ساتھ زیادہ دن تک نہیں رہ سکتا۔

مغرب میں دعوت کے راہوں کی سازگاری

علاوہ ازیں اب مغرب میں دعوتِ دین کے لئے راہیں ہموار ہوتی جا رہی ہیں۔ برسہا برس کا وہ تعصب جو صلیبی جنگوں کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اہل مغرب میں پرورش پا رہا تھا، اب گھلتا جا رہا ہے اور اب مغرب میں دانشوروں کی ایک بڑی تعداد ایسی پائی جانے لگی ہے جو تعصب کی عینک نکال کر عقل و انصاف کی بنیاد پر اسلام کو پرکھ رہی ہے اور برملا اسلام کی معقولیت کا اعلان کر رہی ہے۔

مستشرقین کی اسلام دشمن جماعت میں بھی ایسے حقیقت پسند پیدا ہو رہے ہیں جو اپنی علمی تحقیقات کے ذریعہ اسلام کی حقانیت کو ثابت کر رہی ہے، پھر ان سب سے ہٹ کر نصف صدی کے دوران دنیا کی ہر زبان بالخصوص انگریزی زبان میں زبردست اسلامی لٹریچر تیار ہو چکا ہے، جس کی پہلے شدت سے کمی محسوس کی جاتی تھی، اس لٹریچر کے ذریعہ اسلام کے خلاف کئے گئے پروپیگنڈوں کا منہ توڑ جواب دیا گیا ہے، اور اسلامی تعلیمات و احکام کی معقولیت کو عصری اسلوب میں اس انداز سے پیش کیا گیا ہے جو ہر تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہن کو اپیل کرتا ہے۔

مغرب میں موجود مسلمان ایک عملی نمونہ ہے

مغرب میں دعوتِ دین اس لئے بھی آسان ہے کہ اب مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد یورپ اور امریکہ میں پھیل چکی ہے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر چکی ہے، عربوں کی بڑی تعداد امریکہ میں آباد ہے، اسی طرح مختلف مسلم ملکوں اور اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان یورپ میں عرصہ سے قیام پذیر ہیں، دشمنوں نے اسلام کے خلاف جن پروپیگنڈوں کو ہوا دیا ہے، مغرب میں آباد مسلمان ان غلط فہمیوں کو دور کرنے میں اہم رول ادا کر سکتے ہیں، اس لحاظ سے مغرب میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داری بڑی

نازک ہے، انھیں اپنے آپ کو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے پیش کرنا ہوگا، اس کے لئے انھیں سب سے پہلے مغربی ماحول میں اپنے ایمان اور اسلام کی بقا کی فکر کرنی ہوگی، کہیں ایسا نہ ہو کہ مغربیت کے سیلاب میں وہ خود بہہ جائیں، مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دورہ امریکہ کے موقع پر امریکہ میں مقیم مسلمانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

یہاں رہنے کے بعد اپنے ایمان اور اپنی آئندہ نسلوں کے اسلام کی حفاظت کا انتظام و اطمینان آپ نے کر لیا ہے، اور یہاں رہ کر آپ دعوت کا کام کر رہے ہیں اور ایسی اسلامی زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں جو دوسروں کے لئے کشش کا باعث ہو تو آپ کو یہاں رہنے کا جواز ہے، جواز ہی نہیں بلکہ یہ بہت بڑا جہاد اور بہت بڑی خدمت ہے، اگر ایسا نہیں ہے اور آپ کا ^{مط}حِ نظر صرف روزی کمانا ہے تو یہ مقصد مسلمانوں کے مقام اور مقصدِ حیات سے میل نہیں کھاتا صرف روزی کمانے کے لئے اتنی دور دراز کی مسافت طے کرنا مسلمانوں کے شایانِ شان نہیں، اگر آپ کو اپنے ایمان اور اپنے بچوں کی دینی زندگی کی طرف سے اطمینان نہیں تو مجھے اس بات سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کہ نہ جانے یہاں کس حال میں موت آئے اور ہم خدا کو کیا جواب دیں گے؟ (۱)

اس طرح مغرب میں مقیم مسلمانوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ ان کے ایمان اور اسلامی تشخص کی حفاظت کا ہے، چوں کہ اپنے وطن سے زیادہ بگڑنے کے امکانات مغرب میں پائے جاتے ہیں، وہاں قدم قدم پر فتنوں کی بوچھاڑ ہوتی ہے، جب تک ایمان و عقیدہ کی پختگی اور شریعت کی مکمل پابندی نہ ہوگی، مغربی ماحول میں محفوظ نہیں رہا

جاسکتا، اس کے علاوہ دوسروں پر اثر انداز ہونے کے لئے بھی عملی پختگی اور شریعت کی سخت پابندی ضروری ہے۔

مغربی تہذیب سے مرعوبیت نہ ہو

مغرب میں مقیم مسلمانوں کے لئے دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ مغرب کی محیر العقول مادی ترقیوں کو دیکھ کر اور اس سے مرعوب ہو کر اسلام کے سلسلہ میں بے اعتمادی کا شکار نہ ہوں، بلکہ اس یقین کو مضبوطی سے راسخ کریں کہ مغرب سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اصل روح سے محروم ہے، اس کے پاس جو کچھ ہے وہ صرف ڈھانچہ ہے، ہم مغرب میں اس لئے نہیں آئے کہ اس سے صرف لیں اور ہمارے اندر کچھ دینے کی صلاحیت نہیں بلکہ ہم اس کو وہ دولت دے سکتے ہیں جس کے نہ ہونے سے وہ حقیقی منزل سے دور ہے، مغرب کے ظاہری طمطراق کو دیکھ کر ہم خیرہ ہو جائیں تو ظاہر ہے کہ ہم مرعوبیت کے ساتھ اسلام کی دعوت نہیں دے سکتے، مغرب میں مقیم ہر مسلمان کے دل و دماغ میں اسلام پر کامل اعتماد ہونا چاہئے، نیز اس بات کا پختہ یقین ہو کہ اسلام ہی مغرب سمیت ساری انسانیت کے مسائل کا تریاق ہے، اسی میں انسانیت کی نجات ہے، اس سے محرومی مغرب کے لئے بڑی مہنگی ثابت ہوگی اور مغرب کی محیر العقول مادی ترقی پوری انسانیت کی تباہی کا سامان بنے گی، اس یقین کو پختہ کرنے کے لئے اسلامی مفکرین کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

سارا مغرب اسلام مخالف نہیں

دیارِ مغرب میں دعوتی کام کرنے والوں کو ایک بات یہ بھی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مغرب کا ہر فرد اسلام اور مسلمانوں کا دشمن نہیں ہے، داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ مدعو اقوام کے سلسلہ میں غیر ضروری خدشات کا شکار نہ ہو، یہ صحیح ہے کہ مغربی حکومتیں اسلام کو اپنی راہ کا کانٹا سمجھتی ہیں اور اس کی خاطر میڈیا کے ذریعہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈے کرتی رہتی ہے، لیکن وہاں کا عام طبقہ اسلام سے دلچسپی رکھتا ہے، مغرب کے سلسلہ میں اسلام دشمنی کا پروپیگنڈہ اس شدت سے کیا جا رہا ہے کہ مسلمان صرف

سازشوں کے تذکرہ ہی کو کافی سمجھنے لگے ہیں، جبکہ بعض مغربی ملکوں کا بارسوخ طبقہ اسلام سے متاثر نظر آتا ہے، چنانچہ برطانوی ولی عہد شہزادہ چارلس نے ۱۹۹۲ء میں آکسفورڈ کے اسلام سنٹر میں تقریر کرتے ہوئے جس اسلام کے احسانات اور انسانیت اور بالخصوص مغرب کے لئے اسلام کی ضرورت کا برملا اعتراف کیا ہے، وہ حقیقت کو سمجھنے کے لئے بہت کافی ہے، وہ کہتے ہیں:

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اسلام کو یورپ میں اسپین اور بلقان میں اتنا طویل عمل دخل رہا، اس نے ہماری تہذیب کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کیا، دراصل اسلام ہمارے ماضی اور حال کا حصہ ہے، اس نے جدید یورپ کی تعمیر میں اپنا حصہ ادا کیا، اسلام ہمارا ورثہ ہے اس دنیا میں مل جل کر رہنے کے لئے اسلام کے دامن میں وہ کچھ ہے جو زندگی کے ہر پہلو کا احاطہ کرتا ہے، اسلام میں پوری زندگی ایک اکائی ہے، مغرب کی ساری ترقی ایک رُخی ہے، دنیا کے بارے میں احساسِ مسئولیت اور اس کی نگرانی و بہبودی کی ذمہ داری کا جو تصور اسلام نے دیا ہے ہم مغرب میں اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ (۱)

جہاں تک مغرب میں دعوت کے طریق کار کا سوال ہے تو سب سے پہلے وہاں کے مسلمانوں کو اسلام کے خلاف پائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہئے، نیز اسلامی احکامات کی معقولیت کو سمجھانے کے ساتھ انہیں سب سے زیادہ اسلام کے بنیادی عقائد کی طرف توجہ دلانا چاہئے۔ (۲)

(۱) الفاروق شوال: ۱۴۱۸ھ

(۲) حضرت مولانا احمد میض صاحب ندوی دامت برکاتہم کی کتاب ”دعوتِ دین، اہمیت اور طریقہ کار“ سے ان اہم مضامین کو لیا گیا ہے، ماشاء اللہ حضرت نے اپنے موضوع پر بہت مفصل لکھا ہے، جزاءہم اللہ احسن الجزاء۔

غیر مسلموں سے تعلقات کے حدود

غیر مسلموں کی ایک قسم دارالاسلام میں کوئی غیر مسلم معاہدہ کر کے رہ رہا ہو دوسری قسم مستامن یا امن لے کر رہنے والوں کی ہے یعنی ایسے غیر مسلم جو اہل ذمہ کی طرح اصلاً دارالاسلام کے باشندے نہیں ہوتے لیکن عارضی طور پر ایک معروف و متعین مدت کے لیے دارالاسلام میں رہتے ہیں، تیسری قسم حربی غیر مسلم یا محاربین جو غیر مسلم دشمن اسلامی ریاست سے جنگ کر رہے ہوں، ذیل کے مضمون میں ذکر کردہ احکام پہلی اور دوسری سے یا ان سے متعلق ہیں جو غیر مسلم اکثریتی ممالک میں دارالامن، دارالجمہوریہ میں رہتے ہیں، نہ کہ تیسری قسم سے، (یعنی یہ احکام ان کفار کے لیے نہیں ہیں جو مسلمانوں سے جھگڑ رہے ہیں)، دعوتی نقطہ نظر سے ضرورت پیش آنے والے مسائل کو ذکر کیا گیا، نہ کہ تمام مسائل کو۔

اس کائنات میں سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ کائنات کے بنانے والے کو ایسا نہ مانا جائے جیسا کہ انہوں نے آسمانی کتابوں میں اپنا تعارف کروایا ہے، اس لیے کفر سے نفرت ہونا چاہئے جیسے مرض سے نفرت ہونی چاہئے، سنگین امراض سے نفرت ہوگی تو اس کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے، لیکن سنگین مرض میں مبتلا شخص سے نفرت کریں گے تو اس کا علاج کیسے کیا جائے گا، مشرکانہ رسومات، کافرانہ تہواروں میں علیحدگی اختیار کرنے کے ساتھ یہ کوشش بھی ہونی چاہئے کہ عام دنوں میں عیادت اور تعزیت کا اہتمام کیا جائے، ناگہانی حالات میں مالی امداد کی

جائے، ناجائز امور میں احتراز کرتے ہوئے تو سختی ہو مگر جائز رواداری (مزاج پرستی، پڑوسی کا حق، رفاہی کام) نہ کئے جائیں تو یہ اسلام کی ناقص ترجمانی ہے۔ یہ موضوع مسلم اقلیتی ممالک میں اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے کہ وطن سے محبت اور ہم وطن کفار سے (اخوت انسانی کی بنیاد پر) رواداری رکھتے ہوئے کفر سے نفرت بھی باقی رکھی جائے، غیر مسلموں میں رفاہی کام ان سے ڈرتے ہوئے یا اُن سے رحم کی بھیک مانگنے کے لئے نہ کیے جائیں بلکہ صرف احکام الہی کی تعمیل میں انجام دئے جائیں، وہ ہمارے ساتھ جواباً اپنائیت کا سلوک کریں یا وحشیانہ و سفاکانہ برتاؤ کریں، ذیل میں لکھے گئے مسائل میں بعض فقہاء نے شدت والی رائے اختیار کی ہے، بعض نے نرمی والی، خیال رکھا گیا کہ روح شریعت بھی باقی ہو اور عصری تقاضوں کا لحاظ بھی، اس موضوع پر سورہ ممتحنہ کا مطالعہ ہونا چاہئے، اصولی طور پر یہ بات طے ہے کہ ایسا کوئی بول یا رسم میں شرکت نہیں کی جاسکتی ہے جس میں توحید کے عقیدہ پر ضرب پڑتی ہو یا اسی طرح اسلام کے شعار سے یا فرض و واجب سے مکمل دستبردار ہونے کی اجازت نہیں دی جاسکتی ہے۔

کرسمس میں مبارک باد دینا اور کیک کھانا

غیر مسلموں کے مذہبی تہوار کے موقع پر انہیں مبارک باد دینا گویا ان کے نقطہ نظر کی تائید ہے، نیز چوں کہ غیر مسلموں کے مذہبی تہوار مشرکانہ اعتقادات پر مبنی ہوتے ہیں، جب کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے شرک سے بے زاری اور لاطعلقی کا اظہار ضروری ہے، اس لیے کرسمس کی مبارک باد دینا جائز نہیں، اور اگر اس سے ان کے دین کی تعظیم مقصود ہو تو کفر کا اندیشہ ہے۔ واللہ اعلم۔ (۱)

غیر مسلموں کے مذہبی تہوار پر ان کی مجالس میں شرکت کرنا یا خود اس کی تقریب

(۱) ماخذ: دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیۃ بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر: 144004200267 تاریخ

منعقد کرنا یا انہیں مبارکباد دینا، ہدایا دینا یہ گویا ان سے محبت اور مودت کا اظہار اور ان کے مذہبی شعار اور تہوار میں شریک ہونا ہے، جو کہ شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔

اس لیے کرمس کی تقریب میں شرکت جائز نہیں ہے اور نہ ہی کیک کھانا درست ہے۔ البتہ اگر سخت مجبوری ہو یا فتنے کا اندیشہ ہو اور وہ چیز جو فی نفسہ حلال ہو (جیسے: مٹھائی، کیک وغیرہ) تو اس کو لینے کی گنجائش ہوگی، اور وہ چیز حرام نہیں ہوگی، تاہم بہتر پھر بھی یہ ہے خود نہ کھائے، اگر لے لیا ہو تو فقراء کو دے دے۔ علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، ابن قیم جوزی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء عرب نے بات لکھی ہے۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے: ”سوال: اگر کسی مسلمان کے رشتہ دار ہندو کے گاؤں میں رہتے ہوں اور ہندو کے تہوار ہولی دیوالی وغیرہ پکوان، پوری، کچوری وغیرہ پکاتے ہیں، ان کا کھانا ہم لوگوں کو جائز ہے یا نہیں؟“

جواب: جو کھانا کچوری وغیرہ ہندو، کسی اپنے ملنے والے مسلمان کو دیں اس کا نہ لینا بہتر ہے، لیکن اگر کسی مصلحت سے لے لیا تو شرعاً اس کھانے کو حرام نہ کہا جائے گا۔“ (۱)

پرساد کھانا

پرساد سے متعلق اس فتویٰ سے پتہ چلا کہ اگر چڑھاوا کیا گیا ہو تو ہرگز استعمال نہیں کرنا چاہئے لیکن اگر سیل پیک، بند ڈبے کی مٹھائی کسی مذہبی تہوار کے موقع پر غیر مسلم ہمیں دیتا ہو تو استعمال میں لانا جائز ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: گویہ ذبیحہ نہیں، لیکن قرآن نے بتوں کے نام پر اور اشرہانوں پر ذبح کے گئے جانوروں کو جسے حرام قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے ذریعہ شرک کی تعظیم کی گئی ہے اور یہ بات پرساد اور چڑھاوے میں بھی پائی جاتی ہے۔

قال الله تعالى: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ

الْخُزَيْرِ وَمَا أَهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَفِي الْبِزَارِيَةِ: وما يهدي

المجوس يوم النيروز من أطعمتهم إلى الأشراف ومن
كان لهم معرفة لا يحل أخذ ذلك على وجه الموافقة
معهم وإن أخذه لا على ذلك الوجه لا بأس به
والاحتراز عنه أسلم (۱)

برتھ ڈے میں شرکت

دارالعلوم دیوبند اور جامعہ بنوریہ کے فتوؤں میں فرق ہے دارالعلوم نے اُسے
مذہبی قومی اور تہذیبی شعار مانا ہے، عبادات کے طور پر نہ کیا جائے، صرف کیک کا ٹنا بھی
پیدائش کے دن کے ساتھ مخصوص کرتے ہوئے ناجائز قرار دیا ہے، لیکن بنوریہ ٹاون کے
فتویٰ کے مطابق اگر خرافات (بے پردگی، موم بتیاں لگا کر کیک کا ٹنا، موسیقی کا استعمال نہ
ہو، کفار سے مشابہت مقصود نہ ہو، بلکہ گھر والے اس مقصد کے لیے اُس دن کو یاد رکھیں
رب کے حضور اس بات کا شکر ادا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے عافیت و صحت اور عبادات کی توفیق
کے ساتھ زندگی کا ایک سال مکمل فرمایا ہے اس طرح تقریب رکھنا جائز ہے اگرچہ احتیاط
بہتر ہے۔

نئے سال پر کیک بیچنا

انگریزی نئے سال کے موقع پر مسلمان بیکری والوں کا کیک فروخت کرنے کا حکم
کیا ہے؟ نیز اس موقع پر مبارک بادی پیش کرنے کے لیے استعمال ہونے والی اشیاء کی
تجارت کرنا کیسا ہے؟

جواب (۱) جائز ہے۔ (۲) جو چیزیں خاص طور پر نئے سال کی مبارک بادی ہی
کے لیے استعمال کی جاتی ہیں، اُن کی خرید و فروخت کچھ بہتر نہیں ہے۔ اس لیے کہ نئے
سال کے منانے کا شریعت سے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲)

(۱) ج: ۱۸، ص: ۳۴، ط: فاروقیہ، دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر:

راکھی، دیوالی، وغیرہ تہواروں کا سامان بیچنا

ہولی، دیوالی اور رکشہا بندھن، ہندوؤں کے خالص مذہبی تہوار ہیں اور اس کے پیچھے مختلف موسموں کے خداؤں کو راضی کرنے کا بھی پس منظر ہوتا ہے؛ اس لیے ان تہواروں کے موقعہ پر بہ طور خاص مذہبی امور کی انجام دہی میں جو چیزیں استعمال ہوتی ہیں، یعنی: راکھی، رنگ، پچکاری اور دیوالی کی موم بتیاں وغیرہ، ان کا کاروبار مسلمان کے لیے مکروہ و ناجائز ہے؛ کیوں کہ ان چیزوں کا کاروبار کرنے میں غیروں کا ان کے مذہبی امور میں تعاون لازم آتا ہے؛ اس لیے آپ اپنے جنرل اسٹور پر ہولی، دیوالی وغیرہ کے موقعہ پر اس طرح کی چیزیں ہرگز فروخت نہ کیا کریں۔

قال الله تعالى: ولا تعاونوا على الإثم والعدوان
(سورة المائدة، رقم الآية: ۲)، وقال العلامة المفتي محمد
شفيع رحمه الله تعالى في ”تفصيل الكلام في مسألة
الإعانة على الحرام“: وإن لم يكن -السبب- محرکا
وداعيا بل موصلا محضا وهو مع ذلك سبب قريب
بحيث لا يحتاج في إقامة المعصية به إلى إحداث صنعة
من الفاعل كبيع السلاح من أهل الفتنة وبيع العصير
ممن يتخذ خمر أو بيع الأمر ممن يعصي به وإجارة البيت
ممن يبيع فيه الخمر أو يتخذها كنيسة أو بيت نار وأمثالها
فكله مكروه تحريما بشرط أن يعلم به البائع والاجر من
دون تصريح به باللسان فإنه إن لم يعلم كان معذورا وإن
علم وصرح كان داخلا في الإعانة المحرمة (۱)

(۱) جواہر الفقہ، ۲: ۴۴۷، ص: ۴۵۵، ۴۵۶، ط: قدیم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (دار الافتاء، دارالعلوم

دیوالی پر مبارکبادی دینا

میرا سوال یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں کچھ مسلم نوجوان اپنے ہندو دوستوں کو واٹس ایپ کے ذریعہ Durga Puja ان کے تہوار درگا پوجا یا دیوالی کے موقع پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ Happy Diwali, Happy Durga Puja جیسے الفاظ کے ساتھ، کیا اس طرح مبارکباد پیش کرنے سے وہ من رای منکرا... و من لم یستطع فبقلبه و ذلک... کی وجہ سے ایمان سے خارج ہوگا؟ کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اگر اس میں گناہ ہے تو کس درجے کا؟ برائے مہربانی مفصل و مدلل جواب دیں۔

جواب: غیر مسلم حضرات کے تہوار وغیرہ ان کے مشرکانہ اعتقاد پر مبنی ہوتے ہیں؛ اس لیے ہمارے لیے مشرک سے برأت اور بے تعلقی کا اظہار ضروری ہے، اور چونکہ مبارکبادی دینے میں ان کے فکر و عقیدے کی توثیق و تائید ہوتی ہے؛ اس لیے اس سے احتراز ضروری ہے بسا اوقات یہ سلب ایمان کا بھی باعث ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

البتہ مولانا عبید اللہ سعدی دامت برکاتہم (استاذ حدیث و افتاء جامعہ تھورا) نے اپنی ایک تحریر میں الادب المفرد وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ صحابہ غیر مسلموں کو انہیں کے مروج الفاظ میں مبارکبادی دیا کرتے تھے، انہوں نے لکھا ہے کہ اس سلوک میں عیادت، تعزیت، شادی وغنی میں حدود کی رعایت کے ساتھ شرکت ان کے لیے اچھے جذبات کا اظہار اور خیر کی دعا و تمنا، ہدیہ و تحائف سب داخل اور سب ثابت ہیں، یہ سب کفر اور کفریہ امور پر رضا کے تحت نہیں ہوتا، اور نہ ہونا چاہیے، بلکہ سب مداراة، مصلحت و تالیف ہوتا ہے، اور ہونا چاہیے، لہذا ان تہواروں میں مبارکبادی بھی گنجائش ہے، ہر چیز میں اطلاقاً کفر کا حکم نہیں لگایا جاسکتا ہے، نہ لگانا چاہیے، حالات پر نظر رکھنے والے اور سمجھنے والے احتیاط کرتے ہیں، دارالعلوم دیوبند بھی اپنے بعض فتاویٰ میں مبارکبادی کی اجازت دی ہے۔ (۱)

نبی کریم ﷺ سے کفار کے لیے خیر کی دعا ثابت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک نصرانی سے کہا ”اطال الله حياتك واكثر مالك وولدك“ انہیں کی ایک روایت ہے ”لو قال لی فرعون بارک الله فیک قلت وفیک“ چھینک کے موقعہ پر یہودیوں سے کہا گیا ”یہدیکم الله ویصلح بالکم“ بال میں بڑا عموم ہے، اس قسم کے معاملات نہ کفر پسندی میں داخل ہیں اور نہ کفار کی موالات و دوستی میں جو حرام وضع ہے، اس لیے اس میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا (یہاں مولانا عبید اللہ اسعدی دامت برکاتہم کی بات ختم ہو گئی) ان دونوں آراء سے صرف نظر اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ انہیں یہ دعا دی جائے، اللہ آپ کو دنیا و آخرت کی خوشیاں عطا کرے۔ اوپر والا آپ کو ہمیشہ کی سچی راحت عطا کرے اس طرح جائز مبارک بادی بھی ہے اور اسلام کی دعوت بھی۔

غیر مسلموں کے تہوار میں دعوت اسلام کے ارادے سے شریک ہونا اگر کوئی پختہ مزاج نو مسلم یا مسلمان غیر مسلم تہوار میں جا کر دعوت دے سکتا ہے اور ماحول سے متاثر ہونے کا اندیشہ نہیں ہے؛ تو اس کے لیے جائز ہے۔

غیر مسلموں کو مصحف دینا

کافر کو قرآن شریف دینا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: (۱) وہ پاکی کی حالت میں ہو، یعنی غسل کے بعد چھوئے۔ (۲) بشرطیکہ آپ کو یقین ہو کہ وہ قرآن مجید کی توہین نہیں کرے گا۔ اگر آپ کو یقین ہو یا غالب گمان ہو کہ وہ قرآن مجید کی بے حرمتی کرے گا تو پھر ایسی صورت میں قرآن مجید دینا جائز نہیں۔ (۱)

غیر مسلم کو قرآن کی تعلیم دینا کہ وہ اس کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے یہ جائز ہے، البتہ مسلمان کا اپنے اختیار سے غیر مسلم کو قرآن دینا منع ہے، ہاں اگر غیر مسلم غسل کر لے تو مسلمان اس کو قرآن دے سکتا ہے، اور اگر غیر مسلم خود اپنے طور پر قرآن بغیر وضو پڑھ

(۱) الثالثة: أنه يجوز دفع كتاب فيه شيء من آیات القرآن إلى مشرك بخلاف المصحف فإنه لا يجوز دفعه إليه إلا بعد ما اغتسل ولم يخف منه سوء الأدب (احکام القرآن للجصاص: ۳/۳۳، للشیخ المفتی شفیع رحمہ اللہ)

لے، اور مسلمان اس کو نہ دے تو اس کا گناہ مسلمان کو نہیں ہوگا۔

”وفي الذخيرة: إذا قال الكافر من أهل الحرب أو من أهل الذمة: علّمني القرآن فلا بأس بأن يعلمه ويفقهه في الدين، قال القاضي علي السغدّي: إلا أنه لا يمس المصحف، فإن اغتسل ثم مسه فلا بأس به“ (۱)

اس قرآن کو پڑھ کر ہدایت پاسکتا ہے تو اسے قرآن مجید دے سکتے ہیں، قرآن مجید کی آیت ”إنما المشرکون نجس“ باطنی نجاست مراد ہے۔ دوسری بات قرآن خود اپنے سلسلہ میں کہتا ہے کہ ”ہدی للناس“ ظاہر بات ہے کہ لفظ ناس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں شامل ہیں، لہذا جب قرآن کو پڑھیں گے اور سمجھیں گے نہیں تو قرآن ان کے لئے باعث ہدایت کیسے بن سکتا ہے؟

انگریزی یا کسی اور زبان میں صرف قرآن کا ترجمہ ہو، عربی الفاظ قرآن کے بغیر تو ایسا کرنا جائز نہیں (۲) اگر کسی نے ایسا کر لیا تو اس کا احترام بھی ضروری ہے اور کافر کو وہ مصحف دینے میں مذکورہ بالا دونوں باتوں کی رعایت ضروری ہوگی۔ اگر غیر مسلم طلب صادق کے ساتھ قرآن مانگتا ہو تو مستند ترجمہ و تفسیر والا قرآن دینا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۳)

زمزم دینا

زمزم کا پانی کسی غیر مسلم کو دینا جائز ہے کوئی حرج نہیں، یہ پانی سارے انسانوں کے لیے شفاء و صحت کا ذریعہ ہے، ایسا کرنے میں اسلام اخلاق اور دینی رواداری کا اظہار بھی ہوتا ہے، اور اس میں سب کے لئے بھلائی کا پیغام ہے، اگر اللہ چاہے تو اس پانی کی

(۱) البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۸/۲۳۱، بحوالہ: دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد

یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر: 144106200886

(۲) وفي الكافي: إن اعتاد القراءة بالفارسية أو أراد أن يكتب مصحفاً بها يمنع (فتح

القدیر: ۱/۲۹۱، ط: ذکر یاد یوبند)

(۳) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 30473

برکت سے وہ مسلمان بھی ہو جائے۔

قربانی کا گوشت دینا

قربانی کا گوشت ہندو یا عیسائی یا کسی بھی غیر مسلم کو دے سکتے ہیں، اس میں کچھ گناہ نہیں؛ البتہ غریب مسلمانوں کو مقدم رکھنا چاہیے۔

”ويهب منها ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي كذا

فی الغياثیة (الفتاویٰ الہندیۃ، کتاب الاضحیۃ، الباب

الخامس فی بیان محل إقامة الواجب، ۵: ۳۰۰، ط: المطبعة

الکبریٰ الأمیریۃ، بولاق، مصر)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۱)

زکوٰۃ کے علاوہ صدقات نافلہ غیر مسلموں کو دینا

غیر مسلم کو زکات بالاتفاق نہیں دے سکتے ہیں، نذر اور کفارہ وغیرہ کی رقم دینے کے سلسلہ میں ائمہ اربعہ میں اختلاف ہے، غیر مسلم کو زکات دینے سے زکات اداء نہیں ہوتی اور قرآن کریم میں زکات کے مصارف میں ”مؤلفۃ القلوب“ کا جو ذکر ہے، یہ مصرف دو صدیقی میں اجماع صحابہ کے ذریعے منسوخ ہو چکا ہے، اب اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے بھی کسی غیر مسلم حاجت مند کو زکات دینا جائز نہیں ہے۔ (۲)؛ البتہ

(۱) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 164114

(۲) قال الکاسانی: لا يجوز صرف الزكاة الى الکافر بلا خلاف لحديث معاذ رضي الله عنه: خذ من أغنيائهم وردھا الى فقرائهم۔ (بدائع الصنائع: ۲/ ۴۹، کتاب الزكاة، فصل الذي يرجع الى المؤدی اليه، ط: دار الكتب العلمية، بيروت، تاتارخانية: ۳/ ۲۱۱، ط: زکریا، الہندیۃ: ۱/ ۱۸۸) وقال الحصکفي: سکت عن ”المؤلفۃ قلوبهم“ لسقوطهم اما بزوال العلة أو نسخ بقوله صلى الله عليه وسلم لمعاذ في آخر الأمر: خذها من أغنيائهم وردھا في فقرائهم۔ قال ابن عابدين: قوله: (لسقوطهم) أي: في خلافة الصديق لما منعهم عمر رضي الله عنه، وانعقد عليه اجماع الصحابة۔ وقال: فلا تدفع الى من كان من المؤلفۃ کافراً أو غنياً، وتدفع الى من كان منهم مسلمة فقيراً بوصف الفقر لا لكونه من المؤلفۃ۔ (رد المحتار مع الدر المختار: ۲/ ۳۴۲، کتاب الزكاة، باب مصرف الزكاة والعشر، ط: دار الفکر، بيروت)

صدقاتِ نافلہ غیر مسلم کو دے سکتے ہیں لیکن مسلمان کو دینا اولیٰ و بہتر ہے، ایسے غیر مسلم جو فتنہ و فساد نہ پھیلا رہے ہوں اور حق دار ہوں تو ان کی مدد کی جائے، اس کے برعکس جو لوگ اسلام کے خلاف کسی سازش میں شریک ہوں ان کی مدد نہ کی جائے۔

مسلمانوں کی غیر مسلم بھائیوں کی آخری رسوم میں شرکت اور مدد

سوال: ابھی لاک ڈاؤن کے درمیان کئی جگہ سے یہ خبر آئی کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کا جنازہ اٹھایا اور اسے شمشان گھاٹ تک پہنچایا، تو کیا شرعاً ان کا عمل جائز ہے؟ کیا مسلمان غیر مسلم میت کو غسل دے سکتا ہے، جو کپڑا اسے پہنایا جاتا ہو، پہنا سکتا ہے، اگر میت کو دفن کیا جاتا ہو تو دفن کر سکتا ہے، اور جلایا جاتا ہو تو کیا اس کی لاش کو جلا سکتا ہے، اور کیا اس کے جنازہ میں شامل ہو کر شمشان گھاٹ تک جانا درست ہوگا؟ (شاہ نواز حسین، ملے پلی)

جواب: اس سلسلہ میں سیدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہماری رہنمائی کرتی ہے، جب حضرت ابوطالب کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہدایت دی ”اذھب فاغسله و کفنه و جننه و لا تحدثن شیئا حتی تأتیني“ (۱) ”جاؤ اس کو غسل دو کفن دو اور اس کو چھپا دو، اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا کام اس وقت تک مت کرنا جب تک کہ میرے پاس نہ آ جاؤ۔“ یہ بات بھی احادیث میں آئی ہے کہ حضرت ابوطالب کی لاش کے ساتھ خود رسول اللہ ﷺ بھی ان کی قبر پر تشریف لے گئے، اس سے معلوم ہوا کہ:

الف: غیر مسلم میت کے جلوس جنازہ میں پسماندگان کی دلداری کے نقطہ نظر سے یا آخری رسوم کے لئے افراد کار کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے جایا جاسکتا ہے۔

ب: مردہ کو غسل دیا جاسکتا ہے، یہ غسل بطور پاکی کے نہیں ہے؛ بلکہ صفائی ستھرائی کے طور پر۔

ج: مردہ کو جو کپڑا پہنایا جاتا ہے، اگر نہ پہنایا گیا ہو تو مسلمان اس کام کو انجام دے سکتے ہیں۔

د: اگر اس کو دفن کرنے کی ضرورت پیش آئے جیسا کہ عیسائی حضرات اپنے مردہ کو دفن کرتے ہیں تو اس کی بھی اجازت ہے۔

: چوں کہ کسی بھی انسان کو جلانے کی ممانعت ہے؛ اس لئے مردہ کو آگ لگانا جائز نہیں؛ البتہ اگر اس کے ورثہ طلب کریں تو لکڑی اور تیل یا جو چیزیں جلانے کے لئے مطلوب ہوتی ہیں، فراہم کی جاسکتی ہیں؛ کیوں کہ یہ براہ راست آگ لگانا نہیں ہے، ایسے اسباب کا فراہم کرنا ہے جن کا استعمال جائز مقاصد کے لئے بھی ہو سکتا ہے؛ چنانچہ مشہور حنفی فقیہ علامہ شامی فرماتے ہیں:

”وَيُغْسَلُ الْمُسْلِمُ وَيُكْفَنُ وَيُدْفَنُ قَرِيبَهُ الْكَافِرُ الْأَصْلِي

عند الاحتياج من غير مراعاة السنة، فيغسله غسل

الثوب النجس ويلفّه في خرقة ويلقيه في حفرة“ (۱)

”مسلمان اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کو (جو اصلاً غیر مسلم ہوں، مرتد نہ

ہوں) غسل دے سکتا ہے، بہ وقت ضرورت کفن پہنا سکتا ہے، دفن

کر سکتا ہے اور وہ اسے اس کی قبر میں ڈال سکتا ہے ایک اور بڑے

فقیہ علامہ خطیب شربینی شافعی ہیں، وہ فرماتے ہیں: ”ولا باس

باتباع المسلم جنازة قريبه الكافر“ (۲)

مسلمان کے اپنے غیر مسلم رشتہ دار کے جنازہ کے ساتھ چلنے میں کوئی حرج نہیں“

اس میں رشتہ دار کی قید لازمی نہیں ہے؛ بلکہ اتفاقی ہے، کیوں کہ عام طور پر غیر مسلم

رشتہ داروں ہی کی آخری رسوم میں شرکت کی نوبت آتی ہے؛ اس لئے فقہاء نے رشتہ

(۱) ردالمحتار: ۳/۱۳۴

(۲) مغنی المحتاج: ۱/۳۵۹

دار کی بات لکھی ہے، حاصل یہ ہے کہ آخری رسوم اسلامی فریضہ ہونے کے ساتھ ساتھ انسانی فریضہ بھی ہے، اور شریعت میں دونوں پہلوؤں کو ملحوظ رکھا گیا ہے؛ اس لئے مسلمان کو تو غسل وغیرہ دینا واجب ہے اور غیر مسلموں کو غسل دینا جائز ہے۔ (۱)

اس بارے میں مصنف ابن ابی شیبہ میں کئی روایات موجود ہیں جس میں تابعی نے پوچھنے والے شخص سے کہا کہ اپنے کافر رشتہ دار کے جنازے کے آگے چل سکتے ہیں، ابوطالب کے جنازہ کی تجہیز و تکفین کا حکم کئی روایات سے ثابت ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے عام حالات میں کافر کی تدفین وغیرہ کی اجازت نہیں دی؛ البتہ جب اس کا کوئی پُرساں حال نہ ہو تو اجازت ہے۔ (۲)

آن لائن دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ہے کہ ”غیر مسلم پڑوسی کی عیادت یا تعزیت کے لیے جانا درست ہے اور تعزیت میں یہ الفاظ کہنا چاہئے کہ ”اللہ تعالیٰ اس کا نعم البدل عطا فرمائے“؛ البتہ میت کو کندھا دینا اور مرگھٹ تک جانا اور ان کے مذہبی امور میں شرکت جائز نہیں، اس سے بچنا چاہئے“۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۳)

یہ ہی مسئلہ بھی جاننا فائدہ سے خالی نہیں ہوگا کہ کسی مسلمان کا غیر مسلم کی نعش لاری میں لاد کر شمشان گھاٹ لے جانا کراہت سے خالی نہ ہوگا، اگرچہ اجرت پر حرام کا حکم نہیں ہوگا، پس مسلمان کو اس کام سے بچنا چاہئے۔ (۴)

خصوصی احوال ہوں تو بات الگ ہے۔

(۱) فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم

(۲) دیکھئے: الروض المربع، ابن قاسم: ۵/۳۱، الانصاف، مرداوی: ۲/۴۸۳

(۳) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، جواب نمبر: 68270،

1437/L=12/1411- 1326:Fatwa ID

(۴) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، فتویٰ نمبر: ۶۰۲۹۲۷، تاریخ اجراء: ۱۰/۳/۲۰۲۱ء

نومسلموں کے فقہی احکام

حالت کفر کے احکام

غیر مسلم کی چار قسمیں ہیں:

- ① جو سرے سے خدا ہی کا انکار کر دے جسے دہریہ کہا جاتا ہے۔
 - ② خدا کا قائل ہے مگر وحدانیت کا قائل نہیں بلکہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتا ہے، جسے مجوسی کہتے ہیں۔
 - ③ خدا کا قائل ہے، وحدانیت کا بھی قائل ہے مگر رسالت کا انکار کرتا ہے۔
 - ④ خدا، توحید، اور رسالت کا قائل ہے مگر رسالت محمدی کا منکر ہے۔
- پہلی دو قسم کے لوگ ”لا الہ الا اللہ“ یا ”اشہدان محمد رسول اللہ“ کہنے سے مسلمان شمار ہو جائیں گے، خدا و توحید کا اقرار کافی ہے مسلمان قرار دئے جانے کے لیے۔
- تیسری قسم کے کافر ”لا الہ الا اللہ“ کے ساتھ ”اشہدان محمد رسول اللہ“ کہنا بھی لازم ہے، وحدانیت کے ساتھ رسالت کا اقرار بھی ضروری ہے۔
- چوتھی قسم کے کافر کو توحید رسالت کے اقرار کے ساتھ اپنے سابقہ مذاہب سے برات بھی ضروری ہے۔

”یکفی ان یقول الیہود والنصرانی: انا مسلم، لان

الیہود والنصارى یمتنعون عن قول: انا مسلم، فان

قال احدہم: انا مسلم، فہو دلیل اسلامہ“ (۱)

① کافر مسلمانوں کے انسانی بھائی ہیں، سب ایک انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور بھائی راستہ بھٹک جائے تو دوسرے بھائی کی ذمہ داری ہے کہ اسے سیدھے راستہ پر لائے۔

② غیر مسلم اپنے کفر کی وجہ سے عداوت کے نہیں دعوت کے مستحق ہیں، دعوت اسلام کے بغیر ان سے عداوت (جنگ و جہاد) اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔
”امرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا ان لا الہ الا اللہ
وان محمد ارسل اللہ، فاذفعوا ذلک عصموا منی
دمائہم واموالہم الا بحق الاسلام، وحسابہم علی
اللہ۔“ (۲)

③ کافر جسمانی اعتبار سے پاک ہے اور عقیدہ کے اعتبار سے ناپاک ہے، لہذا کافر کا مسجد میں آنا بلا کراہت جائز ہے، جسمانی ناپاکی کی حالت میں مسلمان کو بھی مسجد میں آنے کی اجازت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبوی میں کفار کا قیام ہوتا تھا۔

④ کافر کو قرآن شریف دینا دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے: (۱) وہ پاکی کی حالت میں ہو، یعنی غسل کے بعد چھوئے (۲) اس سے کسی قسم کی بے ادبی کا اندیشہ نہ ہو
الثالثہ: أنه یجوز دفع کتاب فیہ شیء من آیات القرآن
إلی مشرک بخلاف المصحف فإنه لا یجوز دفعہ إلیہ
إلا بعد ما اغتسل ولم یخف منہ سوء الأدب (۳)

(۱) رد المحتار علی الدر المختار: ۳/۳۱۵، الفتنہ الاسلامی وادلتہ: ۲/۲۲۶

(۲) صحیح بخاری، حدیث: ۳۸۵۔

(۳) احکام القرآن للجصاص: ۳/۳۳۔

کافرا اگرچہ فروعات کے مکلف نہیں مگر قرآن کا احترام ہم پر واجب ہے اس لیے غسل و احترام کا حکم کریں، اگر غیر مسلم طلب صادق کے ساتھ قرآن مانگتا ہو تو مستند ترجمہ و تفسیر والا قرآن دینا بہتر ہے۔

⑤ کفار کو ان کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی مل جاتا ہے، شہرت مل جاتی ہے، مال و دولت کی ریل پیل ہو جاتی ہے، دنیا میں عزت اور وقار بھی مل سکتا ہے۔

”وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا“ (۱)

⑥ کافر اسلام قبول کرنے کے بعد حالت کفر میں کئے گئے اعمال کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟ عدل اعتبار نہیں کیا جائیگا، کیونکہ عبادت کے لیے نیت شرط ہے، اور جس کی عبادت کر رہا ہے اس سے عقیدت شرط ہے، اور کافر میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتی ہیں۔

البتہ فضل کے اعتبار سے ارحم الراحمین کی ذات جب سیئات کو حسنات میں بدلنے پر قادر ہے تو حسنات کا اعتبار کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔ ”فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ“ (۲)

حالت کفر کے برے اعمال اسلام لانے کے بعد کالعدم ہو جائیں گے، اسلام کے بعد کفر کی حالت کے گناہ کا عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ”الاسلام يهدم ما كان قبله“ (۳)

④ غیر مسلم کے تہوار میں شرکت کرنا: غیر مسلموں کے تہوار میں مشرکانہ تصورات پائے جاتے ہیں جب اسلام غیر مسلموں کی عبادت کے وقت نماز سے منع کرتا ہے تو براہ راست مشرکانہ تصورات میں شرکت سے بدرجہ اولیٰ منع کرتا ہے۔

(۱) الفرقان: ۲۳

(۲) الفرقان: ۷۰

(۳) صحیح مسلم، باب کون الاسلام يهدم ما كان قبله، حدیث: ۱۹۲۔

⑧ غیر مسلم کے تعزیت کی اجازت ہے اس سے کفار کے دل میں قدر و منزلت بڑھتی ہے، البتہ مغفرت کی دعا کرنے کے بجائے یہ الفاظ کہیں۔ ”اصلى الله بالك واخلفك“ (۱)

مسلمان اگر اپنے کافر رشتہ دار کے جنازہ کے ساتھ چلنا چاہے تو اس کے کسی مذہبی عمل میں شرکت کئے بغیر محض جنازہ کے پیچھے چل سکتا ہے۔ ”ولا باس باتباع المسلم جنازة قريبه الكافر“ (۲)

⑨ کافر اگر حالت جنابت میں اسلام قبول کرے تو غسل کرنا واجب ہے، اگر جنابت کی حالت نہ ہو تو غسل کرنا مستحب ہے، حنابلہ کے نزدیک بہر حال غسل کرنا واجب ہے ”وواحد مستحب وهو غسل الكافر اذا اسلم ولم يكن جنبا“ (۳)

⑩ اگر کوئی عورت حالت حیض میں اسلام قبول کر لے تو پاک ہونے کے بعد غسل کر کے ہی نماز ادا کرے گی، اور اگر حالت کفر میں ہی حیض سے پاک ہونے کے بعد اسلام قبول کرے تو غسل مستحب ہے واجب نہیں ہے۔

”ونص الحنفية على انه لو حاضت الكافرة فطهرت ثم

اسلمت فلا غسل عليها، ولو اسلمت حائضا ثم

طهرت وجب عليها الغسل“ (۴)

⑪ اگر کوئی ہندو مسلمان بنتا ہے تو اس پر ختنہ کرنا شرعاً سنت مؤکدہ اور ضروری ہے، اسلام کی خاص علامات میں سے ہے تو یہ اسلام پر ثابت قدمی میں معین ہوگا؛

(۱) رد المحتار، کتاب الجنائز: ۸۲/۱

(۲) مغنی المحتاج: ۳۵۹/۱

(۳) فتاویٰ ہندیہ: ۱۶/۱

(۴) فتاویٰ ہندیہ: ۱۶/۱

البتہ اگر وہ نومسلم اس قدر ضعیف و کمزور ہو کہ وہ ختنہ کی تکلیف برداشت نہ کر سکے تو اس پر ختنہ کرنا لازم نہیں ہے، اگر وہ نومسلم ختنہ کی تکلیف برداشت کر سکتا ہے پھر بھی ختنہ نہ کرے تو وہ گنہ گار ہوگا، مسلمان ہونے کا مدار ختنہ پر نہیں ہے، البتہ بلا عذر ایک سنت مؤکدہ کو ترک کرنے کا گناہ ملے گا، نیز ختنہ کے بغیر مرد کے لیے پیشاب سے مکمل طہارت و پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی؛ کیونکہ پیشاب کے کچھ نہ کچھ قطرات اس چمڑی کے مچے جمع ہو جاتے ہیں جس کی بنا پر خدشہ ہے کہ بعد میں نکل کر پڑے اور بدن نجس اور ناپاک رہ جائے: فی الذخیرۃ أن المسلم یختن ما لم یبلغ فإذا بلغ لم یختن لأن ستر عورة البالغ فرض والختان سنة فلا یت ترک الفرض للسنۃ، والکافر إذا أسلم یختن بالاتفاق لمخالفتہ دین الإسلام وهو بالغ (ج: ۳/ ص: ۹۶) وکذا المجوسی إذا أسلم وهو شیخ ضعیف أخبر أهل لا بصر أنه لا یطیق الختان یت ترک (۱)

نوٹ: ختنہ کی اہمیت کی وجہ سے پہلے سے کسی کافر کو ختنہ کے بارے میں خبر نہ کیا جائے بعض مرتبہ یہ ہیبت کا سبب بن جاتا ہے، اور اسلام سے تنفر کا ذریعہ ہوتا ہے، جبکہ ختنہ سے زیادہ اہم اسکا اسلام قبول کرنا ہے، جب اسلامی اور ختنہ کی افادیت سے باخبر ہوگا تو خود بخود ختنہ کرا لے گا۔

(۱۲) اگر کوئی شخص خفیہ طور پر اسلام قبول کرے اور خفیہ طور پر نماز اور احکام اسلام پر عمل کرے، تو یہ شخص مسلمان ہے، گو کہ وہ کافر والدین کے گھر کھانا پینا کرتا ہو، اس کی وفات پر تجہیز و تدفین اسلامی طور پر ہوگی۔ (۲)

(۱) الفتاوی الخانیۃ علی الہندیۃ: ۳/ ۴۰۹، کتاب الحظر والإباحۃ/ فصل فی الختان، ط: زکریا

(۲) الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۱/ ۴۵۷۔

⑬ نومسلم شخص کے کافر والدین یا رشتہ دار نومسلم کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے کی تمنا کریں اور مسلمان و کافروں کے قبرستان الگ الگ ہوں تو انہیں اس کی اجازت نہیں، نومسلم کو کافروں کے قبرستان میں دفن کرنا مکروہ ہے، مخلوط قبرستان ہوں اور کوئی مستقل جگہ میسر نہ ہو تو دفنانے میں کوئی حرج نہیں۔

اگر نومسلم کے رشتہ دار بہت زیادہ اصرار کریں منع کرنے میں بہت زیادہ دل آزاری یا فتنہ کا اندیشہ ہو تو کافروں کے قبرستان میں دفن کرنے کی اجازت دی جائے گی، البتہ ایسی جگہ کا انتخاب کریں جہاں کسی کافر کی قبر پہلے سے نہ ہو، وہاں نماز کی جگہ ہو تو وہیں نماز جنازہ بھی ادا کرنا جائز ہے۔

”ولا باس بالصلاة فيها اذا كان فيها موضع اعد

للصلاة وليس فيه قبر ولا نجاسة كما في الخانية ولا

قبل الى قبر“ (۱)

⑭ اسلام قبول کرنے کے بعد اتنا وقت دیا جائے گا جس میں وہ احکام شریعت جان کر انہیں سیکھ لے اور جتنا جلد ہو سکے وہ سیکھنے کی کوشش کرے، چنانچہ:

جب تک کلام اللہ کا کچھ حصہ یاد نہ ہو جائے نماز میں تکبیر تحریمہ کے اور رکوع کے درمیان میں خاموش کھڑا رہے گا، البتہ تکبیر تحریمہ سیکھنا آسان ہے اس لئے ”اللَّهُ أَكْبَرُ“ فوری سیکھنا لازم ہے تاکہ نماز صحیح ہو جائے۔

کلام اللہ یاد نہ ہونے کی صورت میں قرأت کی جگہ تحمید و تسبیح و تہلیل کرتا رہے، عربی زبان کے علاوہ دوسری زبان میں قرأت کرے گا تو صرف احناف کے نزدیک نماز ہوگی، اگر کوئی سورت یا چند آیات یاد ہو جائیں تو دوسری زبان میں قرأت یا قرأت کی جگہ تسبیح وغیرہ درست نہیں ہے۔

”فاذا حفظ شيئا من القرآن آية تامة او فاتحة الكتاب

(۱) ردالمحتار، کتاب الصلوة قبیل مطلب ”تکرہ الصلوة فی الكنيسة“

وسورة لم یجز له الاکتفاء من التسیح وامثاله وهذا
ظاہر“ (۱)

کفار کا حالتِ کفر میں کیا ہوا نکاح درست ہے

کافر اور مشرک کا حالتِ کفر و شرک میں کیا ہوا نکاح شرعاً معتبر ہے کہ اگر زوجین
ایک ساتھ مسلمان ہو جائیں تو از سر نو نکاح نہ کرنا پڑے گا؛ بلکہ حالتِ کفر میں کیے ہوئے
نکاح کی بنیاد پر اسلام لانے کے بعد بھی انہیں زوجین میاں بیوی قرار دیا جائے گا، ان
کے وہ نکاح درست ہیں جو ان کے مذہب و عقیدہ کے مطابق درست ہوں۔

”انکحة الکفار صحیحة، یقرون علیہا ان اسلموا“ (۲)

نوٹ: ایک ساتھ اسلام قبول کرنے کا اگر یہ مطلب لیا جائے کہ بیک وقت دونوں کلمہ
پڑھیں اگر تقدیم و تاخیر سے کلمہ پڑھنے پر نکاح فاسد قرار دیں تو حرج لازم آئے گا،
اس صورت میں بہت کم نکاح باقی رہ پاتے ہیں، اس لئے مجلس واحد کا اعتبار کیا
جائے گا کہ دونوں ایک ہی مجلس میں کلمہ پڑھے ہوں۔

”وقیل: ہما علی نکاحہما ان اسلما فی المجلس وهو

احتمال فی ”المغنی“ قلت: وهو الصواب، لان تلفظہما

بالاسلام دفعة واحدة ”فیہ عسر“ (۳)

حالتِ کفر میں محرم سے کیا گیا نکاح

حالتِ کفر میں اگر محرم نسبی یا سببی کسی کی زوجیت میں موجود عورت سے نکاح کیا
ہو تو اسلام کے بعد ان کے مابین تفریق کر دی جائے گی، اسلام میں اس قسم کے نکاح
جائز نہیں ہیں۔

(۱) اعلیٰ السنن: ۲/۲۴۲

(۲) المغنی لابن قدامہ: ۷/۱۵۱، دار عالم الکتب للطباعة والنشر

(۳) الانصاف: ۱۹/۲۱، احکام اہل الذمۃ: ۱/۳۱۸

”فان كانت المرأة على صفة لا يجوز له ابتداء نكاحها

كاحدى المحرمات بالنسب والسبب او لمعتدة والمرتدة

والوثنية والمجوسية والمطلقة ثلاثا لم يقر“ (۱)

دو بہنوں سے نکاح ہوا ہو تو:

① اگر ایک ہی عقد میں دونوں سے نکاح کیا ہے تو اسلام لانے کے بعد کسی ایک

کو بھی اپنے نکاح میں رکھنے کا اختیار نہیں ہوگا، کسی ایک سے از سر نو نکاح ہوگا۔

② اگر پہلے ایک بہن سے دوسری مجلس میں دوسری بہن سے ہوا ہے تو پہلا نکاح

درست ہے دوسرا باطل ہے۔

③ ایک ہی عقد میں دونوں سے نکاح کی صورت میں اسلام لانے سے پہلے ہی کسی

ایک کو حالت کفر میں ہی طلاق دیدیا ہے تو جو فی الوقت نکاح میں ہے وہ نکاح

اسلام لانے کے بعد بھی باقی رہے گا۔

”لو تزوج أختين فى عقدة واحدة فارق احدهما قبل

الاسلام، ثم أسلم أن الباقية نكاحها على الصحة حتى

يقرا عليه، كذفى الكافية“ (۲)

حالت کفر کی چار سے زائد بیویاں

قرآن وحدیث و آثار صحابہ کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ

ایک مرد کو چار سے زائد بیویاں رکھنا جائز نہیں ہے، جس کو چاہے رکھے جس کو چاہے چھوڑ

دے۔ ”امسك اربعاً وفارق سائرهن“ (۳)

(۱) المغنی لابن قدامة: ۱۰۱/۷

(۲) فتاویٰ ہندیہ: ۱/۳۳۷

(۳) تحفة الاحوذی شرح ترمذی، باب ماجاء فی الرجل یسلم وعنده عشرين نسوة:

ماں یا بیٹی سے نکاح

اسلام میں محرمات سے نکاح جائز نہیں ہے، اسی طرح آپسی محرمات کو جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے، مثلاً بھانجی، بھتیجی، وغیرہ کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جس طرح دو بہنوں کو جمع کرنا جائز نہیں، اسلام سے قبل محرمات میں سے کسی سے ایک ہی عقد میں دو سے نکاح ہوا ہو تو کوئی نکاح درست نہیں ہوگا، اسلام کے بعد دونوں میں تفریق کرادی جائے گی۔

① دخول سے قبل تفریق کی صورت میں نہ مہر واجب ہوگا اور نہ ہی عدت واجب ہوگی۔ ”لو كان الحربى تزوج أماً وبتاً ثم اسلم، فان كان تزوجها فى عقد واحد فنكاحهما باطل“ (۱)

② اگر دخول کے بعد تفریق ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا اور جس کی تفریق ہوگی اس پر عدت بھی واجب ہوگی۔

③ اگر ہر ایک سے الگ الگ عقد میں نکاح ہوا اور کسی سے دخول نہیں ہوا ہو تو پہلے جس سے نکاح ہوا وہ درست ہوگا، دوسرا نکاح باطل ہو جائے گا، اگر دونوں سے دخول ہو گیا تو بالا جماع نکاح باطل ہو جائے گا۔

”وان تزوجهما متفرقا فنكاح الاولى جائز ونكاح

الأخرى باطل فى قول أبى حنيفة وأبى يوسف وهذا

إذا لم يكن دخل بواحدة منهما، ولو أنه كادخل بهما جميعاً

فنكاحهما جميعاً باطل بالاجماع“ (۲)

④ اگر یاد نہیں رہا کہ کس سے پہلے نکاح ہوا تھا تو اسلام لانے کے بعد تفریق کرادی جائیگی کیونکہ کسی ایک نکاح یقیناً فاسد ہے اور وہ مجہول ہے، تفریق نہ کرائی جائے

(۱) الفتاوی التاتارخانیہ: ۱۷۵/۳

(۲) فتاوی ہندیہ: ۳۳۹/۱

تو حرام طریقہ پر جماع کرنا پایا جائے گا۔ (۱)

کوئی ایک اسلام قبول کر لے

اگر زوجین کافر مشرک ہوں اور دونوں میں سے کوئی ایک اسلام قبول کر لے:

شوہر بیوی سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو دوسرے فریق پر بذریعہ قاضی اسلام پیش کیا جاوے گا، اسلام قبول کر لیا تو نکاح برقرار رہے گا، اگر قبول نہ کرے تو تفریق کرائی جاوے گی۔ ”ولو اسلم احد الزوجین عرض الاسلام علی الآخر فان اسلم والافرق بینہما“ (۲)

اسلام پیش کرنے پر کوئی جواب نہ دے بلکہ خاموش رہے تو قاضی احتیاطاً تین بار جنت کی بشارت اور آخرت کا خوف دلا کر فہمائش کے ساتھ اسلام پیش کرے گا، پھر بھی خاموش رہے تو انکار پر محمول کر کے تفریق کرادی جائے گی۔

لڑکا یا لڑکی نابالغ ہوں اور دونوں میں کوئی ایک اسلام قبول کر لے اور دوسرا اسلام کو نہ سمجھنے کی وجہ سے کوئی جواب نہ دے تو اس کے فہم و فراست کا انتظار کیا جائے گا، بالغ ہونے کا انتظار نہیں کیا جائے گا، سمجھداری محسوس ہو تو مذکورہ طریقہ اختیار کیا جائے گا۔

”ولا ینتظر بلوغه“ (۳)

اگر دوسرا فریق پاگل ہے تو والدین پر اسلام پیش کیا جائیگا، والدین کے اسلام قبول کرنے اور نہ کرنے پر نکاح کا فیصلہ کیا جائیگا، والدین میں کوئی ایک اسلام قبول کر لے تو بھی ”الولد یتبع خیر الابوین دینا“ کے تحت مسلمان شمار کیا جائے گا۔ (۴)

ہندوستان میں کیا حکم ہے؟

ہندوستان میں غیر مسلموں کا سیاسی غلبہ ہے اسلئے یہاں حکم یہ ہے کہ: میاں بیوی

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ، دکتور وہبہ زحیلی: ۷/۱۶۳

(۲) فتاویٰ ہندیہ: ۱/۳۳۸

(۳) فتاویٰ ہندیہ: ۱/۳۳۸

(۴) الدر المختار علی ہامش الرد، باب نکاح الکافر: ۷/۴۲۷۔

میں سے جو بھی اسلام قبول کرے بہر صورت عورت حائضہ ہو تو تین حیض، نابالغہ یا آنسہ ہو تو تین ماہ، حاملہ ہو تو وضع حمل تک دوسرے فریق کے اسلام کا انتظار کرے گی اگر اسلام نہیں لایا تو خود بخود رشتہ مناکحت ختم ہو جائے گا، عدت کی مدت عرض اسلام کے قائم مقام اور عدت ختم ہو جانا تفریق قاضی کے قائم مقام شمار کی جائے گی۔

✽ ہندوستان میں اگرچہ غیر مسلموں کا تسلط ہے مگر دعوت دین کے بہت سے مواقع میسر ہیں تو کافر میاں بیوی میں سے جو بھی مسلمان ہو جائے تو مسلمانوں کی ایک جماعت دوسرے پر اسلام پیش کرے، تبشیر و انذار کے ذریعہ اسلام سے قریب کرنے کی حتی الامکان کوششیں کی جاویں، زوجین میں کوئی مسلمان ہو جاتا ہے تو ہر ایک کی دوسرے کے لیے بہت فکر و دعائیں بھی شروع ہو جاتی ہیں، عدت کے فوری بعد تفریق کی صورت میں گذر بسر، نکاح ثانی، رہن سہن، سماجی و عائلی مسائل بھی عورت کے لیے کافی مشکل ہو جاتے ہیں، بگڑے ہوئے معاشرہ میں نومسلموں کے کوئی ہمدردی کا جذبہ بھی نہیں ہوتا ہے، تو کوئی ایک اسلام قبول کر لینے کے بعد (خواہ عدت گذر جائے) کچھ دنوں تک ساتھ رہیں، البتہ ازدواجی رشتہ قائم نہ کیا جائے، آپ ﷺ نے بعض صحابہ کو مصلحتاً اسلام ظاہر کرنے سے منع فرما دیا تھا، جیسے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، اپنے ساتھی کو اسلام کی دعوت حکمت سے دیتا بھی رہے، مسلمانوں کی جماعت محنت کرتی رہے، اگر یہ رہنا گناہ بھی ہو تو دوسرے فریق کے اسلام کا ذریعہ بننے کی صورت میں رب کریم سے امید ہے کہ معاف کر دے گا۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر تفریق کی بات کی جائے تو اسلام لایا ہوا شخص بھی اپنی اولاد کی وجہ سے یا زوجیت باقی رکھنے کے اصرار میں مرتد ہونے تیار ہو جاتا ہے، یا شرط لگا لیتا ہے کہ اسلام تو قبول کر لے گا مگر کافر بیوی بچوں کو نہیں چھوڑے گا، اسلام کو اگرچہ کسی کے مسلمان ہونے کی ضرورت نہیں، لیکن حضور ﷺ کو امت کی

نجات کا درد تھا اس کے پیش نظر گوان کار ہنا گناہ کبیرہ ہوگا مگر مخلد فی النار ہونے سے بچ جائیں گے، نیز بہت ممکن ہے کہ اسلامی تعلیمات و اخلاقِ حسنہ کا جلد اثر ظاہر ہو اور دوسرا فریق خود بخود تائب ہو کر اسلامی زندگی گزارنے پر راضی ہو جائے۔ (۱)

مرتدین کے احکام

آج کل ہر آئے دن نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں، کہیں دیندار انجمن، کہیں شکیلیت کا فتنہ، کہیں فیاضیت کا، کہیں غامدیت وغیرہ اور نئے فتنے کو دانہ پانی اور سہارا دینے کے لیے ایک طبقہ پیدا ہو جاتا ہے، یہاں مختصر اُمرتدین کے احکام لکھے جا رہے ہیں تفصیل کے لیے کتاب ”نومسلموں کے مسائل“ دیکھنا مفید ہے۔

① اگر میاں بیوی نعوذ باللہ ایک ساتھ مرتد ہو جائیں مثلاً ایک ساتھ دونوں نے کلمہ کفر کہا یا اسلامی تعلیمات کی ایک ساتھ اہانت کی، بتوں کو ایک ساتھ سجدہ کیا، کفر کا کوئی بھی کام دونوں نے ایک ساتھ کیا، یا بھول گئے کہ کس نے پہلے کفر کیا، تب بھی یہی مانا جائے گا کہ ایک ساتھ کفر کیا ہے، اس صورت میں دونوں اپنے نکاح پر باقی رہیں گے، اور پھر جب دونوں اسلام قبول کر لیں، تو تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوگی، گویا ان کا کام اسی طرح ہوگا جیسے کہ کافر زوجین نے اسلام قبول کیا ہو۔ ”وبقي النكاح إن ارتد امعانم أسلما كذلك“ (۲)

یہ مسئلہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک استحسانا ہے، کیونکہ زوجین کے درمیان اختلاف دین نہیں پایا گیا، حنابلہ و شوافع کے نزدیک ان کا نکاح ختم ہو جائے گا۔

② اگر کسی عورت کا شوہر العیاذ باللہ مرتد ہو جائے تو ائمہ اربعہ اور جمہور فقہاء کا اتفاق ہے کہ یہ نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے۔ ”فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ“ (۳)

(۱) مستفاد: نومسلموں کے مسائل: ص ۳۰۶، از مفتی عاشق الہی چلتی۔

(۲) سورة الممتحنة: ۱۰

(۳) الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۴۷

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

”وجملۃ ذلك أنه اذا ارتد أحد الزوجين قبل الدخول

انفسخ النكاح في قول عامة أهل العلم“ (۱)

اگر مرتد مسلمان ہو جائے اور عورت اس کے ساتھ رہنا چاہے تو عورت کو اختیار ہے، چاہے تو شوہر کے ساتھ رہے یا دوسرا نکاح کر لے، کیونکہ شوہر کے ارتداد کی وجہ سے وہ اس کے نکاح سے نکل گئی ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شوہر مرتد ہونے کی صورت میں عدت گزرنے کا انتظار کیا جائے گا۔

③ میاں بیوی میں سے صرف بیوی مرتد ہو جائے (قادیانیہ/شکیلیہ/فیاضیہ/غامدیہ/وغیرہ بن جائے) تو نکاح ختم ہو جانے کے متعلق علمائے احناف کے تین قول ہیں:

[۱] ظاہر الروایہ یہ ہے کہ ”نکاح ختم ہو جائے گا، تجدید اسلام پر مجبور کیا جائے گا، اپنے اسی پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کیا جائے گا، دوسرے مرد سے نکاح کی اجازت نہ رہے گی، مگر یہ مجبور کرنا حاکم و امام وقت کا کام رہے گا۔

”منكوحه ارتدت - والعياذ بالله - حكي عن أبي النصر

وأبي القاسم الصفار، أنهما قالاً: لا تقع الفرقة بينهما

حتى لا تصل إلى مقصودها ان كان مقصودها الفرقة،

وفي الروايات الظاهرة تقع الفرقة وتحبس المرأة حتى

تسلم ويجدد النكاح سد هذا الباب عليها“ (۲)

[۲] علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ بلخ و سمرقند نے معصیت کا

(۱) المغنی لابن قدامة: ۳۹/۱۰

(۲) فتاویٰ خانہ علی ہامش الہندیہ: ۱/۵۶۲

دروازہ بند کرنے کے لیے اس پر فتویٰ دیا ہے کہ ”مرتدہ بدستور شوہر اول کے نکاح میں رہے گی ارتداد کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں ہوگا“:

”وَأَمَّا بَعْضُ مَشَائِخِ بَلْخٍ وَبَعْضُ مَشَائِخِ سَمَرْقَنْدٍ كَانُوا

يَفْتَوْنَ بَعْدَ الْفِرْقَةِ بِأَنَّ الْمَرْأَةَ حَسْبَ الْبَابِ الْمَعْصِيَةِ“ (۱)

[۳] نوادر کی روایت ہے کہ ”وہ عورت باندی بنا کر رکھی جاوے گی، شوہر کو بدستور اس پر قبضہ رہے گا، البتہ قبضے کے لیے امام کی اجازت ضروری ہے، یعنی امام المسلمین سے قیمتہ خریدے، اگر دارالحرب میں ہے تو امام کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔

[۴] ہندوستان میں مرتدہ کے لیے دوسری صورت پر عمل ممکن ہے، پہلی اور تیسری صورت اس ملک میں قائم کرنا دشوار و ناممکن سا ہے۔ اس لیے اسی پر فتویٰ دیا جائے گا، ارتداد کو بعض نے پہلے مرد سے چھٹکارے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔

چنانچہ حکیم الامت حضرت اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الحلیۃ الناجزۃ“ میں اسی بات کو ترجیح دی ہے (۲) نیز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایماء پر مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”حکم الزواج فی اختلاف دین الازواج“ رسالے میں جو ”الحلیۃ الناجزہ“ کا ضمیمہ ہے، اس میں بھی اسی کو رائج قرار دیا ہے۔

[۵] البتہ احتیاط کی بات یہ ہے کہ ایسی عورت کے لیے کچھ مہر مقرر کر کے سابق شوہر سے ہی از سر نو نکاح کر دیا جائے، جب تک تجدید نکاح نہ ہو جماع سے رکا رہے۔ (۳)

شوہر کا بار بار مرتد ہونا

اگر شوہر بار بار مرتد ہوتا ہے اور تجدید اسلام کرتا ہو تو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بقول

(۱) فتح القدیر مع الکفاۃ: ۲۹۶/۳

(۲) الحلیۃ الناجزہ للٹھانوی رحمۃ اللہ علیہ: ۱۲۲

(۳) فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۸/۳۷۳

اس کی بیوی حلالہ کے بغیر بھی محض نکاح سے حلال رہے گی، شوہر کے لیے قضائے قاضی یا عدت گزرنے کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔

”فلوارتد مرارا و جدد الاسلام فی کل مرة ، و جدد

النکاح علی قول أبی حنفیة تحل المرأة من غیر اصابة

زوج ثان“ (۱)

نومسلم کے نفقہ کے احکام

مرد اسلام قبول کرنے کے بعد عورت کو حق حاصل ہے کہ مرد سے نفقہ کا مطالبہ کرے، مرد پر اپنی بیوی کا نفقہ لازم ہے، اختلاف دین نفقہ سے مانع نہیں ہے۔ ”اتفق الفقهاء علی وجوب النفقة للزوجة مع اختلاف الدین مالم یکن ناشزة او مرتدة“ (۲)

بیوی کے علاوہ اپنے دیگر اعزہ و اقارب کا نفقہ نومسلم پر لازم ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء احناف کے پاس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں:

① اصول کے نفقہ کے لیے اتحاد دین شرط نہیں ہے۔ لہذا نومسلم پر اپنے والدین، دادا، دادی، اولاد کا نفقہ لازم رہے گا۔

اسلام میں والدین کی وقعت جس قدر بیان کی گئی ہے، دیگر مذاہب میں اس کی نظیر نہیں ملتی، کافر والدین کے ساتھ بھی حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ ”وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا“ (۳) اس لئے نومسلم اگر صاحب استطاعت ہو تو والدین کا نفقہ برداشت کرنا لازم ہے، اختلاف دین کے وجہ سے ان سے بے تعلقی ولا پرواہی درست نہیں ہے، شاید اس حسن سلوک کے نتیجہ میں وہ بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں۔

(۱) فتاویٰ شامی: ۲/۴۲۵، بحوالہ ”نومسلموں کے مسائل: ۳۴۳

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ، ڈاکٹر وہبہ زحیلی: ۷۰/۷۷

(۳) سورة لقمان: ۱۵۔

نوٹ: والدین کا نفقہ واجب ہونے کے لیے فقہاء نے دو شرطیں لازم قرار دی ہیں:

پہلی شرط: نومسلم پر کافر والدین کا نفقہ اس وقت واجب ہوگا جبکہ والدین محتاج ہوں، کمانے کی قدرت رکھتے ہوں یا نہ ہوں۔ (۱)

دوسری شرط: جو مال نومسلم کے پاس ہے اس کی ضروریات سے زائد ہو، اگر اس کی خود اتنی ضروریات ہیں کہ اس کے لیے کافی نہیں ہو رہا ہے تو والدین کا نفقہ واجب نہیں ہے۔ ”ابدأ بنفسك ثم بمن تعول“ (۲)

مگر موجودہ ہندوستان میں لڑکا مسلمان ہو جانے کے بعد مسئلہ کی رو سے والدین کے نفقہ سے سبک دوش ہو جائے اور انہیں کسب معاش پر مجبور کرے تو یہ حسن سلوک کے خلاف ہے، جب اولاد کی کمائی کا کوئی حصہ والدین کو نہیں ملے گا تو کس قدر تکلیف ہوگی، مسلمان ہو جانے کے بعد اپنے والدین کو کسب کے لیے پریشان دیکھنا کون گوارا کرے گا، جب ان کے بھی اسلام کی تڑپ دل میں ہے کہ وہ بھی جہنم کی آگ سے بچ جائیں، تو اولاد کے لیے یہ سنہرا موقع ہے کہ اپنی کمائی اور حسن سلوک سے انہیں اسلام سے قریب کرے، اس لیے بعض علماء نے یہ رائے پیش کی ہے کہ ”کافر والدین اگر محتاج نہ بھی ہوں مگر اولاد میں استطاعت ہے تو نفقہ واجب کر دیا جائے“۔ (۳)

اولاد کا نفقہ نومسلم باپ پر واجب ہونے کے لیے بھی فقہاء چند شرائط ذکر کرتے

ہیں:

- ① اولاد محتاج ہو ان کے پاس مال نہ ہو۔ (۴)
- ② اولاد نابالغ ہو، البتہ لڑکیوں کا نفقہ ان کے بالغ ہونے کے بعد بھی والد کے ہی ذمہ رہے گا۔ (۵)

(۱) فتح القدیر: ۲۲۰/۴ (۲) سنن نسائی، باب ای الصدقة افضل: ۱/۵۳

(۳) مستفاد: نومسلموں کے مسائل: ۳۴

(۴) فتاویٰ ہندیہ: ۱/۵۶۲ (۵) الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۷/۸۲۴

③ اولاد آزاد ہو کسی کی غلام نہ۔

④ باپ کے پاس نفقہ کی وسعت ہو۔ (۱)

② بیوی کے نفقہ کے لیے بھی اتحاد مذہب شرط نہیں۔

البتہ غیر کتابیہ سے نکاح کے بعد شوہر مسلمان ہو جائے، اور بیوی پر اسلام پیش کرنے کے بعد بیوی کے انکار کر دینے پر جب تفریق کرادی جاوے گی تو نفقہ بھی واجب نہ ہوگا، اس کے برعکس عورت اسلام قبول کر لے، اور مرد اسلام لانے سے انکار کر دے تو عورت کو نفقہ و سکنی دونوں ملیں گے خواہ مرد کتابی ہو یا غیر کتابی۔ (۲)

نوٹ: اصول و فروع کا نفقہ اس لیے لازم ہے کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے جزء ہیں، جس طرح انسان کفر کے باوجود خود کو ہلاکت سے محفوظ رکھتا ہے، اسی طرح اپنے جزء کی بھی حفاظت کرنا ضروری ہے، بیوی کا نفقہ اس لئے لازم ہے کہ نفقہ کا سبب احتباس ہے جب عورت محبوس ہے تو نفقہ (مسبب) بھی واجب ہے۔

③ مذکورہ لوگوں کے علاوہ رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہونے کے لیے اتحاد مذہب شرط ہے، گویا اس کا حکم میراث کے حکم کی طرح ہے۔

”والا یجبر المسلم علی نفقة الکفار من قرابته ولا

الکافر علی نفقة المسلمین من قرابته الا الزوج

والوالدان والولد“ (۳)

نومسلموں کے نام کی تبدیلی

اسلام قبول کرنے کے بعد اگر نومسلم کا نام کفریہ یا شرکیہ یا اسلامی تعلیمات کے منافی ہے تو بدلدیا جائے گا، جیسے ”شیوکار، سیوک رام، ارجن، رام داس“ وغیرہ، کیونکہ

(۱) نومسلموں کے مسائل: ۳۵۰

(۲) فتاویٰ تاتارخانیہ: ۲۵۹/۴

(۳) الفتاویٰ التاتارخانیہ: ۲۵۸/۴

صفات الہی میں شرک جائز نہیں ہے، اور اگر شرعاً قباحت نہ بھی ہو تو بھی بدل دینا بہتر ہے جیسے آکاش، سمن، پونم وغیرہ تاکہ اسلامی نام سے شناخت و پہچان ہو، اور تشبہ بالکفار سے بچا جاسکے، آپ ﷺ بھی نامناسب نام بدل دیا کرتے تھے۔ ”کان یغیر الاسم القبیح“ (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک صاحبزادی کا نام عاصیہ (گناہ گار) تھا آپ ﷺ نے اس نام بدل کر جمیلہ (خوبصورت) نام رکھا۔ (۲)

آپ ﷺ نے ایسے ناموں کو ناپسند فرمایا ہے جن سے بدشگونی گمان ہوتا ہو، اگر کسی کا نام ”وَجْ“ یا ”اَجْ“ ہو جس کے معنی کامیابی کے ہیں، اگر کسی نے وَجے پکارا اور کہا گیا کہ وَجے نہیں ہے، یعنی کامیابی نہیں ہے، جس سے بظاہر بدشگونی ہوتی ہے، جیسے عربی میں ”رباح، نجیح، افلح“ وغیرہ نام ہیں، اگر غیر عربی میں خدا کی طرف منسوب نام رکھا ہے تو وہ نام اللہ کے صفات پر مکمل صادق آتا ہو تو بدلنا ضروری نہیں ہے جیسے ”شیر خدا“ یہ اسد اللہ کے معنی میں ہے یا جیسے ہندی میں ”بھگوان داس“ نام رکھا ہے، مگر تشبہ بالکفار اور اسلامی امتیاز کے لیے بدلنا بہر صورت بہتر ہے، چنانچہ ایک صحابی کا نام ”ابوالحکم“ تو فرمایا: حکم تو اللہ کی ذات ہے، ”ابو شریح“ بیٹے کی طرف منسوب کر کے نام تجویز فرمادیا۔ (۳)

نام بدلنے میں دشواری ہو تو

اس ترقی یافتہ دور میں نام کی تبدیلی بعض مرتبہ کوئی دشواریوں کا سبب بن جاتی ہے، مثلاً مذہبی عصبیت کا شکار بنایا جاتا ہے، حکومتی اداروں میں اندارج شدہ نام کی تبدیلی کی وجہ سے سرکاری نوکری داؤ پر لگ جاتی ہے، معاشی تنگی کی وجہ سے بعض مرتبہ اسلام پر باقی رہنا دشوار ہو جاتا ہے، اس صورت میں شریعت میں دو طرح کا اختیار دیا گیا ہے:

(۱) سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۵۸۶

(۲) سنن ابی داؤد، حدیث: ۱۵۸۶

(۳) سنن ابی داؤد، کتاب الادب فی تغیر الاسم القبیح، حدیث: ۱۵۸۶

- (۱) شرکیہ و کفریہ نام میں تبدیلی کر کے اسی زبان میں کوئی دوسرا نام تجویز کر لیا جائے تاکہ گناہ سے بھی محفوظ ہو اور کوئی پریشانی بھی نہ ہو۔ ”المشقة تجلب التیسیر“
- (۲) پرانا نام تبدیل نہ کیا جائے اور اسلامی نام بھی رکھ لیا جائے، سرکاری مواقع میں پرانا نام ہی استعمال ہو اور عام حالات میں اسلامی نام سے شناخت بنائی جائے، محض نام کی وجہ سے کسی کے اسلام میں دشواری نہ پیدا کی جائے۔

”ویجوز التسمیة باکثر من اسم واحد الاقتصار علی

اسم واحد اولی لفعله ﷺ بأولاده“ (۱)

نام کب بدلا جائے؟

اگر نام کی تبدیلی میں کوئی دشواری نہ ہو تو اسلام قبول کرنے کے بعد ہی نام بدل دیا جائے، اسلام قبول کرنے کا زمانہ اس کی ولادت کا زمانہ ہے ولادت کے بعد نام رکھنا ثابت ہے، آپ ﷺ کے یہاں جب ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: رات میرے گھر لڑکا پیدا ہوا میں نے اس کا نام ابراہیم رکھا ہے، (۲) نیز موت کا پتہ نہیں، خاتمہ اسلامی نام پر ہونا خوش قسمتی ہے، اور چونکہ نام کا اثر انسان کی ذات و صفات پر پڑتا ہے اس لیے نام بامعنی ہو، عبدیت کے اظہار والا نام ہو، انبیاء و صحابہ کے ناموں کے مماثل ہو، اور مسلمان ہونے کے بعد حالت کفر کا بگڑا ہوا نام نہ لیا جاوے جس سے مخاطب کو تکلیف ہوتی ہو، اللہ نے برے القاب سے پکارنے کو منع فرمایا ہے، نیز ایسے نام سے بھی نہ پکارے جو کسی گناہ کی طرف اشارہ کرتا ہو جیسے چور، زانی، ڈاکو وغیرہ، البتہ اگر کوئی شخص اپنے عیب دار نام سے اتنا مشہور ہو جائے کہ اس نام کے علاوہ دوسرے نام سے جاننا نہ جاتا ہو تو تحقیر و تذلیل کی نیت کے بغیر اس نام سے پکارا جاسکتا ہے جیسے محدثین میں، اعمش، اعرج، ابن حجر، ابن الفرغ، ذوالیدین وغیرہ نام مشہور ہیں۔ (۳)

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳/۶۴۲

(۲) سنن ترمذی، حدیث: ۲۸۳۳۔

(۳) ملخص: نومسلموں کے مسائل: ۵۹: ۳

غیر مسلموں میں دعوت کا کام کرنے والے احباب کے لیے مختصر دستور العمل

✽ سب کا مالک ایک ہے مگر مالک کا کوئی ایک ہوتا ہے، سب کا خدا ایک ہے مگر ماننے والوں میں ایسے کم ہیں جو مالک کو ایسے مانتے ہوں اور مالک کی ایسی مانتے ہوں کہ جیسا کہ پروردگار عالم نے چاہا ہے، وحدت حق کا نظریہ ہی صحیح نظریہ ہے وحدت ادیان سراسر باطل ہے، یوں کہنا کہ سب مذہب صحیح ہیں، طریقے الگ الگ ہیں، سراسر شرک ہے، آسمانی کتابیں الگ، بنیادی عقیدے الگ، کوئی خدا کی بیوی مانتا ہے، کوئی کروڑوں خدا مانتا ہے، اولاد کا بھی عقیدہ رکھتا ہے سب ایک کیسے ہو سکتے ہیں؟ بلاشبہ محمد ﷺ ساری انسانیت میں افضل ترین ہیں۔

✽ مذہب اسلام کی دعوت دیجئے، کسی مسلک، یا خاص مذہبی نقطہ کی دعوت نہیں، جیسے بعض توحید و رسالت سے زیادہ رفع یدین، اللہ کہاں ہیں وغیرہ کو ترجیح دیتے ہیں۔
✽ خاموش طریقے سے افرادی سطح پر کام کیجئے، اشتہار بازی اور مارکیٹنگ پر زیادہ، صلاحیت مت لگائیے۔

✽ دوسری دینی، ملی، رفاہی، تنظیموں سے ضرور مدد لیجئے۔
✽ اُس نومسلم کو کسی ربانی عالم دین کی رہبری میں کام کرنے کے لیے کہیے، جو نکاح، اولاد، خاندان اور والدین کی ذہن سازی کے مراحل قرآن وحدیث کا گہرا علم اور طویل تجربہ پائے ہیں۔

✽ آخرت کی بنیاد پر مذہب اسلام قبول کرنے والا زیادہ مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔
✽ قرآنی طرز استدلال کو اپنائے، مطالعہ قرآنی داعی کا توشہ ہے۔
✽ دعوت اسلام کا کام کرتے ہوئے اپنی تحقیق کے مکاشفات اور ذاتی اجتہادات کے ذریعہ فتنہ میں نہ ڈالیں بلکہ علماء امت کی مسلمہ و متواتر تشریحات ہی پیش کریں۔

✽ بین مذاہب مذاکرات سنجیدہ، علمی ماحول میں ہونا چاہئے لیکن اسلام ہی آخری

وسچا مذہب ہے اور رسول اللہ ﷺ ہی انبیاء میں سب سے افضل ہیں، ان عقیدوں سے دستبرداری کا مطالبہ ہرگز کسی حال میں قبول نہیں۔

❖ فقہیات، سیاسیات اور فروعی اختلاف میں رائے زنی نہ کریں یہ کام مفتیان کرام کے حوالہ کر دیں۔



مسلمانوں کے درمیان دعوت و اصلاح

”راقم الحروف نے آج سے تقریباً دس سال پہلے ۱۰ رجب المرجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۴ جولائی ۲۰۰۹ء، دوسرا ایڈیشن ۹ جمادی الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲ اپریل ۲۰۱۳ء ۴۸۵ صفحات پر مشتمل تقریظات کے ساتھ ”تبلیغی جماعت اور کتب فضائل - حقائق، غلط فہمیاں“ نامی کتاب طبع کی، اسی کا ایک حصہ ”مستورات کی جماعتیں فقہ و فتاویٰ کی روشنی میں“ علیحدہ چھپ رہا ہے، جس سے اہل دعوت کو کافی فائدہ ہوا، مخالفین کی طرف سے کئے جانے والے پیرو پیگنڈوں پر علمی ضرب پڑی، اس عالمی اور عمومی محنت پر (جو مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے شروع فرمائی تھی) تشکیل نو وہ سلیم الطبع اذہان کو تشفی بخشنے میں حصہ لگا، ذیل میں ان فکری و عملی بے اعتدالیوں پر کتب اکابر کی روشنی میں نشان دہی کی گئی، جس کا نفاذ فی الفور اور ارباب علم و دانش اور ذمہ داران جماعت کو اولین ترجیح دے کر کرنا چاہئے، عامیّت، سطحیّت کے ساتھ داخلی اصلاح کو نظر انداز کرنا کسی بھی تحریک کو ختم کر ہی دیتا ہے، یا امت مسلمہ کے لیے ایک نئی گمراہی کا مقابلہ درپیش آجاتا ہے، کسی بھی جماعت کا اپنے آپ کو راہنہ فی العلم سے بے نیاز رکھنا یا محتاج اصلاح نہ سمجھنا اجتماعی تکبر، خود فریبی اور علامت زوال کے سوا کچھ بھی نہیں۔“

دعوت و تبلیغ کی شرعی حیثیت

تبلیغ دین ہر زمانہ میں فرض ہے، اس زمانہ میں بھی فرض ہے لیکن فرض علی

الکفایۃ ہے، جہاں جتنی ضرورت ہو اسی قدر اس کی اہمیت ہوگی، اور جس جس میں جیسی اہلیت ہو اس کے حق میں اسی قدر ذمہ داری ہوگی، امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی صراحت قرآن پاک میں ہے سب سے بڑا معروف ایمان ہے اور سب سے بڑا منکر کفر ہے، ہر مؤمن اپنی اپنی حیثیت کے موافق مکلف ہے کہ خدائے پاک کے نازل فرمائے ہوئے دین کو حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے موافق پہنچاتا رہے۔ (۱)

فتاویٰ حقانیہ میں مذکور ہے: تبلیغ دین فرض کفایہ ہے۔ خلق خدا کو اوامر کی دعوت دینا اور نواہی سے منع کرنا شرعاً فرض کفایہ ہے جو کہ بعض کے انجام دینے سے کل کا انجام فارغ ہو جاتا ہے، فرض عین کی رائے رکھنا خطا پر محمول ہے تاہم اپنے آپ کو ذائل سے پاک کرنا فرض عین ہے۔ (۲)

کفایت المفتی میں مذکور ہے: تبلیغ فرض کفایہ ہے، فرض عین تو نہیں ہے مگر فرض کفایہ میں شبہ نہیں۔ (۳)

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس تبلیغ دین فرض کفایہ ہے، اور فرض کفایہ کا حکم یہ ہے کہ اگر بعض لوگ کر لیں تو باقی سے ساقط ہو جائے گا، اور اگر کوئی نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے، مگر مروجہ شکل اور مروجہ ترتیب سے کرنا نہ فرض کفایہ ہے نہ واجب و سنت ہے، البتہ مروجہ ترتیب دیگر نئی ترتیبوں بمقابلہ نافع ضرور ہے، اگر کوئی اس ترتیب سے جڑ کر کام کرے تو بہت مبارک اور اگر کوئی کسی دوسری تنظیم و جماعت کے ساتھ مل کر اپنی ترتیب سے تبلیغ دین کی محنت میں لگا ہے تو وہ بھی مستحسن ہے، کیونکہ تبلیغ دین کی کوئی نوعیت منصوص نہیں ہے، تمام شکلیں مجتہد فیہ و تجرباتی ہیں، مجتہد فیہ شکل کو منصوص شکل کے درجہ میں رکھ کر اس پر فرض کفایہ کا اطلاق کرنا محل نظر و قابل اصلاح ہے،

(۱) فتاویٰ محمودیہ: ۱۷/۲۴۶

(۲) فتاویٰ حقانیہ: ۲/۴۳۸

(۳) کفایت المفتی: ۲/۳۴

ورنہ ہر تنظیم اپنی طے شدہ نظام سے ہٹ کر کام کرنے والوں پر گنہگار، گمراہ وغیرہ کے القاب سے نوازے گی جو شرعاً درست نہیں ہے، نیز یہ ضروری ہے کہ تبلیغ دین کی ہر شکل کا احترام کیا جائے، اہل حق علماء کی نگرانی میں کام کرنے والی کوئی تنظیم کفر کی تبلیغ نہیں کر رہی ہے، بلکہ اپنے دائرہ میں وہ دین ہی کی تبلیغ کر رہی ہے۔

جماعت میں جانا فرض ہے یا واجب یا سنت؟

دین سیکھنے اور سکھانے کے مختلف طریقے اس دور میں رائج ہیں، ان میں ایک طریقہ دعوت و تبلیغ بھی ہے، بریں بناء یہ طریقہ فرض کفایہ کے من جملہ طریقوں میں شامل ہے، اپنے مسلمان بھائیوں کو اچھی باتوں کی دعوت دینا اور برائیوں سے روکنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، اور جو شخص بھی تقریراً تحریراً انفرادی یا اجتماعی طور پر کام انجام دے وہ اپنی ذمہ داری پوری کرنے والا کہلائے گا، اس کے لئے کسی خاص جماعت میں شرکت کر کے ہی کام کرنا شرعاً واجب یا فرض نہیں ہے، اور نہ ہی چالیس دن وغیرہ کی ترتیب لازم ہے (لیکن موجودہ احوال اور تجربہ پر نظر کرتے ہوئے اسے مستحب کہا جاسکتا ہے) اور سفر کر کے جانا بھی ضروری نہیں ہے؛ بلکہ اپنے مقام پر رہتے ہوئے بھی یہ کام کیا جاسکتا ہے، لیکن تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ جب تک آدمی اپنے دنیوی مشاغل کو چھوڑ کر دین کی فکر کرنے کے لئے اپنے کو فارغ نہ کرے، اس وقت تک اس میں اصلاح کا حقیقی جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اور تبلیغی جماعت میں چالیس دن یا تین دن وغیرہ کی جو ترتیب ہے، وہ دوسروں کو سکھانے کے لئے نہیں؛ بلکہ خود سیکھنے کے لئے ہے، اور اس مقدار کی تعیین شریعت کے کسی حکم کے طور پر نہیں کی گئی؛ بلکہ تجربہ کی روشنی میں اسے متعین کیا گیا ہے، اس لئے اس پر نیکر نہیں کی جاسکتی۔ (۱)

مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں ”جماعت میں جانا فرض یا واجب تو نہیں ہے؛ لیکن ہر مسلمان پر اپنی عبادت کا صحیح کرنا لازم ہے اور ہر ایک اصلاح کا

محتاج ہے، نیز علم دین کا بقدر ضرورت سیکھنا لازم ہے، جس کے ذریعہ سے اللہ کی عبادت صحیح طور پر کی جاسکے، جماعت میں جانے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ کم پڑھے لکھے مسلمان آسانی کے ساتھ اپنی عبادت صحیح کرنے کا طریقہ سیکھ لیں اور ساتھ ساتھ اس کی مشق کریں اور اس میں صرف دین کی باتیں سیکھنے سکھانے کا مشغلہ رہتا ہے۔ اور جماعت میں جا کر کم و بیش وقت لگا کر عبادات کو درست کرنا اور کچھ دین کی باتیں سیکھنا بہت آسان ہے؛ اس لئے جس کو بھی موقع ملے جماعت میں جا کر عبادات کو درست کر لینا اور دین کی باتیں سیکھ لینا چاہئے۔ اور یہ حکم قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ (۱)

کیا تبلیغ علم سیکھنے سے زیادہ ضروری ہے؟

بعض لوگوں کا گمان ہے کہ ”بغیر تبلیغ کے ایمان مکمل نہیں ہوتا، تبلیغ علم حاصل کرنے سے زیادہ ضروری ہے“ دعوت الی الخیر کی محنت جو ”تبلیغی جماعت“ کے نام سے سارے عالم میں جاری ہے، اس کے اصول و ضوابط اور طریقہ کار پر شرعی اعتبار سے کوئی اشکال نہیں ہے، مگر کسی کارِ خیر کو اس طرح پیش کرنا کہ دوسرے کارِ خیر کی تحقیر ہو جائے درست نہیں ہے، مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں: ہر مسلمان پر اپنے دائرہ اثر میں دین کی محنت ضروری ہے؛ لیکن اس کے لئے مروجہ تبلیغی جماعت میں شرکت ضروری نہیں، اور تبلیغ اور تعلیم میں کوئی تضاد نہیں ہے، دونوں کام ایک ساتھ کئے جاسکتے ہیں، اور ایمان کا مدار تبلیغ میں جانے پر نہیں ہے، تعلیم کا کام بھی اپنی جگہ نہایت اہم ہے۔ (۲)

کیا تبلیغ میں جانے کا ثواب ۷ لاکھ گنا ہے؟

تبلیغی جماعت کے بعض مقررین کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ ”جماعت میں نکلنے کے بعد ایک نماز کا ثواب ۷ لاکھ نمازوں کے برابر ملتا ہے“ ایک بار سبحان اللہ کہنے پر ۷ لاکھ بار سبحان اللہ کہنے کا ثواب ملتا ہے، ایک روزہ رکھنے پر ۷ لاکھ روزے رکھنے کا

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۴/۳۲۹

(۲) مستفاد: احسن الفتاویٰ: ۱/۴۰۱

ثواب ملتا ہے، اس سلسلہ میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ”ایک عمل پر ۷ لاکھ گنا کا ثواب کا وعدہ دراصل مجاہد فی سبیل اللہ کے لئے ہے، تبلیغی جماعت میں جانے والے لوگ اس میں داخل نہیں ہیں۔ (۱) باقی اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے عطا فرمادے تو کوئی بعید بھی نہیں ہے۔ (۲) اس لئے برملا اس طرح بیان نہیں کرنا چاہئے۔

”من أرسل نفقة في سبيل الله، وأقام في بيته فله بكل درهم سبع مائة درهم، ومن غزا بنفسه في سبيل الله وأنفق في وجهه ذلك فله بكل درهم سبع مائة ألف درهم، ثم تلا هذه الآية: والله يضاعف لمن يشاء“۔ (۳)

مفتی شبیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ”یہ حدیث شریف دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے نکلنے کے لئے ہے؛ لیکن بعض لوگوں نے اہل مدارس اور تبلیغی جماعت میں نکلنے والوں کے بارے میں بھی فرمایا ہے“۔ (۴)

جماعت میں نکلنا انبیاء کرام والا کام ہے؟

حضرت مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

”دعوت کی دو قسمیں ہیں: ① دعوت ایمان یعنی غیر مسلموں کو ایمان کی دعوت پیش کرنا، یہ دعوت ایمان ہے۔ ② دعوت اصلاح: یعنی مسلمانوں کو اصلاح کی دعوت پیش کرنا، فرائض و واجبات، سنن و نوافل پر عمل کرنے کا عادی بننے، جنت کی بشارت اور جہنم سے

(۱) مستفاد: تحفۃ الامعی ۴/ ۵۶۴

(۲) فتاویٰ محمودیہ ۴/ ۳۰۰ ڈابھیل

(۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد / باب فضل النفقة في سبيل الله، رقم: ۲۷۱، مشکوٰۃ شریف ۲/ ۳۳۵، الترغیب والترہیب مکمل، ۲۹۰ رقم: ۱۹۹۰ بیروت

(۴) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم: ۱۲ / ۲۴۳، جدید ڈابھیل: ۴/ ۲۹۹، ۳۰۰، بحوالہ فتاویٰ قاسمیہ:

ڈرنے کی دعوت دینا یہ دعوت اصلاح ہے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نے ایمان اور اصلاح دونوں کی دعوت پیش کی ہے۔ اور تبلیغی جماعت والے دعوت اصلاح کو لے کر گلی کوچوں میں پھرتے ہیں؛ کیوں کہ دعوت اصلاح بھی نبیوں کا کام تھا؛ اس لئے تبلیغ والوں کا یہ کہنا کہ ہم نبیوں والا کام کرتے ہیں صحیح اور درست ہے۔ اور ان کا یہ کہنا کہ ہم ایمان کی دعوت دیتے ہیں، یہ بھی درست ہے؛ اس لئے کہ ایمان کی دعوت سے ایمان میں ترقی اور زیادتی پیدا کرنے کی دعوت مراد ہے۔ اور حدیث شریف میں ایمان میں زیادتی اور ترقی پیدا کرنے کو بھی ایمان کہا گیا ہے؛ اس لئے اس پر کوئی اشکال نہیں ہے۔ (۱)

البتہ مروجہ تبلیغ کے کام کو اس انداز سے پیش کرنا کہ نبیوں والا کام صرف اور صرف اپنی صحیح شکل میں مکمل طور پر تبلیغی جماعت کا ہی کام ہے، اس کے علاوہ سب کام شکل بدل کر ہیں، تو یہ عقلاً و نقلاً محل نظر ہے، کوئی حدیث ایسی جس میں چلہ، چار ماہ، گشت کی مروجہ شکل، ایک امیر دوسرا متکلم تیسرا رہبر، مسجد میں درمیانی بات ہو رہی تھی، دو نمازوں کے درمیان کا وقت فارغ کیا جا رہا تھا، گشت میں فلاں فلاں بات کی جاتی تھی، موضوع درجہ کی بھی نہیں ملی، عقلاً بھی غلط اس وجہ سے ہے کہ انبیاء گشت کی شکل میں کن کن سے ملاقات کے لئے جاتے تھے مسلمانوں سے یا غیر مسلموں سے؟ انبیاء کی ملاقات کس کے مشورہ سے ہوتی تھی؟ (العیاذ باللہ) ملاقات کا کونسا وقت تھا؟ کون کون افراد ساتھ ہوتے تھے؟ بالکل اسی نہج پر کام ہو رہا ہے؟ یہ وہی بنیادی غلطی ہے کہ غیر منصوص کو منصوص کا درجہ دینا، اپنے طریقہ کار میں ہی ہدایت کو منحصر کر دینا ہے، حضرت مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ:

”جماعت جو کام کرتی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کے کئے ہوئے کاموں میں سے ایک ہے، اس حد تک یہ بات صحیح ہے؛ لیکن اگر کوئی جاہل یہ کہے کہ انبیاء والا کام تو صرف تبلیغی جماعت ہی ہے تو یہ بات بلاشبہ غلط ہوگی“۔ (۱)

طلبہ کا جماعت میں شرکت کرنا فتنہ کا باعث ہے؟

مدرسہ کے طلبہ خارجی وقت مثلاً جمعرات کی شام تا جمعہ تبلیغ میں جانا، ساتھ میں حسب سہولت اساتذہ کا بھی ساتھ ہو جانا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، بلکہ عمدہ ترتیب ہے، البتہ مدرسہ کا تعلیمی سلسلہ موقوف کر کے اساتذہ و طلبہ کو ہر ماہ تین دن جماعت میں جانا، یا دوران تعلیم معلمین و متعلمین کی تشکیل کر کے مدرسہ کی تعلیم کو موقوف کر کے جماعت میں نکلنے کی ترغیب دینا قابل اصلاح عمل ہے، مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ”تبلیغی جماعت اہل حق کی جماعت ہے، اس کے بانی اکابر علماء رہے ہیں، جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت میں وقف کر دی ہیں، اور اس جماعت کی محنت سے اسلام اور اہل اسلام کو مسلسل فائدہ پہنچ رہا ہے؛ لہذا تعلیم سے فارغ اوقات میں اگر مدارس کے طلبہ اس محنت میں لگیں، تو یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے، اور جو لوگ اس میں شرکت کو تفرقہ کا باعث سمجھتے ہیں یا تفرقہ کو ہوا دیتے ہیں، وہ حق پر نہیں ہیں، تبلیغی جماعت میں شرکت کو فتنہ سے تعبیر کرنا بجائے خود فتنہ میں مبتلا ہونے کی دلیل ہے، اس شرکت کو کسی ملازم کی برخواستی کی وجہ بنانا بے بنیاد ہے، یہ صحیح ہے کہ کسی جانب بھی غلو اور تشدد نہ ہونا چاہئے؛ لیکن اس کی وجہ سے کسی دینی کام ہی کو موجب عناد بنالینا صحیح نہیں ہے۔ (۲)

ایک اور سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: ”دعوت و تبلیغ اور تعلیم و تدریس دونوں

(۱) کتاب النوازل: ۲/۳۶۲

(۲) فتاویٰ محمودیہ میرٹھ: ۵/۱۰۲، کتاب النوازل: ۲/۳۶۳

کام اپنی اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتے ہیں، اور امت کو دونوں کی یکساں ضرورت ہے؛ اس لئے دونوں کاموں کو ایک دوسرے کے مقابل رکھنے کے بجائے ایسی حکمت عملی اپنانے کی ضرورت ہے کہ دعوت و تبلیغ کا کام بھی ہوتا رہے، اور تعلیم و تعلم پر بھی اثر نہ پڑے، اس کی شکل یہ ہو سکتی ہے کہ تعلیم موقوف نہ کی جائے؛ بلکہ اساتذہ و طلبہ کی باری مقرر کردی جائے، ہر ماہ کچھ اساتذہ اور طلبہ مدرسہ میں رہیں اور کچھ اساتذہ و طلبہ تبلیغ میں چلے جائیں، اور جماعت میں جانے والے اساتذہ کا مدرسہ کے نظام کے تحت تبلیغ میں جانا مدرسہ ہی کا کام سمجھا جائے گا، اور ان اوقات کی تنخواہ مدرسہ سے لینا درست ہوگا۔

”قال النبي عليه السلام: المسلمون على شروطهم إلا

شرطا حرم حلالاً، أو أحل حراماً۔ (۱)

رمضان میں تبلیغ میں جانا بہتر ہے یا ترتیب سے قرآن سننا؟

کوشش یہی کریں کہ قرآن سننے کی سنت فوت نہ ہو، اگر فوت ہونا یقینی ہے یا غالب گمان ہے تو پھر قرآن سننے کو ہی ترجیح دینا چاہئے کیونکہ تبلیغ کے لیے سال کے ۱۱ مہینے موجود ہیں جبکہ قرآن تراویح میں سننے کا موقع صرف رمضان میں ہے، تراویح کی برکت سے ایک قرآن مکمل سننا بھی سنت ہے۔ ”السنة في التراويح إنما هو الختم مرة، والختم مرتين فضيلة، والختم ثلاث مرات أفضل“۔ (۲) اور قاعدہ ہے کہ جس مامور بہ کے لیے وقت موسع ہو اس کا فوری کرنا ضروری نہیں جیسے زکاۃ کی ادائیگی، اور جس مامور بہ کا وقت مقید ہو اس کا وقت میں ادا کرنا ضروری ہے جیسے نماز، مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں ”تبلیغ بھی اہم ہے اور قرآن سننا بھی اہم ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ تبلیغ والے اپنے ساتھ ایک حافظ کو

(۱) سنن الترمذی: ۱/۲۵۱، کتاب النوازل: ۳۷۶/۲

(۲) فتاویٰ ہندیہ: ۱/۱۷۷

رکھیں جو ہر جگہ ان کی ترتیب کے اعتبار سے انہیں تراویح پڑھائے، یا پھر ایک جگہ پورا قرآن کریم سن کر تبلیغ میں جائیں۔“

تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهُوَ أَشَدُّ تَفَصُّيًا
مِنَ الْإِبِلِ فِي عُقْلِهَا۔ (۱)

ائمہ کرام پر جماعت میں جانے کے لئے زور ڈالنا؟

مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں ”تبلیغی جماعت میں اس کے ضابطہ کے مطابق وقت لگانے کی کوئی خاص ایسی صورت ایسا فرض نہیں ہے کہ اس کے ترک پر آخرت میں مؤاخذہ ہو؛ بلکہ مجموعی طور پر دین کی تمام صحیح محنتیں خواہ امامت کی شکل میں ہوں یا تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف کی شکل میں ہوں، یہ سب دین کے واجبی شعبوں میں داخل ہیں، اور ان میں مشغول حضرات عند اللہ عظیم اجر و ثواب کے مستحق ہیں؛ لہذا جن حضرات کے جماعت میں وقت لگانے سے دین کے کسی دوسرے شعبہ کا نقصان ہوتا ہو، ان کو جماعت میں نکلنے پر مجبور کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ امام اور معلم وغیرہ کے لئے مناسب ہے کہ وہ تعطیل کے ایام میں حسب سہولت تبلیغی جماعت میں کچھ وقت لگا دیا کریں؛ تاکہ ان کی اصلاح ہو اور دینی فکر مندی میں اضافہ ہو۔ (۲)

اور جماعت کے احباب کو بھی چاہئے کہ امام صاحب کا وہی وقت لیں جس میں ان کے دینی کام کا حرج نہ ہو، جب ہم اپنی دنیا چھوڑ کر دین کے کام کے لیے جانے میں پس و پیش ہوتے ہیں تو یہ حضرات دینی کام چھوڑ کر کیسے چلیں گے، نیز تشکیل کرنے میں نامناسب جملہ استعمال نہ کریں جیسے جماعت میں ہر ماہ تین دن جانا ضروری ہے اس لئے

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأمر بتعهد القرآن رقم:

۷۹۱، کتاب النوازل: ۲/۳۶۴

(۲) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۴/۲۴۱ ڈابھیل، فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۲۱۸، بحوالہ کتاب النوازل: ۳۵۶

آپ بھی ہر ماہ تین دن کے لئے جماعت میں چلو اگر نہیں جاؤ گے تو قیامت میں حضرات صحابہ کو کیا منہ دکھاؤ گے، انہوں نے تو پوری زندگی اللہ کی راہ میں گزار دیا، اور تم عالم ہو کر جماعت میں نہیں جاتے ہو، یا ”آپ تو صرف چند بچوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، جماعت میں جا کر دعوت دینا تو نبیوں والا عمل ہے، اور یہی افضل ہے“ اس طرح کے جملوں سے جوڑ کے بجائے توڑ پیدا ہو جاتا ہے، عام آدمی کی جس طرح منت سماجت کی جاتی ہے اس سے کہیں زیادہ ان حضرات کی منت سماجت کرنی چاہئے، کیونکہ عام آدمی کا نکلنا اس کی اپنی اصلاح کے لیے ہے اور ان حضرات کے ہم لوگ زیادہ محتاج ہیں کہ ان سے کچھ قرآن و مسائل وغیرہ سیکھ لیں۔

علاج کو بہانہ بنا کر جماعت میں چھٹی سے زائد وقت لگانا؟

اگر کوئی شخص پرائیویٹ کمپنی یا سرکاری ملازم ہو، کمپنی سے کچھ چھٹیاں لے کر تبلیغی جماعت میں چلے کے لیے جائے تو جتنی چھٹی لے اتنے ہی دن لگائے، چھٹی سے زائد وقت لگا کر زائد دنوں کا میڈیکل سرٹیفکیٹ داخل کر دینا کہ بیمار تھا، اور علاج کر رہا تھا، اور بیماری اور علاج کو روحانی بیماری اور روحانی علاج مراد لینا شرعاً درست نہیں ہے، مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں ”تبلیغی جماعت میں جانا ایک کار خیر ہے اس کو انجام دینے کے لئے جھوٹی بہانہ بازی جائز نہیں ہے، بیماری کی رخصت ایسی جسمانی بیماریوں کے ساتھ خاص ہے، جس کی وجہ سے گورنمنٹ کی ڈیوٹی ادا نہ کی جاسکے، روحانی بیماریاں اس میں داخل نہیں ہیں: لہذا رخصت لیتے وقت روحانی بیماری مراد لینا استحقاق رخصت کا موجب نہ ہوگا؛ بلکہ دھوکہ دہی کی ایک شکل ہوگی، اس سے بہر حال احتراز لازم ہے۔“ ”من غشنا فلیس منا، والمکر، والخداع فی النار۔ (۱)

(۱) رواہ الطبرانی فی الکبیر والصغیر: ۱/۲۶۱، وابن حبان فی صحیحہ رقم: ۵۵۳۳، الترغیب والترہیب ۴۰۰ رقم ۲۷۴۲ بیروت، مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳۸/۳، بحوالہ: کتاب النوازل ۲: ۳۶۷۔

دعوت و تبلیغ کے ساتھ تزکیہ نفس اور تعلیم و تعلم کو حقیر جاننا؟

تعلیم و تعلم (۱)، تزکیہ نفس، دعوت و تبلیغ اور درس قرآن وغیرہ اعمال سب اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں، ان میں سے کسی ایک کام کو اہم سمجھ کر دوسرے کی تحقیر کرنا اور اس میں حصہ لینے سے منع کرنا محض جہالت اور غلو پر مبنی ہے، سوال میں جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ قابل تشویش اور لائق اصلاح ہیں، ایسے لوگوں سے محاذ آرائی کے بجائے حکمت عملی کے ساتھ مثبت انداز میں افہام و تفہیم اور اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، اور ایسا ماحول بنانا چاہئے کہ دین کے سبھی شعبوں کی قدر و قیمت عوام و خواص کے دلوں میں قائم ہو، اور ایک دوسرے کی تحقیر کا سلسلہ بند ہو جائے۔ (۲)

(۱) حضرت مفتی اعظم فقہ الامت مولانا مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ اس سوال کے جواب میں کہ ایک صاحب تبلیغی جماعت میں جانے کو فرض عین کہتے ہیں تحریر فرماتے ہیں ”اصل یہ ہے کہ دین سیکھنا فرض عین ہے، اس میں ایک صورت مدارس میں پڑھنا ہے اور ایک صورت تبلیغ میں جانا ہے اور بھی صورتیں ہیں، میوات کے لوگوں کو بتایا گیا تھا کہ دین سیکھنا فرض ہے اس لیے یا مدارس قائم کرو یا دوسری صورت اختیار کرو اگر تم دوسری کوئی صورت اختیار نہیں کر سکتے تو متعین طور پر تبلیغ میں ہی نکلو! اس لیے وہاں یہی کہہ کر لوگ نکلتے ہیں کہ دین سیکھنے کے لئے چلو اتنی بات میں اختلاف نہیں (فتاویٰ محمودیہ: ۱/ ۵۳، محمود الفتاویٰ ۲/ ۲۱۴)

مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم (گجرات) کی یہ تنبیہ بھی بہت ضروری معلوم ہوتی ہے ”ایک بات یاد رہے کہ دین کے ہر شعبے میں کام کرنے والے افراد میں اس شعبے کے کام کا غلبہ ہونا ضروری ہے، مراکز علوم دینیہ (مدارس) میں تعلیم و تعلم کا غلبہ ہونا ضروری ہے مراکز تزکیہ باطن میں مجالس ذکر اور اعمال تزکیہ و مجاہدات کا غلبہ اور مراکز دعوت و تبلیغ میں دعوت و تبلیغ کے کام کا غلبہ ہونا چاہیے تو انشاء اللہ یہ سارے کام آگے بڑھیں گے اور کسی پر کسی کام کا غلبہ ان اعمال کی محدودیت کے ساتھ مطلوب ہیں تاکہ کام خوب آگے بڑھے، اگر کوئی اپنی کج فہمی سے کہیں دینی کام کی تنقیص یا تردید کرتا ہے یا دوسرے کام کی تحقیر کرتا ہے تو اسے غلبہ نہیں کہا جائے گا بلکہ غلو کہا جائے گا اور دین میں غلو مذموم اور مردود ہے، اگر مدارس والے ذکر و اذکار اور دعوت و تبلیغ کی تنقیص کریں یا خانقاہوں میں دعوت و تبلیغ تعلیم و تعلم کی تنقیص و تحقیر کریں تو بالیقین ان کا یہ طرز فکر عمل مذموم اور قابل مذمت ہے (محمود الفتاویٰ ۲/ ۲۱۶)۔

(۲) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ: ۴/ ۲۴۲، ڈیجیٹل، دعوت فکر و عمل ۲۱۹، تبلیغی جماعت؛ حقائق اور غلط فہمیاں

لہذا:

① اگر کوئی کام کرنے والا ساتھی دعوت کے سارے اعمال کو پورا کرتے ہوئے ذکر کی مجلس میں شریک ہوتا ہے تو اس کو منع کرنا، نہ ماننے پر اس سے نفرت کرنا، ذکر کی مجلس سے روکنا، نفرت کا اظہار کرنا مناسب نہیں ہے۔

② مساجد میں ہفتہ واری درس قرآن میں جماعت کے اکثر ذمہ دار اور فعال ساتھیوں کا بلاعذر کبھی بھی شریک نہ ہونا بلکہ دوسروں کو بھی شرکت سے منع کرنا یا مزید برآں مسجد کے اندرونی حصہ میں درس قرآن کے وقت صحن میں بیٹھے مشورہ یا تعلیم کرتے رہنا جو سراسر درس قرآن کی مخالفت پر غمازی کرتا ہو یا نامناسب جملہ کہنا جیسے کسی نے تفسیر معارف القرآن دیکھ کر کہا ”دیکھئے یہ بھی ایک لعنت ہے، جو مسجد میں گھسی ہوئی، بس یہی پڑھو فضائل اعمال“ اس طرح کی نادانی درست نہیں ہے۔

③ اگر کوئی ساتھی محلہ کے امام صاحب سے تعلق قائم کر کے اپنا قرآن تجوید درست کر رہا ہو تو اسے منع نہ کرے، یا اس کی تعلیم کے وقت اسے ملاقات پر لے جانے کا اصرار نہ کرے، اس کی تعلیم کو کام میں سستی کا سبب شمار نہ کرے لہذا اگر کوئی شخص اعمال دعوت کے ساتھ میں کسی شیخ کامل سے اپنا اصلاحی تعلق قائم رکھتا ہے، ذکر کرتا ہے یا ناظرہ قرآن یا تجوید سیکھنے میں وقت لگاتا ہے یا درس قرآن میں بیٹھتا ہے، یا کسی حقانی عالم یا مشائخ کی قرآن کی مجلس میں شرکت کرتا ہے، تو اس کو دعوت کے کام میں سستی کا ذریعہ نہ سمجھے۔

④ یہ تصور کرنا کہ علماء کرام اپنی صلاحیت قوم کے ان معصوم بچوں پر صرف کرتے ہیں، جن پر نماز روزہ بھی فرض نہیں ہے، جب کہ امت کے بے شمار افراد بغیر نماز روزہ کے دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں، اس وجہ سے دعوت و تبلیغ کا کام درس و تدریس سے افضل ہے، غلط اور غلو پر مشتمل نظریہ ہے، کسی نے حضرت مفتی

سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم سے اس طرح کا سوال کیا کہ ”ایک تبلیغی شخص یہ کہتا ہے کہ دین کا کام صرف تبلیغی جماعت کر رہی ہے، مدارس کا کام دین کا کام نہیں ہے حتیٰ کہ اس کہنا کا ہے کہ جب تک علماء جماعت میں جا کر چالیس دن نہیں لگائیں گے اس وقت تک ان کا ایمان مکمل نہیں ہوگا، اسی طرح وہ تبلیغی نصاب پڑھنے کو لازم سمجھتا ہے اور جو لوگ نہیں پڑھتے انہیں حق سے منحرف گردانتا ہے، تو آیا اس کا یہ عقائد رکھنا اور خیر کو صرف تبلیغی جماعت کے لیے خاص کرنا کیسا ہے؟ آپ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ: ”تبلیغ، تعلیم و تدریس اور تصنیف و تالیف، اسی طرح ملی خدمات وغیرہ سب دین کے مختلف شعبے ہیں، اور ان سب شعبوں کا احیاء دینی ضرورت ہے، ان میں سے کسی ایک شعبہ کو اس طرح اہمیت دینا کہ دوسرے شعبوں کی تنقیص لازم آئے ہرگز درست نہیں؛ لہذا سوال میں جس تبلیغی شخص کے خیالات کا ذکر کیا گیا ہے وہ خیالات درست نہیں ہیں، بلکہ خود غرضی اور خواہشات پر مبنی ہیں اور خود اکابر تبلیغ کی صراحتوں کے خلاف ہیں؛ اس لئے اس شخص پر اپنے خیالات کی تصحیح لازم ہے۔ (۱)

مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

”اس وقت پوری دنیا میں عالمی سطح پر تبلیغ سے جو دینی فائدہ مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے، اس کی نظیر شاید اسلامی دنیا نے کبھی نہیں دیکھی ہے، اس میں صحیح اصول اور صحیح طریقہ سے جو کام کرنے والے ہیں، ان کو یہود و نصاریٰ جیسا بتلانا نہایت خطرناک ہے، مگر سوال نامہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ کا اس عالم سے زیادہ قرب ہے اور دونوں میں ذاتی رنجش کی بنا پر آپ سے ایسی بات کہی ہے، نیز

(۱) استفاد: کفایت المفتی: ۲۹۴/۹، فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل: ۲۴۱/۴ - ۲۴۲، کتاب النوازل:

اصلاح کے لئے تبلیغ کے علاوہ اور بھی بہت سے طریقے ہیں، جن کو اختیار کر کے ایک مسلمان بہترین دیندار بن سکتا ہے؛ اس لئے اصلاح کے واسطے صرف تبلیغ ہی میں لگنا ضروری اور لازم سمجھنا صحیح نہیں ہے؛ البتہ تبلیغ کا راستہ اس وقت اصلاح کے لئے بہت آسان راستہ ہے، مگر لازم یا واجب نہیں، نیز یہ بات نہایت ظلم اور حد سے تجاوز ہے کہ تبلیغ میں لگنے والے مدارس یا خانقاہ کی برائی کریں، یا مدارس و خانقاہ والے تبلیغ والوں کی برائی کریں، ہاں البتہ جو بات قابل اصلاح ہو اصلاح کے طریقہ سے اس کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، مدارس، خانقاہ، تبلیغی جماعت تینوں ہدایت اور اصلاح کی راہیں ہیں، تینوں کا احترام ضروری ہے۔ (۱)

ایک سائل نے پوچھا کہ ”کچھ حضرات کی زبان سے سننے کو یہ الفاظ ملتے رہتے ہیں: جماعت میں نکل کر دین سیکھو، دعوت کا کام کرو اور اپنا ایمان بچاؤ، علماء نے اپنی ذمہ داری نہیں سمجھی اس کام کو اپنا کام نہیں سمجھا، مدرسہ میں ہر وقت پڑے رہتے ہیں، اگر کوئی مقامی عالم اپنی دوسری مصروفیات کی وجہ سے ان کے ہمراہ نہیں ہوتے ہیں، تو ان سے بدگمانی کرنا وغیرہ کیسا ہے؟

آپ نے جواب میں تحریر فرمایا: ”جماعت میں جانے کا مقصد اصلاحِ نفس، اخلاصِ نیت اور شغلِ بذکر اللہ پیدا کرنا ہے اور اپنے اندر کے کبر و غرور، نفس کی خوش فہمی کو ختم کرنا ہے، ماشاء اللہ بہت سے لوگوں کو دیکھنے میں آیا ہے کہ جماعت میں جا کر کے عاجزی و انکساری بھی آگئی، نماز کے پابند بھی ہو گئے، لین دین اور معاملات بھی درست کر لیے، بہت سے شرابیوں نے شراب چھوڑ دی اور خرافات میں مبتلا ہونے والوں نے خرافات کو ترک کر دیا، بڑوں کا احترام اور علماء کرام کا اعزاز، نیز دینی مسائل میں ان کی

طرف رجوع کے عادی بھی بن گئے اور یہی جماعت میں جانے کا مقصد ہے؛ لیکن ہر اچھوں کے درمیان برے لوگ ہوتے ہیں، جو درحقیقت جماعتی نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے جماعت میں جانے سے ان کے حق میں کوئی فائدہ نہیں، نیز ایسے لوگ تبلیغی جماعت کو بدنام کرتے ہیں، جو مرکز نظام الدین کی ہدایات کی بر ملا مخالفت کرتے ہیں، مرکز کے ذمہ داروں کو ایسے لوگوں سے متعلق اطلاع کرنی چاہئے، تاکہ ان کی صحیح طور پر اصلاح کر دیں اور ان کے غلط رویہ پر روک لگائیں۔ (۱)

دوسرے فتویٰ میں لکھتے ہیں: ”جو شخص دوسرے طریقہ سے دین حاصل کرے اور اسے دوسروں تک پہنچائے، اسے تنگ نظری سے نہ دیکھیں اور جو علماء تدریس میں مشغول ہیں وہ ہرگز اپنا مبارک مشغلہ ترک نہ کریں۔ اور جو اہل علم تدریس کے مشاغل میں نہیں لگے ہوئے ہیں، ان کی ذمہ داری زیادہ ہے، وہ اس میں شرکت کریں اور اگر شادی شدہ حضرات کو ان کی ازواج (بیویاں) چار ماہ سے زیادہ جانے کی اجازت دے دیں تو وہ بھی جاسکتے ہیں۔ (۲)

ہر زمانہ میں اکابر نے اپنے اپنے طرز پر دعوت و تبلیغ کی محنت کی ہے، مفتی شبیر احمد صاحب لکھتے ہیں:

”ہمارے دیگر اکابر مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اپنے اعتبار سے جو تبلیغی اور علمی کام کیا ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا اور لاکھوں افراد اس سے مستفید ہو کر دنیا کے

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۴/۳۵۳

(۲) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم: ۱۴/۱۰۹، ایضاً: ۱۷/۴۳۲، جدید ڈائجیل: ۴/۲۱۳، ۱۸/۵۹۱،

گوشہ گوشہ میں دین کی خدمت کر رہے ہیں، نیز حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی خانقاہ میں بیٹھ کر تصنیف و تالیف، بیعت و ارشاد، معروف کی ترغیب اور منکر پر نکیر فرمایا کرتے تھے، وہ بھی تبلیغ دین کی ایک شکل ہے؛ اس لئے ان میں سے کسی بھی شکل کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں کہ فلاں شکل سنت سے ثابت ہے اور فلاں شکل سنت سے ثابت نہیں؛ بلکہ سبھی تبلیغ دین ہیں، نوعیت الگ ہے، اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تبلیغی جماعت کی شکل میں جو نظام بنایا ہے، جس کے ذریعہ لاکھوں مسلمان راہ راست اور شریعت کے پیروکار بنے، وہ بھی تبلیغ دین کی ایک شکل ہے، چنانچہ یہی طریقہ آج عوام میں دینی خدمت کا ذریعہ بنا، غرض یہ کہ ہمارے سبھی اکابر نے دین کی تبلیغ کی ہے، چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو، حضرت قاری صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو باقاعدہ اجتماعات میں شریک ہوا کرتے تھے اور تقریریں کرتے تھے، چنانچہ جب آس پاس کے گاؤں، دیہات کے لوگ مرتد ہوئے جارہے تھے، تو آپ نے اسی تبلیغ کے راستہ سے جس کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے قائم فرمایا تھا، لوگوں کو ارتداد سے روکا اور دین و شریعت کا راستہ دکھایا اور احقر (مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم) خود بھی متعدد بار حضرت قاری صدیق احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی معیت میں آس پاس کے دیہات میں نصف یوم سے دوسرے دن صبح تک کے لئے جماعت میں جا چکا ہے؛ اور سبھی اکابر نے اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے دین کی تبلیغ و اشاعت میں بھرپور حصہ لیا ہے۔ اور ہر ایک اپنی اپنی جگہ دین کی تبلیغ ہے۔“ (۱)

فضائل اعمال کتاب کا درجہ کیا ہے؟

فضائل اعمال تو ایک ترغیبی کتاب ہے جس کو پڑھنے اور سیکھنے سے عبادات کی طرف رغبت اور دین سیکھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، وہ تمام احادیث کا خلاصہ نہیں ہے، لیکن اس میں آسان اور موثر انداز میں دین کی بنیادی اصلاحی معلومات جمع کر دی گئی ہیں، البتہ مسائل سے اس میں زیادہ تعرض نہیں کیا گیا ہے، اس لئے جب مسئلہ کی بات آئے تو دیگر معتبر کتابوں یا علماء و مفتیان کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ (۱)

مفتی شبیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ”اس کو اس قدر اہتمام کے ساتھ اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس کے مضامین عوام الناس اور ان پڑھوں کے ذہن سے زیادہ قریب ہیں، ہر کس و نا کس آسانی سے سمجھ لیتا ہے، فقہ اور اس کے مسئلے مسائل کے مضامین بہر حال اس کے مضامین سے زیادہ افضل ہیں اور اس کا سیکھنا سکھانا بھی زیادہ اہم ہے؛ لیکن فقہ کے ہر مضمون اور ہر مسئلہ کو ہر کس و نا کس آسانی نہیں سمجھ سکتا؛ بلکہ اس کو سمجھنے کے لئے یا تو اہل علم ہونا چاہئے، یا پڑھے لکھے، زیادہ سمجھ دار لوگ ہونے چاہئے؛ اس لئے فقہ کی کتاب یا اعلیٰ مضمون کی علمی کتاب مسجد کے اندر عوام الناس کے سامنے پڑھنے پڑھانے کا اہتمام نہیں ہے، اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ فضائل اعمال ہی سب کچھ ہے اور دوسری مسئلے مسائل کی کتابیں کچھ نہیں ہیں اور نہ تبلیغ والے ایسا سمجھتے ہیں، ہاں البتہ اگر کسی مسجد میں مسئلہ مسائل کا سلسلہ شروع ہو جائے اور فضائل اعمال کا سلسلہ بھی چلتا رہے تو زیادہ اچھا ہے، ایک کا دوسرے سے معارضہ نہ کیا جائے، تاہم اگر کوئی شخص تبلیغی جماعت سے منسلک ہونے کے بعد صرف فضائل اعمال ہی کو سب سے اعلیٰ کتاب سمجھ لیتا ہے اور فضائل اعمال کی تعلیم کے ساتھ کسی وقت مسئلہ مسائل کی کتاب پڑھنے کو معیوب سمجھتا ہے، تو یہ اس شخص کی اپنی ذاتی غلطی ہے، اس کی اصلاح کی ضرورت ہے، اور اصلاح کے لئے حکمت عملی کا راستہ اختیار کرنا چاہئے، معارضہ سے اصلاح نہیں ہوتی،

نیز اس کی اس ذاتی غلطی کا ذمہ دار تبلیغی جماعت کے پورے مکتب فکر کو نہیں بنایا جاسکتا اور نہ اس کی وجہ سے پورے مکتب فکر پر الزام رکھا جاسکتا ہے، ہاں البتہ مکتب فکر کے ذمہ داروں کو اس کی اس طرح کی غلطی کی اطلاع کی جاسکتی ہے، تاکہ وہ لوگ بھی ایسے شخص کو متنبہ کر دیں۔ (۱)

خلاصہ یہ ہے کہ فضائل اعمال یا منتخب احادیث (فریقین کے حالیہ اختلافات کے تناظر میں) ایک جماعت کی نصابی کتاب ہے جس کی تاثیر و افادیت سے انکار نہیں، لیکن وہ کچھ پورے دین اور پورے دین کے شعبوں کی ترجمانی نہیں ہے، نہ ہی اُسے ہر مسجد کی نصابی کتاب قرار دینا صحیح ہے، مسجد میں درس قرآن، درس حدیث، درس عقائد اور بہت سے مضامین حسب موقعہ حسب ضرورت پڑھے جاسکتے ہیں، مقصد دین کی محنت پر کھڑا کرنا ہے، وسائل پر اس قدر زور کسی اہل حق جماعت کا نہیں ہونا چاہیے، سالہا سال کسی مسجد کو بلا شرکت غیر کے اُسی کتاب پر اصرار کرنا نہایت تنگ نظری ہے، جس سے سامعین اور قارئین کے ذہن میں دین اور دینی خدمات کا جامع اور مکمل تصور کبھی نہیں آسکتا ہے۔

دعوت و تبلیغ کی محنت میں والدین کی اجازت

① تبلیغ میں وقت لگانا کے لیے جھوٹ بولنا یا والدین کی اجازت و مرضی کے بغیر چلا جانا شرعاً درست نہیں ہے، اس کے لیے والدین کی ذہن سازی، دردمند احباب سے ملاقات کروانا، اہمیت و افادیت بتاتے رہنا، اپنے عمل و اخلاق سے دل جیتنے کی کوشش کرنا ضروری ہے، ورنہ بصورت دیگر گناہ لازم آئے گا۔ (۲)

② اسی طرح والدین اگر تنگ دست ہوں بچوں کے سہارے اور خدمت کے محتاج ہوں تو بھی بلا اجازت تبلیغ میں جانا درست نہیں ہے، یہ نہ سمجھا جائے کہ اس کام میں والدین کی اجازت ضروری نہیں ہے، مفتی سلمان منصور پوری صاحب

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۳/۳۹۲

(۲) بحوالہ کتاب النوازل: ۲/۳۷۹

دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ ”جب کہ والد تنگ دست ہے اور بچوں کی آمدنی پر گزارہ کرتا ہے، اس کے کسی بچے کو اس کی اجازت کے بغیر جماعت میں بھیجنا شرعاً درست نہیں ہے، اسی طرح تمام ہی نفلی اسفار میں والدین کی اجازت اور رضامندی کا لحاظ کرنا چاہیے۔ (۱)

③ بیٹا جماعت میں جانا چاہتا ہے اور باپ اجازت نہیں دیتا جبکہ کہ گھر کی مالی حالت بفضل اللہ ٹھیک ہے تو اس صورت میں اگر باپ مذکورہ بالغ بیٹے کی خدمت وغیرہ کا محتاج نہ ہو اور بلا وجہ تبلیغی جماعت میں جانے سے روکے تو اس کی اطاعت لازم نہیں، جیسا کہ علم دین حاصل کرنے سے روکنے میں اس کی اطاعت لازم نہیں ہے؛ لیکن حقوق واجبہ کو تلف کر کے تبلیغ میں جانے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی، اسی طرح اگر ماں باپ ضعیف یا بیمار ہوں یا جسمانی خدمت کے محتاج ہوں تو ان کی خدمت لازم ہے، اس کو چھوڑ کر بھی تبلیغ میں جانے کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی۔ اگر حقوق واجبہ کا بھی انتظام ہو اور والدین کو جسمانی خدمت کی بھی حاجت نہ ہو اور سفر پر خطر نہ ہو، تو پھر ان کی اجازت کے بغیر تبلیغ میں جانے سے گناہ نہیں ہوگا۔ (۲)

مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ”اگر ماں باپ کا خرچ لڑکے کے ذمہ ہے، تو ایسی صورت میں ان کے خرچ وغیرہ کا انتظام کر کے ان کی اجازت حاصل کر کے جماعت میں جائے۔ اور اگر لڑکے کا خرچ وغیرہ کا انتظام کر دے اور ماں باپ جسمانی خدمت کے محتاج نہ ہوں، یا کوئی دوسرا بھائی وغیرہ اس ضرورت کو پورا کرنے والا موجود ہو، پھر بھی ماں باپ بلا وجہ تبلیغی جماعت میں جانے کی اجازت نہ دیں، جب کہ دین سیکھنا ضروری ہے، تو ایسی صورت میں ماں باپ کی اجازت کے بغیر بھی اگر کوئی

(۱) کتاب النوازل: ۲/۳۸۱

(۲) فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل: ۴/۲۵۵

جماعت میں چلا جائے، تو یہ نافرمان اور گنہگار نہ ہوگا؛ لیکن پھر بھی ماں باپ کو حتی الامکان خوش رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ (۱) (اس بارے میں ہماری مفصل کتاب ”اطاعت والدین کے حدود“ دیکھنا چاہئے)

غیر عالم کا وعظ کہنا؟

تبلیغی جماعت میں عموماً بیان کرنے والے غیر عالم ہوتے ہیں، بعض مرتبہ سبقت لسانی سے قابل اصلاح باتیں بھی زبان سے نکل جاتی ہیں، اس صورت میں حکم یہی ہے کہ اپنے اکابر سے جو باتیں سنی ہیں اچھی طرح یاد ہوں تو ان کو انھیں کے حوالے سے بیان کر دے، قرآنی آیات پڑھ کر ترجمہ کرنا، تفسیر بیان کرنا، احادیث کے تحت محدثین و علماء کے اقوال ذکر کرنا یا اپنی فہم پیش کرنا درست نہیں ہے، مفتی محمود الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ ”جاہل آدمی کا اپنی طرف سے وعظ و نصیحت کرنا اور بے سند باتیں کرنا درست نہیں، البتہ اگر وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہے؛ بلکہ کسی معتبر کتاب یا عالم کے حوالہ سے صحیح اور مستند باتیں نقل کرے تو اس کی اجازت ہے۔“ (۲)

مرکز یا معتبر اکابرین سے جو دائرہ متعین ہے اسی میں رہنے میں متکلم و سامع دونوں کے دین کے لیے عافیت ہے، یہی حکم کہیں جمعہ کا بیان کرنے کا موقع ملے تو ہے، اگر بیان کے بعد کوئی عالم دین کسی بات پر تنہائی میں اصلاح کر دے تو اسے اپنے لیے سعادت سمجھے کہ ورنہ پتہ نہیں میری یہ غلط بیانی کب سے اور کب تک جاری رہتی، آج اللہ نے میری اصلاح فرمادی، کسی بھی طرح کی حجت بازی نہ کرے، اگر وہ بات کسی سے سنی ہوئی ہے تو بعد میں ان سے رابطہ کر کے دوبارہ تصدیق کر لے، فتاویٰ محمودیہ میں اس طرح کے سوال کے جواب میں لکھا ہے کہ ”ایسے شخص کے لئے بہتر یہ ہے کہ معتبر علماء کی کتابیں پڑھ کر سنایا کرے، اپنی طرف سے کچھ نہ کہے؛ لیکن اگر وہ صحیح

(۱) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم: ۱۴/۱۱۴، جدید ڈابھیل: ۴/۲۱۴، فتاویٰ قاسمیہ: ۴/۳۵۲

(۲) فتاویٰ محمودیہ میرٹھ: ۶/۱۱۴، فتاویٰ رحیمیہ: ۶/۳۷۶

کتابوں کا مطالعہ کرے اور مضمون اچھی طرح یاد کر کے لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے۔ (۱)

البتہ غیر عالم کے لئے درس قرآن یا درس حدیث دینا جائز نہیں۔ ”إن التفسير علم نفيس خطي، لا يليق بكل أحد أن يتكلم فيه ولا أن يخوض فيه“۔ (۲)

مفتی سلمان منصور پوری صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں کہ ”وعظ گوئی اور تذکیر دین کا عظیم الشان رکن ہے، جو شخص قرآن و حدیث کا عالم نہ ہو وہ اس منصب کا اہل نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: إذا وسد الأمر إلى غير أهله فانتظر الساعة۔ (۳)

در مختار میں ہے: التذكير على المنابر للوعظ والاتعاظ سنة الأنبياء والمرسلين۔ اور ان کے بعد ان کے وارثین علماء امت کا منصب ہے، حاصل یہ ہے کہ غیر عالم کا وعظ کہنا ممنوع ہے؛ لیکن تبلیغ جس کا دائرہ کار چھ نمبر کے اندر محدود ہے اسی کے اندر رہ کر اور اپنی طرف سے اضافہ نہ کرتے ہوئے یہ کام ہر واقف مسلمان کر سکتا ہے، اس کے لئے عالم ہونا ضروری نہیں۔ (۴)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ

”بہتر تو یہی ہے کہ صرف علماء ہی بیان کیا کریں؛ لیکن اگر کوئی غیر عالم بیان کرے تو اسے صرف جماعت تبلیغ کے مقرر کردہ چھ نمبروں کے اندر ہی گفتگو کرنی چاہئے؛ تاکہ غیر معتبرات اس کی زبان سے نہ نکلے۔“ (۵)

”باقاعدہ وعظ تو واقعی غیر عالم نہیں کر سکتا؛ لیکن تبلیغ یعنی دین کی کچھ

(۱) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل: ۴/۳۳۳

(۲) الفتاویٰ الحدیثیہ: ۳۰۱، احسن الفتاویٰ ۸/۱۳۸، کراچی

(۳) بخاری: ۱/۱۴

(۴) فتاویٰ رحیمیہ: ۶/۳۸۲، کتاب النوازل: ۲/۳۹۲

(۵) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈابھیل: ۴/۳۳۳

معتبر اور صحیح باتیں عوام تک پہنچانے میں عالم ہی کی تخصیص نہیں ہے،
غیر عالم بھی پہنچا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ تبلیغ ہی کے دائرہ میں رہے
اور ضرورت ہو تو نمبر پر بھی بیٹھ سکتا ہے۔ (۱)

مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم تحریر فرمایا: ”جو جاہل اور بے پڑھے مرد
جماعت میں جاتے ہیں اور وہاں جا کر تھوڑی بہت دین کی باتیں یاد کر لیتے ہیں، ایسے
لوگوں کے لئے وعظ و خطابت اور بیان و وعظ جائز نہیں ہے، اگر وہ بیان کرتا ہے
تو مذکورہ حدیث کے نمبر تین میں داخل ہو کر متکبر اور ریاکاروں میں شامل ہو جائے گا،
چاہے مرد ہو یا عورت۔ اور حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ: تین ہی قسم کے لوگ
وعظ و خطابت کر سکتے ہیں: ① حاکم ② عالم ③ متکبر اور غالی اور ضدی ریاکار۔ جو
بے پڑھا آدمی جماعت میں جا کر تھوڑی بہت بات یاد کر لیتا ہے، نہ وہ حاکم ہے نہ ہی
عالم ہے؛ لہذا اب وہ کون سی قسم میں داخل ہو سکتا ہے؟ علاوہ اس کے کہ وہ متکبر، ضدی
اور ریاکار ہو، اس کے علاوہ کوئی اور نہیں ہو سکتا؛ اس لئے امت کے رہنما علماء نے
باقاعدہ اس موضوع پر کتابیں لکھی ہیں، ہاں البتہ تبلیغی جماعت والوں کے لئے صرف
دعوت و تشکیل کے چھ نمبروں کے حدود میں رہ کر بات کرنے کی اجازت دی ہے اور وہ
بھی چھ نمبروں کو اپنی یاد اور دینی اصلاحی غرض سے سنانے کی اجازت ہے، اس سے
تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے، ایسے لوگوں کے لئے صرف اتنا جائز ہے کہ دینی
کتابوں کو جیسے کتابوں میں لکھا ہوا ہے، ویسے ہی سنادیں، اس سے زیادہ اجازت نہیں
ہے۔ (۲)

مجمع میں سنانے کے لئے جو کتابیں علماء نے لکھی ہیں، ان میں خود تشریحات
موجود ہیں، غیر عالم کو کتاب سناتے وقت مزید علم کی ضرورت نہیں؛ البتہ اگر کوئی بات

(۱) فتاویٰ رحیمیہ: ۶/۳۸۱-۳۸۲، کتاب النوازل: ۲/۳۹۴

(۲) مستفاد: معارف القرآن، سورۃ آل عمران: ۱۰۴، اشرفی دیوبند ۲/۱۳۸، اصول تبلیغ، ص: ۵۶، ۳۵

کتاب سے سمجھ میں نہ آئے تو علماء سے مراجعت کر لیا کریں۔ (۱)

تبلیغ میں عورت بیان کرنا

عورت صرف کتابیں پڑھ کر سنا سکتی ہے، اس سے زیادہ کی اجازت نہیں ہے، وہ اگر دینی باتیں کرنا چاہتی ہے تو وعظ و خطابت، جلسہ اور اجتماع کی شکل میں ہرگز نہیں کر سکتی، ورنہ حدیث مذکور (۲) کی وعید میں شامل ہو جائے گی؛ البتہ اکابر کی کتابیں اجتماع وغیرہ میں صرف پڑھ کر سنا سکتی ہے، یعنی جیسا لکھا ہوا ہے ویسا ہی پڑھ کر سنا سکتی ہے، اپنی طرف سے نہیں۔ (۳)

فضائل اعمال پر اصرار؟

تبلیغی جماعت کے احباب چونکہ مرکز کے تابع ہوتے ہیں اور مشورہ سے تعلیم کی کتاب ”کتب فضائل، منتخب احادیث“ (علی اختلاف الفریقین) وغیرہ طے ہے تو دورانِ جماعت اسی کو پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، البتہ اگر کوئی انفرادی طور پر کسی کی کتاب کا مطالعہ کر رہا ہو یا گھر میں فضائل اعمال کے علاوہ بہشتی زیور یا کسی عالم دین کی کتاب تعلیم کے طور پر پڑھتا ہو تو اسے منع نہیں کرنا چاہئے، اگر مسائل کی کتاب پڑھی جائے تو کسی عالم کی رہبری ضروری ہے، بعض مرتبہ مسئلہ غلط سمجھ لیا جاتا ہے، کسی بھی کتاب کو اس طرح لازم کر لینا کہ دوسری کتابوں کی تحقیق لازم آئے یا دوسری دین کے بنیادی مسائل سے محرومی ہو جائے درست نہیں ہے، یہ ایک محرومی کے علاوہ مبالغہ آرائی بھی ہے، جس سے تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے، انسان کی لکھی ہوئی کوئی بھی کتاب ہو وہ نافع ہو سکتی ہے مگر کافی نہیں ہو سکتی۔ (۴)

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۴/۴۱۱

(۲) عن عوف بن مالک الأشجعی قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: لا يقص إلا أمير أو مأمور أو مختال۔ (سنن أبي داؤد، کتاب العلم، باب في القصص، النسخة الهندية: ۲/۵۱۶، دار السلام، رقم: ۳۶۶۵)۔

(۳) فتاویٰ قاسمیہ: ۴/۴۱۲

(۴) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ڈائجیل: ۴/۲۸۳، کتاب النوازل: ۲/۳۹۵

فضائل اعمال کی تعلیم کے ساتھ قرآن کا حلقہ لگانا

اگر کسی مسجد میں نماز کے بعد فضائل اعمال کی تعلیم ہوتی ہو اور اسی وقت مسجد کے دوسرے حصہ میں مکتب کا نظام ہو خواہ بچوں کا ہو یا بڑوں کا اور آواز ٹکرا نے کا مسئلہ بھی نہ ہو تو دونوں کو جاری رکھنا چاہئے، دونوں کام دین کے ہی ہیں، البتہ اگر الگ الگ وقت نظام بن سکتا ہے بہت بہتر ہے، قرآن کے حلقہ والے یہ نہ سمجھیں کہ فضائل اعمال کی تعلیم کی وجہ سے لوگ قرآن نہیں سیکھ رہے ہیں اور تعلیم کے حلقے والے ہرگز یہ نہ سوچیں کہ قرآن کی تعلیم کا حلقہ چلے گا تو تعلیم کے حلقے میں لوگ کم ہو جائیں گے، یہ سوچ بازاری لوگوں کی ہوتی ہے کہ اس کی دکان سے میرے گا ہک کم ہو جائیں گے، مسجد میں آنے والا ہر شخص اللہ کی خاطر آ رہا ہے، ہمیں اپنی دکان چکانا نہیں ہے، اپنے عمل کی کمیت سے زیادہ کیفیت پر نظر رکھیں، کوئی کسی حلقہ کی تحقیر نہ کرے، دین کے ہر کام میں رفیق بنے فریق نہ بنے، معاون بنے معاند نہ بنے، شریک بنے شیر نہ بنے، بڑی عمر کے لوگوں کے لئے قرآن پاک پڑھنا ایک اہم دینی ضرورت ہے، اسی طرح فضائل اعمال کی تعلیم میں شرکت بھی عوام و خواص کے لئے بہت مفید ہے، اس لئے باہم مشورے سے ایسی ترتیب بنائی جائے کہ دونوں کام بھی ہو جائیں، اور کسی کو اعتراض کا موقع نہ ملے... اشکال کی سب سے بڑی وجہ دونوں کاموں کا ایک وقت میں انجام دینا ہے، اس کا حل یہ ہے کہ دونوں کاموں کا وقت الگ الگ کر دیا جائے، اور ایک تدبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ فضائل اعمال کی تعلیم کا وقت آدھا گھنٹہ کے بجائے ۱۵ منٹ کر دیا جائے؛ تاکہ بیک وقت دونوں کام ہونا آسان ہو۔ (۱)

تبلیغی گشت فرض ہے یا واجب؟

محنت و جذبات کے جوش میں کوئی ایسا جملہ نکل جائے شرعاً درست نہیں ہے تو اس کی فوری اصلاح کر لے، جیسے یہ کہہ دینا کہ ”گشت فرض ہے اور نہ کرنے والے گنہگار

ہیں، یہ کوئی بات مناسب نہیں ہے، کتاب النوازل میں ہے کہ ”تبلیغ دین فرض علی الکفایہ ہے، مگر تبلیغ کی کوئی معین و مشخص صورت علی الاطلاق لازم نہیں ہے کہ سب کو اس کا مکلف قرار دیا جائے؛ لہذا مروجہ گشت کو فرض یا واجب نہیں کہا جاسکتا، اور اس کا تارک ہر گز گنہ گار نہیں ہے۔“ (۱)

گشت سے پہلے دعا کی شرعی حیثیت

گشت کا مقصد لوگوں کو دین کی دعوت دینا ہے، اور دعوت دینے سے پہلے دعا کرنا روایات سے ثابت ہے، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دینے سے پہلے یہ دعا مانگی تھی: {رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي} (۲) اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا آداب دعا میں سے ہے؛ لہذا گشت سے پہلے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن یہ ایسا لازم نہیں کہ نہ کرنے والے پر نکیر کی جائے۔ (۳)

نوٹ: واضح رہے کہ یہ دعا برائے تربیت اور تعلیم ہوتی ہے، مگر یہ بیان نہ کرے کہ ”دین میں ہر عمل کے بعد دعا مگر گشت میں عمل سے پہلے ہی دعا ہے، یہ گشت کی بہت بڑی فضیلت ہے“ کیونکہ دین میں عمل سے پہلے اور عمل کے بعد بھی دعا ہے، کھانے سے پہلے کھانے کے بعد، سونے سے پہلے سونے کے بعد، مسجد میں آنے سے پہلے اور جاتے وقت، قضائے حاجت سے پہلے قضائے حاجت کے بعد وغیرہ دعا منقول ہے۔

مشورہ کی دعا کی حیثیت

مشورہ کے وقت عام طور پر یہ دعا پڑھی جاتی ہے: اللّٰهُمَّ اَلْهَمْنِي رَشْدِي

(۱) کتاب النوازل: ۲/۳۹۷

(۲) طہ: ۲۵-۲۶-۲۷-۲۸

(۳) کتاب النوازل: ۲/۳۹۸

وَأَعْذِنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي - (۱)

حضور اکرم ﷺ نے حضرت حصین رضی اللہ عنہ کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی؛ لیکن وہاں ایسی کوئی صراحت نہیں ہے کہ یہ دعا مشورہ کے ساتھ مخصوص ہے؛ البتہ اس دعا کو مشورے کے وقت پڑھنا معنی کے اعتبار سے صحیح ہے؛ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ سے اصابت رائے کو طلب کیا گیا ہے۔ (۲)

بے نمازی کو نماز کی دعوت دیں یا چلہ چار مہینہ کی؟

بے نمازی اسے کہتے ہیں جو جان بوجھ کر بلا عذر شرعی نماز چھوڑ دے، بے نمازی کو نماز اور چلہ چار مہینہ دونوں کی دعوت دی جائے، ایک کی دعوت دوسرے کی دعوت کے معارض اور مخالف نہیں ہے؛ بلکہ چلہ چار مہینہ کی دعوت نماز کی دعوت کو بھی شامل ہے؛ کیوں کہ جب کوئی شخص اپنی گھریلو الجھنوں کو چھوڑ کر چلہ وغیرہ کے لئے جماعت میں نکلتا ہے تو نماز وغیرہ دینی امور کا بجالانا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے، اور نماز پڑھنے کا طریقہ بھی آ جاتا ہے، اور چالیس دن مسلسل جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے سے طبعیت نماز کی عادی ہو جاتی ہے؛ کیوں کہ چالیس دن کو طبعیت اور عادت کے بدلنے میں بڑا دخل ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ (۳)

جماعت میں مشتبہ مال والے کی دعوت قبول کرنا؟

جماعت میں اصول یہی ہے کہ اپنے جان و مال سے چلیں، اس لیے کسی کی دعوت قبول کرنے کی امید نہیں ہوتی، مقامی احباب دعوت کرنا چاہیں تو وہ مشورہ سے طے کرتے ہیں کہ کب کس کی طرف سے جماعت کی خدمت کریں گے، طے کرنے میں حلال و حرام آمدنی والے کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے، مقامی احباب کے مشورہ کے بغیر براہ راست

(۱) ترمذی شریف: ۱۸۶/۲

(۲) کتاب النوازل: ۳۹۹/۲

(۳) کتاب النوازل: ۴۰۱/۲

کوئی دعوت کرنے کی خواہش ظاہر کرے تو پہلے مقامی متحرک ساتھیوں سے ملوادے، اگر کوئی ساتھی نہ ہو تو ان سے اس طرح حکمت سے خیر خیریت دریافت کر لے جس سے آنے والے کی کمائی کا اندازہ ہو جائے، بلاوجہ شک بھی نہ کرے اور حرام ہونا معلوم ہو جانے کے بعد کسی مصلحت کو بہانہ نہ بنائیں کہ ”حکمت کے طور پر دعوت قبول کر لیں اور کھانے کی قیمت صدقہ کر دیں، کھانے والا یہ نیت کر لے کہ میں حلال کمائی سے کھا رہا ہوں“ ورنہ ساتھی ٹوٹ جائے گا، کیونکہ حرام لقمہ پیٹ میں جانے کے بعد حکم الہی سے رشتہ ٹوٹ جاتا ہے، مصلحت و حکمت کا تقاضہ اور شرعی حکم یہی ہے کہ حرام آمدنی والے کی دعوت قبول نہ کریں، اگر ان کی اصلاح مقصود ہو تو دعوت قبول کئے بغیر ان کی فہمائش کا راستہ اختیار کیا جائے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ سے مراد

اللہ تعالیٰ کے فرمان: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ میں ”لِلنَّاسِ“ عام ہے مسلمان اور کفار سب کو شامل ہے، یہ آیت مسلمانوں میں اور غیر مسلموں دونوں میں تبلیغ پر دلالت کرتی ہے، تبلیغ بین المسلمین کی برکت سے غیر مسلموں کو بھی دولت ایمان نصیب ہو رہی ہے، گو کہ ضمناً ہو، اور جو حضرات غیر مسلموں میں تبلیغ کر رہے ہیں وہ بھی اس آیت کے مصداق میں داخل ہو کر خیر امت شمار ہوتے ہیں، لہذا ہر گروہ اپنے دائرہ میں اصول کے تابع کام کرے، دوسرے گروہوں پر کسی طرح کا الزام نہ لگائے، علاوہ ازیں کوئی جماعت کسی کو شاید منع بھی نہیں کرتی ہے، مثلاً اہل تبلیغ غیروں میں کام سے منع نہیں کرتے ہیں اور غیروں میں کام کرنے والے اہل تبلیغ کو منع نہیں کرتے ہیں، اعتدال بھی یہی ہے۔

کیا عہد صحابہ میں تبلیغ بین المسلمین ثابت ہے؟

① نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا، صحابہ کی جماعت کوفہ کی طرف گئی مسلمانوں کی دعوت کے لئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحابہ کی جماعت کے ساتھ اپنی خلافت کے زمانے میں کوفہ کی طرف روانہ فرمایا، معقل بن یسار رضی اللہ عنہ، عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ

اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بصرہ کی طرف تشریف لے گئے، عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ابو الدرداء رضی اللہ عنہ شام کی طرف گئے اُن حضرات کا یہ سفر اہل اسلام اور مسلمانوں کی دعوت کے لئے تھا، ان جیسی دیگر روایات سے تبلیغ بین المسلمین کا ثبوت کافی ہے۔

② مروجہ تبلیغ اپنی تمام شکلوں و جزئیات کے ساتھ ثابت ہونا ضروری نہیں ہے کیونکہ تبلیغ دین کی جتنی بھی شکلیں رائج ہیں کوئی شکل منصوص نہیں ہے، اور کوئی منصوص ہونے کا دعویٰ بھی نہ کرے، نفس تبلیغ مقصود ہے نوع تبلیغ نہیں، پانی مقصود ہے رسی اور ڈول نہیں، منزل مقصود ہے سفر اور مسافت نہیں، علاوہ ازیں کسی شکل کے خصوصی ثبوت کی ضرورت نہیں خصوصی دلیل کی ضرورت تب ہوتی ہے جب کہ کسی کام کو سنت و منصوص سمجھا جاتا ہے اگر سنت و منصوص نہ سمجھے مصلحت سمجھے تو اس کے لئے خصوصی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

حیاء الصحابہ کی جلد اول میں متعدد واقعات موجود ہیں جس میں صحابہ کو مسلمانوں کی طرف بھیجا گیا ہے، فرائض و اعمال سکھائے گئے، نازل ہونے والے نئے احکام سے واقف کر دیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کے راستے کی دعا انبیاء کی دعا کی طرح

بعض مرتبہ تبلیغ میں یہ بات سننے میں آتی ہے کہ اللہ کے راستے میں جانے والوں کی دعا انبیاء علیہم السلام کی دعا کی طرح قبول ہوتی ہے، اس طرح کی بات کسی حدیث سے صراحتاً ثابت نہیں ملی، اگر یہ کسی کا قول ہے تو بھی بلا دلیل عام کرنا درست نہیں ہے، بعض لوگ اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔ ”اتقوا اذى المجاهدین فی سبیل اللہ فان اللہ یغضب لہم کما یغضب للرسول و یستجیب لہم کما یتجیب لہم“ (۱)

(۱) أخرجه الدار قطنی فی الأفراد کما فی أطراف ابن طاہر: ۱/۲۱۲/۳۰۱ والدیلمی

مگر یہ استدلال محل نظر اس وجہ سے ہے کہ اس روایت کی سند میں کافی کلام ہے، جس سے روایت قابل استدلال نہیں رہتی، مجاہد فی سبیل اللہ سے غازی مراد ہے مطلق مجاہد مراد نہیں ہے ورنہ گھر سے وضو بنا کر جانے والا بھی مجاہد ہے، رفاہی کام کی تنظیموں کے نوکر بھی مجاہد ہیں، وغیرہ پھر غازی کی کوئی اہمیت و خصوصیت باقی نہیں رہے گی۔

قیامت کے دن سورج سوانیزے کا صحیح مطلب؟

سوانیزا کی کیا حقیقت ہے؟ حدیث میں صراحت سے نہیں ملا، البتہ اتنی بات ہے کہ ”قیامت کے دن سورج کو انسانوں سے قریب کر دیا جائے گا، جس کی وجہ سے ہر شخص اپنی اپنی بد اعمالیوں کے سبب پسینہ میں غرق آب ہوگا، یہ قرب حدیث شریف کے بیان کے مطابق ایک میل یا دو میل شرعی ہے، جس کی مقدار تین کلومیٹر کے قریب ہے، باقی نیزہ کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں اور حدیث شریف میں میل سے مسافت مراد ہونا ہی رائج ہے، جس کی مقدار تین کلومیٹر کے قریب ہے۔“ (۱)

کوئے پکڑ لینے سے کیا ہوگا

بعض مرتبہ بیان کے دوران یہ جملہ نکل جاتا ہے کہ: ”اس دور میں دین کا سب سے بڑا دشمن وہ عابد ہے، جو گوشہ میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرتا ہو“۔ ظاہر ہے اس طرح کے جملہ امت کو جوڑنے سے زیادہ توڑنے کا کام کرتے ہیں، اس سے ذکر اللہ، اہل اللہ اور خانقاہی محنت کی تحقیر لازم آتی ہے، اگر مقصود اہل ذکر کو بھی تبلیغ دین پر آمادہ کرنا ہے تو ان کی مشغولیت کو تعظیم کے ساتھ قریب کرنا چاہئے، حضرت مفتی شبیر صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: گھر میں بیٹھ کر عبادت کرنے والے کو دین کا مطلق دشمن قرار دینا بھی غلط ہے، ہر شخص اپنے دین کی حفاظت کا پابند ہے، اب اگر کوئی شخص اس پر فتن زمانہ میں اپنے دین کی حفاظت اور معاصی سے بچنے کے لئے کنارہ کشی کر کے سنت کے مطابق

عبادت میں مشغول رہتا ہے، تو اسے قابلِ ملامت قرار نہیں دیا جاسکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتنوں کے دور میں گھروں میں زیادہ وقت گزارنے کی تلقین فرمائی ہے۔

نوٹ: علماء حق پر تنقید بھی انتہائی خطرناک ہے؛ اس لئے ایسے شخص کو اپنی حرکتوں سے باز آنا چاہئے، دوسرے لوگوں کو بھی اسے سمجھانے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے۔ و فی الخلاصة: من أبغض عالماً من غیر سبب ظاہر خیف علیہ الکفر۔ (۱)

تَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ کی وضاحت

یہ بعض صحابہ کا مقولہ ہے اور روایت صحیح ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت محض رسماً نہیں ہونی چاہئے؛ بلکہ کامل ایمان و یقین کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرنی چاہئے، یعنی جب ہی تلاوت کا صحیح نفع ظاہر ہوگا اور ایمان کی کیفیت میں اضافہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ (۲)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں لوگ ایمان کیفیات کے ساتھ قرآن پڑھا کرتے تھے، آج بے حسّی و بے فکری کے ساتھ بغیر تاثر کے پڑھتے ہیں۔ (۳) مایدری ما أمرہ ولا زاجرہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مزید توضیح فرماتی ہیں کہ ابتدائی جنت و جہنم والی آیات نازل ہوئیں، اگر پہلے ہی دن حلال و حرام والی آیات نازل ہو جائیں تو ہم عمل نہیں کر پاتے۔ (۴)

نوٹ: اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، ہیکہ ایک داعی سالہا سال صرف دعوتِ ایمان میں لگا رہے، اور صحیح و تجوید یا شریعت سیکھنے کی فکر نہ کرے، اس جملہ کا استعمال قرآن سے دوری پر پردہ ڈالنے کے لیے نہیں ہونا چاہئے۔ مقصد صرف اتنا

(۱) شرح الفقہ الاکبر، فصل فی العلم والعلماء ۷۳۱ قدیمی

(۲) کتاب النوازل: ۲/۳۱۸

(۳) مستدرک حاکم: ۱/۳۵۵

(۴) صحیح بخاری: ۴۹۹۳

ہے کہ ایمانیات کے ساتھ اسلامی تعلیمات کی تعلیم میں بڑی قوت رہتی ہے ایمانیات کے بغیر عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاقیات کا ذکر کرنا ایسا ہے جیسا کہ توا (روٹی پکانے کا) گرم کیے بغیر روٹی ڈال دینا۔

فَلْيَبْلِغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبِ كَامَطْلَب

تبلیغ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے اس طرح بیان کرنا کہ ”جب حجۃ الوداع میں اللہ کے نبی ﷺ نے ”فَلْيَبْلِغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبِ“ فرمایا، تو صحابہ حج کو چھوڑ کر چلے گئے، کیونکہ اگر نبی ﷺ کسی بات کا حکم کریں، تو امتی کے لئے نماز توڑ کر اس حکم کی تعمیل کرنا فرض ہے، اور یہ ایمان کے لئے ضروری ہے، ورنہ کفر لازم آئے گا چنانچہ حج میں جب حکم دیا تو حج چھوڑ کر جانا ضروری ہو گیا؛ لہذا حج چھوڑ کر چلے گئے۔ قابل اصلاح اور مبالغہ آرائی پر مشتمل بات ہے، احادیث میں تفصیلی روایات میں موجود ہے کہ حجۃ الوداع میں شریک صحابہ تمام ارکان و مناسک سے فارغ ہو کر طواف و داع کے بعد ہی مکہ مکرمہ سے روانہ ہوئے، الایہ کہ کوئی عذر ہو؛ لہذا یہ کہنا کہ پیغمبر ﷺ کے حکم ”فَلْيَبْلِغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبِ“ کہتے ہی سب صحابہ حج کو چھوڑ کر چلے گئے، یہ بات بے دلیل ہے ... اور حضور اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل ہر امتی پر فرض ہے، تو یہ اس وقت ہے جب کہ کسی حکم کی صراحت کر دی جائے، اس مطلق بات سے یہ دلیل پکڑنا کہ ”فَلْيَبْلِغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبِ“ کہتے ہی حج کو چھوڑ کر جانا ضروری تھا، یہ محض غلط ہے۔ (۱)

کیا قیامت میں بے نمازی کو خنزیر بنا دیا جائے گا؟

نماز ترک کرنے کی وعید بیان کرتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ ”قیامت کے دن بعض آدمیوں کی شکل کو بدل کر خنزیر کی شکل کا بنا دیا جائے گا، لوگ پوچھیں گے الہی آدمیوں کے اور جنات کے علاوہ سبھی جانور تو مٹی بنا دئے گئے یہ خنزیر کہاں سے آ گئے، جواب ملے گا کہ یہ بے نمازی ہیں دنیا میں نماز نہیں پڑھا کرتے تھے؛ اس لئے خداوند کریم

ان کی شکل کو بدل کر خنزیر کی شکل بنا دے گا۔ ”ایسی کوئی صریح حدیث ہمارے علم میں نہیں ہے جس میں بے نمازی کو خنزیر کی طرح بنا دینے کی وضاحت ہو۔“ (۱)

نوٹ: ”ہمارے علم میں نہیں ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ بیان کرنے والے کو کسی صحیح سند سے یہ حدیث ملی ہے تو بیان کر سکتا ہے، اگر صحیح سند سے یہ حدیث نہیں ملی تو نبی کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا اپنی آخرت کا خسارہ کر لینا ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا ایک مدلل و مفصل فتویٰ

کارِ نبوت ایک کلی ہے، اس کی بے شمار جزئیات ہیں اور سب ہم رتبہ نہیں، ان میں اہم اور غیر اہم کا فرق ہے، سب کی تفصیل دشوار ہے اور ضروری بھی نہیں؛ البتہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کام سالم کوہ نور کی مثال تھا، وہ بیک وقت معلم و مرشد، مبلغ و داعی، محدث و مفسر، مجاہد و فرماں روا اور فقیہ و مجتہد تھے، پھر بعد کے زمانوں میں دینی کاموں کی تفصیل عمل میں آنی شروع ہوئی، مگر دین کی دعوت و تبلیغ کا کام ہر دینی کام کے ساتھ کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا، اس سے صرف نظر نہیں کی گئی، کیوں کہ یہ دین کا بنیادی کام تھا، مگر آہستہ آہستہ اس ضمنی مگر اہم کام میں سستی پیدا ہوئی، جیسے اولیاء کی دعوت سے بے شمار لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، مگر ان کی تعلیم و تربیت کی طرف بادشاہوں اور علماء نے کما حقہ توجہ نہیں دی، تو جہالت عام ہو گئی اور نو مسلم برائے نام مسلمان ہو کر رہ گئے، پھر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دارالعلوم دیوبند قائم ہوا اور اس کی شاخیں پھیلنی شروع ہوئیں اور انہوں نے مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا فریضہ انجام دینا شروع کیا اور اس سے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ نے اکابر دیوبند کی راہ نمائی میں دعوت و تبلیغ کی داغ بیل ڈالی اور ایک خاص نہج پر کام شروع کیا، اللہ تعالیٰ نے دونوں سلسلوں میں برکت عطا فرمائی اور دنیا کی کایا پلٹی نظر آئی، پس یہ پرندے کے دو پر ہیں، یا سالم کوہ نور کے دو ٹکڑے ہیں، دونوں کو پوری اہمیت دینی

چاہئے، اگر ایک کام میں غلو ہوگا اور دوسرے کو نظر انداز کیا جائے گا، تو دین کا نقصان ہوگا، لہذا مسلمانوں میں ایمان و اعمال کی مروجہ محنت (چلہ چار مہینہ) اور موجودہ طریقہ دعوت و تبلیغ پر کارِ نبوت کے مفہوم کو منحصر کرے تو شرعاً یہ صحیح نہیں ہوگا۔

دین کے سب کام ضروری ہیں، مکاتب کا کام مسلمان بچوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے، جو فرض عین ہے، عربی مدارس کا کام طلباء کو پورے دین کی تعلیم دینا ہے، جو فرض کفایہ ہے اور جماعت تبلیغ کا کام بڑی عمر کے لوگوں کو دین کی بنیادی تعلیم دینا ہے اور غیر مسلموں کو دین کی دعوت دینا مستقل کام ہے۔ اور موجودہ طریقہ تبلیغ تعلیم بالغان کی ایک صورت ہے، جو نہایت مفید ہے۔

دینی کاموں کا کوئی مخصوص طرز متعین نہیں، جیسے نفس علاج سنت ہے، مگر اس کا کوئی مخصوص طریقہ سنت نہیں، دعوت و تبلیغ کے لئے کوئی بھی نہج اپنا سکتے ہیں، کوئی خاص طریقہ متعین نہیں اور رائج طریقہ حضرت مولانا الیاس صاحب قدس سرہ نے اکابرین دارالعلوم کے مشورہ سے چلایا ہے، پس دورِ اول کے کام سے استناد تو کر سکتے ہیں، مگر اس کو بعینہ صحابہ والا کام نہیں کہہ سکتے، یہی حال تعلیم کا ہے، اس کا کوئی مخصوص طریقہ نہیں اور صحابہ کے طریقہ سے صرف استناد کر سکتے ہیں۔ مقصد تخلیق عبادت ہے اور دعوت اس کا ذریعہ ہے، غیر عالم کا وعظ دو طرح کا ہوتا ہے: ① چھ نمبر کے دائرہ میں رہ کر تمرین کے لئے بیان کرنا عامی کے لئے بھی جائز ہے ② دین کی باتیں بیان کرنا افادہ کے لئے، اس کے لئے عالم ہونا شرط ہے۔ (۱)

مکتب کی تعلیم یا گشت؟

دین کی دوسری مصروفیات کی وجہ سے اگر کوئی شخص امور تبلیغ میں حصہ نہ لے تو اس پر اعتراض کرنے کے بجائے محبت سے اس کے قریب ہونے اور اسے اپنے سے قریب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، دینی امور میں شریک احباب بھی وقتاً فوقتاً اس کا رخیہ میں

بھی حصہ لے لیا کریں، قرآن کریم کی تعلیم بیان میں بیٹھنے سے زیادہ اہم ہے۔ اور قرآن کی تعلیم تبلیغ کا اہم اور بنیادی شعبہ ہے، تبلیغی جماعت کے اکابر و سربراہ تبلیغی بیان میں بیٹھنے کے لئے تعلیم و تدریس چھوڑنے کی ہرگز اجازت نہیں دیتے ہیں؛ اس لئے جو لوگ اعتراض کرتے ہیں وہ حقیقت سے ناواقف ہیں اور ایسے حضرات کی وجہ سے حضرات اکابر کا قائم کردہ تبلیغی مشن بدنام ہو رہا ہے۔ (۱)

”اگر گشت والے عمل کی اہمیت بیان کرنے کے لئے اسی عمل کو قرآن سے اونچا کہا ہے اور اس کی مراد اس سے گشت والا عمل تلاوت قرآن سے بہتر ہونا ہے، تو کوئی بات نہیں ہے، مگر ایسی بھونڈی تعبیر کسی طرح مناسب نہیں ہے۔ اور اگر فی نفسہ گشت والے عمل کو مطلق قرآن سے اونچا کہنا مراد ہے، تو یہ کہنا غلط ہے اور نہایت بھونڈی تعبیر ہے؛ لہذا ان کو اپنی اس حرکت سے باز آ جانا چاہئے اور ایسی گفتگو سے توبہ کر لینی چاہئے؛ کیوں کہ نفس قرآن سے اونچی کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ (۲)

اصلاح مدرسہ میں ہے یا تبلیغی جماعت میں؟

بعض مرتبہ عقیدت و عظمت میں اس طرح کے جملے کہتے ہیں کہ ”جماعت میں نکلنے ہی سے دین و ایمان بنتا ہے، خواہ کیسا ہی بگڑا ہوا آدمی ہو، جماعت میں ٹھیک ہو جاتا ہے اور جماعت کا بگڑا ہوا کہیں بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا“ جبکہ ”اس دور میں اصلاح کے تین طریقے مشہور و معروف ہیں: (۱) مدارس (۲) خانقاہیں (۳) تبلیغی جماعت، اب آدمی کو یہ اختیار ہے کہ وہ ان تین طریقوں میں سے جس طریقے کو چاہے اختیار کرے اور عوام الناس جو لوگ کاروبار اور دنیاوی کاموں میں لگے ہوئے ہیں، ان کے لئے سب سے آسان طریقہ یہی ہے کہ وہ تبلیغی جماعت میں وقت لگائیں اور اس کے ذریعہ اپنی اصلاح کریں اور یہ مشاہدہ کی بات ہے کہ جو آدمی بہت بگڑا ہوا ہوتا ہے، جب اس کا تعلق

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۳۵۹/۴

(۲) مستفاد: کفایت المفتی قدیم: ۱/۱۲۳، جدید زکریا: ۱/۱۷۱، ۱۷۲، بحوالہ فتاویٰ قاسمیہ: ۳۷۰/۴

تبلیغی جماعت سے ہو جاتا ہے تو پھر اس کی زندگی میں کافی حد تک تبدیلی آ جاتی ہے، مثلاً اگر شرابی ہے تو شراب چھوڑ دیتا ہے، چوری ڈکیتی میں مبتلا رہا ہے تو اس سے تائب ہو جاتا ہے۔ اور اسلام پر عمل کرنے کا جذبہ اس کے اندر پیدا ہو جاتا ہے۔

اور مدارس اور تبلیغی جماعت کے درمیان موازنہ کی ضرورت نہیں؛ اس لئے کہ موازنہ ایک نوع کی دو چیزوں میں ہوا کرتا ہے، مثلاً دو مدرسے ہیں، کس میں تعلیم بڑھیا ہوتی ہے، دو استاذ ایک کتاب پڑھاتے ہیں، کون بڑھیا پڑھاتا ہے، اس طرح کا موازنہ کسی حد تک درست ہے؛ اس لئے کہ ایک ہی نوع کی دو چیزیں ہیں، مگر تبلیغ اور مدارس دونوں انداز تربیت کے اعتبار سے دو بالکل الگ الگ طریقے ہیں، ایسی دو چیزوں کے درمیان موازنہ درست نہیں؛ بلکہ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح اور بہتر چیزیں ہیں، ہاں البتہ تبلیغ کی دو جماعتوں میں دو امیر الگ الگ ہیں، دونوں میں سے کس سے زیادہ فائدہ پہنچتا ہے، اس اعتبار سے دو جماعتوں اور دو امیروں کے متعلق موازنہ کیا جاسکتا ہے، مگر تبلیغ اور مدارس کے درمیان موازنہ بے محل ہے، تبلیغی جماعت میں نکلنا اپنی اصلاح اور تربیت کے واسطے ہوتا ہے، دشمنان اسلام سے جہاد کے لئے نکلنا نہیں ہوتا، اسی طرح مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے دور دراز علاقہ میں سفر کر کے پہنچنا دشمنوں سے جہاد کرنے کے لئے جانا نہیں ہوتا۔ (۱)

کیا جماعت میں نکلنے والے کو طالب علم یا عالم کہہ سکتے ہیں؟

① ”تبلیغی جماعت میں نکل کر ان ہی چیزوں کی مشق کرائی جاتی ہے جو چھ نمبر کے دائرہ میں ہوتی ہیں۔ اور چھ نمبر کے دائرہ میں جو باتیں ہوتی ہیں، ان کو سیکھنے اور ان کی طلب میں نکلنے والوں کو ان ہی چیزوں کا طالب کہا جائے گا اور اس درجہ کا طالب ان کو کہا جاسکتا ہے؛ لیکن عرف و اصطلاح میں جس کو طالب علم کہا جاتا ہے وہ وہی ہوتا ہے جو علوم شرعیہ کے حصول میں: فقہ، حدیث، تفسیر کے علماء

کے پاس جا کر علم دین سیکھتے ہیں، جس میں نحو، صرف، بلاغت، بدیع، معانی، اصول فقہ، فقہ، حدیث، تفسیر وغیرہ سب شامل ہیں، ان کے حصول میں محنت کرنے والے کو علوم شرعیہ کا طالب علم کہا جاتا ہے۔ (۱)

(۲) اصطلاح میں عالم دین اس کو کہا جاتا ہے، جس نے علوم دینیہ کے تمام مراحل طے کر کے فقہ، حدیث، تفسیر اور حدیث میں بخاری شریف، ترمذی شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف وغیرہ پڑھ کر کے ان کی سند حاصل کر لی ہو، ان کتابوں کے پڑھے بغیر کسی کو عالم نہیں کہا جاتا ہے۔ (۲)

تبلیغ میں بھیجے گئے اساتذہ کو تنخواہ دینا

”اگر تبلیغی کام بھی مدرسہ کے پروگرام میں شامل ہو تو جو مدرسین جماعت میں جاتے ہیں، ان کا منجانب مدرسہ تنخواہ لینا جائز ہے؛ اس لئے کہ بانیان مدرسہ نے تبلیغ کو اغراض مدرسہ میں شامل کر لیا ہے؛ لہذا منجانب مدرسہ تنخواہ دے کر جماعت میں بھیجنے کا سلسلہ جائز اور درست ہے۔“ (۳)

مساجد میں تبلیغی نصاب سنانے کا موزوں وقت

نمازیوں، وظیفوں، مطالعہ کتب وغیرہ کرنے والوں کو خلل ہو تو ایسی صورت میں ایسا طریقہ نکالا جائے کہ دونوں سلسلے قائم رہ سکیں، مثلاً تعلیم کسی گوشہ، برآمدہ یا صحن میں کی جائے، یا آنے والے نمازی کسی گوشہ میں نماز ادا کریں اور تعلیم محراب کے سامنے ہو جس کا لحاظ دونوں فریق کو کرنا ضروری ہے۔ (۴)

نیز مساجد میں فجر کی نماز کے بعد کتاب کی تعلیم عام طور پر تسبیح و دعا کے بعد ہوتی ہے،

(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۳۸۵/۴

(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۳۸۵/۴

(۳) مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ قدیم: ۲۱۹/۳، جدید زکریا: ۱۴۴/۳، مکتوبات شیخ الاسلام: ۳۵۶/۱، فتاویٰ

قاسمیہ: ۳۸۷/۴

(۴) مستفاد: رحیمیہ قدیم: ۱۰۱/۶، ۱۶۴/۳، جدید زکریا: ۱۰۸/۹، ۹۴

اس درمیان مسبوق اپنی نماز باستانی مکمل کر لیتے ہیں، اب جو لوگ نماز کے مکمل ہونے کے بعد مسجد میں آئیں وہ اپنی نماز ذرا دور ہٹ کر ادا کر لیا کریں، تو اس طرح نماز میں کوئی خلل نہ ہوگا۔ (۱)

فجر کی نماز کے بعد دعا سے قبل تبلیغی نصاب پڑھنے کا اہتمام بہت اچھا ہے، اس سے عام مسلمانوں کو دینی اور اصلاحی فائدہ پہنچتا ہے اور جن لوگوں کو سخت ضرورت ہو وہ دعا میں شرکت کئے بغیر جاسکتے ہیں، تسبیح پوری ہونے تک مسبوق بقیہ نماز پوری کر سکتے ہیں، نیز اگر کسی مقتدی کو یوں ہی جانے کا ارادہ ہے، کوئی سخت ضرورت بھی نہیں ہے، تو تبلیغی نصاب سن کر جانا بہتر ہے۔ (۲)

تبلیغی اصول کی شرعی حیثیت

تبلیغ کے یہ اصول قرآن وحدیث کے مقرر کردہ اصول نہیں ہیں؛ بلکہ اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ اصول ہیں، ان کی پابندی کرنا لازم اور ضروری نہیں، بشرط گنجائش اور بیوی، بچے، ماں، باپ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی بھی نہ ہو تو ان اصولوں کی پابندی میں بڑے فوائد ہیں؛ لیکن بیوی، بچوں کے حقوق کو پامال کر کے اس میں لا پرواہی کر کے تبلیغ کے اصول کی پابندی بھی خیر و برکت کا باعث نہیں بن سکتی، اللہ کے یہاں بیوی کے حقوق کے بارے میں سوال ہوگا؛ لہذا بیوی، بچوں اور گھر والوں کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ جتنی گنجائش ہو سکے تبلیغ کے اصول پر عمل کرے۔ (۳)

اصل یہ ہے کہ دعوت شریعت تو زندہ کرنے کے لیے ہے، ایسا کوئی دعوتی کام انجام دینے کی ضرورت نہیں جس میں حدود شریعت یا مال ہوتے ہوں۔

بیرون سفر کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینا

مرکز میں ایک شخص کے نام پر چاہے وہ مستحق زکوٰۃ ہو یا نہ ہو، زکوٰۃ کی رقم جمع ہوتی

(۱) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۰: ۲۶۷، جدید میرٹھ ۵: ۱۸۰، فتاویٰ قاسمیہ ۴: ۳۹۸

(۱) مستفاد: فتاویٰ محمودیہ قدیم ۱۲: ۱۳۵، جدید ڈابھیل ۴: ۲۲۹

(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۴/۱۸

ہے اور بسا اوقات وہ نصاب کے بقدر یا اس سے بھی زیادہ ہو جاتی ہے؛ لیکن رقم اس شخص کو ادا نہیں کی جاتی، پھر یک مشت ایک لاکھ یا سو لاکھ روپے کی رقم سفر کے وقت ادا کی جاتی ہے، تو کیا یہ شکل جائز ہے؟ اگر نصاب سے زیادہ رقم جمع ہو جائے اس کے بعد زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہوگا؟

مفتی شبیر احمد صاحب جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”صاحب نصاب آدمی کا بیرون ملک دعوت و تبلیغ کے لئے جانے والے کو زکوٰۃ کا پیسہ فراہم کر کے دینا جائز نہیں ہے اور ایسی صورت میں زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ان کو اپنی زکوٰۃ کی خیر منانی چاہئے، جتنا پیسہ دیا گیا ہے اتنی مقدار زکوٰۃ اپنے مال میں سے دوبارہ نکالنا لازم ہے؛ اس لئے کہ جان بوجھ کر کے غیر مصرف میں اپنی زکوٰۃ کا پیسہ دیا ہے اور اس طرح عمل کرنے والوں کے ذریعہ سے تبلیغی مکتب فکر کی بدنامی ہے اور مرکز نظام الدین کے اکابر علماء کے مشورہ کے بغیر جہاں جہاں یہ عمل ہو رہا ہے، یہ تبلیغی جماعت کے لئے خطرناک بدنامی داغ ہے، یہ بنیادی غلطی مرکز نظام الدین کے ذمہ داران کی اجازت کے بغیر اور اصول کی خلاف ورزی کی بنیاد پر ہو رہی ہے، اس کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ (۱)

جو شخص اس قسم کی زکوٰۃ کو جمع کر رہا ہے، مرکز نظام الدین کے اکابر کو اس کے بارے میں نام زد کر کے ضرور اطلاع کرنا چاہئے، تاکہ مرکز نظام الدین کے ذمہ داران حضرات اس پر روک لگائیں اور زکوٰۃ کا جتنا پیسہ اس طرح جمع کیا ہے، اس کا وہ خود ضامن ہوگا، وہ سب مالکان کو واپس کر دینا لازم ہے۔ (۲)

تبلیغی اجتماع کے پنڈال میں جگہ چھوڑ کر نماز پڑھنا

بڑے بڑے تبلیغی اجتماعات میں جب پنڈال میں جماعت ہوتی ہے، تو کبھی کبھی

(۱) مستفاد: کفایت المفتی، زکریا: ۲۹۰/۴، قدیم: ۲۶۴/۴، جدید زکریا مطول: ۲۴۹/۶، ۲۶۸،

محمود بیڈا بھیل جدید: ۵۴۶/۹، معارف القرآن: ۴/۴، فتاویٰ قاسمیہ: ۴۳۴/۴

(۲) مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل غیر مبوب: ۴۰۴/۳، ۵، ۱۷۸-۱، مکتبہ نعیمیہ، فتاویٰ قاسمیہ:

درمیان میں کئی صفوں کی جگہ چھوڑ کر پیچھے صف بنالی جاتی ہے، چونکہ تبلیغی اجتماعات میں جو پنڈال ہوتا ہے وہ وقتی طور پر مکان واحد کے حکم میں ہو جاتا ہے؛ لہذا اگر اس میں دو تین صفوں کا فاصلہ درمیان میں رہ جائے تب بھی اقتدا درست ہو جائے گی؛ لیکن کئی کئی صفوں کو خالی چھوڑنے کی وجہ سے نماز مکروہ ہوگی۔ (۱) یاد رہے کہ راستہ وغیرہ کی ضرورت کی وجہ سے جگہ چھوڑی جاسکتی ہے کتب فقہ میں اس کی تفصیل دیکھی جاسکتی ہے۔

تبوک کی آیات کو الیاسی تبلیغ پر منطبق کرنا

① جو تبلیغی علماء ان آیات و احادیث کو جو قتال کے ساتھ خاص ہیں ان آیات و احادیث میں بیان کئے گئے فضائل یعنی جہاد بمعنی قتال کے فضائل دیگر دینی جد و جہد اور کوشش پر ملے گا۔ بعض علماء کا یہ کہنا کہ لفظ جہاد قتال کے علاوہ دوسرے معنی میں بھی آیا ہے اس لئے قتال کا ثواب تمام دینی جد و جہد میں ملے گا۔

② کیا فضائل کا مدار شرعی معنی پر ہے یا لغوی معنی پر جس طرح نماز، زکاۃ، صوم اور حج وغیرہ بھی اپنے اصطلاحی معنی کے علاوہ لغوی اعتبار سے دیگر معانی میں استعمال ہوا ہے؟ کیا کسی نے یہ نظریہ بنایا؟ کہ نماز کا ثواب درود پر۔ زکاۃ کا ثواب صفائی پر۔ روزے کا ثواب تھوڑی دیر بھوکا رہنے پر۔ اور حج کا ثواب نیت و ارادہ پر ملے گا؟ اگر یہ نظریہ درست ہے کہ وہ آیتیں اور حدیثیں جو قتال کے ساتھ خاص ہیں ان کا ثواب تبلیغی جماعت یا دیگر جد و جہد پر ملے گا تو صریح دلیل قرآن پاک سے۔ یا حدیث پاک سے۔ یا اجماع صحابہ سے۔ یا مجتہدین سے پیش کیجئے گا (آپ کا شکر گزار رہوں گا)۔ مثال کے طور پر انفر و اخفا و ثقلا لا الخ قتال کے ساتھ خاص ہے اس آیت کو دیگر دینی جد و جہد پر فٹ کرنا تحریف معنوی ہے یا نہیں؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

① ② قرآن و حدیث میں مختلف عبادات اور دینی کاموں کے جو فضائل آئے ہیں، ان

کا مدار محض لغوی معنی پر نہیں ہے؛ بلکہ شرعی معنی اور شرعی حقیقت پر ہے اور قرآن وحدیث میں جو نصوص جہاد بمعنی قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ خاص ہیں، انہیں قتال فی سبیل اللہ کے علاوہ کسی اور دینی خدمت پر فٹ کرنا یا اس کے لیے بھی قتال فی سبیل اللہ کے فضائل ثابت کرنا درست نہیں۔

③ انفر و اخفاناً الآیہ کی آیت قتال فی سبیل اللہ کے ساتھ خاص ہے، یہ غزوہ تبوک کے بارے میں نازل ہوئی ہے؛ اس لیے اس آیت کو کسی اور دینی جدوجہد یا خدمت پر فٹ کرنا صحیح و درست نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

تبلیغ میں گئے بغیر مر جائے تو ایمان سیکھے بغیر مرے گا

ہمارے تبلیغی بھائی اکثر یہ کہتے ہیں کہ چار مہینے لگاؤ، اگر کسی نے چار مہینے نہ لگائے ہوں تو وہ اس کو کہتے ہیں کہ یہ اگر مر گیا تو ایمان سیکھے بغیر مرے گا۔ کیا کسی کو اس طرح کہنا درست ہے؟

ایمان اور اس کے مقتضیات (نیک اعمال کو اختیار کرنا گناہوں سے اجتناب کرنا) کا سیکھنا یعنی بقدر ضرورت دین حاصل کرنا ہر شخص کے ذمہ واجب ہے، اگر کوئی شخص ایسے ماحول و مشاغل میں گھرا ہوا ہے کہ علاوہ جماعت تبلیغ میں نکل کر دین سیکھنے کے اس کو موقعہ ہی میسر نہیں، اگر اس نے وقت فارغ نہ کیا اور اسی حالت میں موت آگئی تو دین سیکھے بغیر موت کا آجانا ظاہر ہے، البتہ جو شخص دیگر ذرائع سے علم حاصل کرتا رہتا ہے اور دین سیکھنے کے دوسرے طرق اختیار کیے ہوئے ہے اس شخص کے متعلق اس قسم کا قول درست نہیں ہے اگرچہ اس قسم کا قول کفریہ بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۲)

کچھ اور اہم مسائل

☆ روحانی بیماری اور علاج کو بہانہ بنا کر تبلیغی جماعت میں ضابطہ سے زیادہ چھٹی لینا

(۱) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، 1438/N=10/1027- 965:Fatwa

(۲) دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند، فتویٰ: 1039ھ=1025ھ

دھوکہ ہے، بیماری جب عرف عام میں بولی جاتی ہے تو جسمانی امراض ہوتے ہیں۔ (۱)

☆ جاہل آدمی کا اپنی طرف سے نصیحت کرنا اور بے سند باتیں کرنا دوست نہیں، البتہ اگر وہ اپنی طرف سے کوئی بات نہ کہے، بلکہ کسی معتبر کتاب یا عالم کی حوالہ سے صحیح اور مستند باتیں نقل کرے تو اس کی اجازت ہے۔ (۲)، بہت کم عامی ایسے ہیں جو بات نقل کرنے کا سلیقہ اور احتیاط رکھتے ہوں۔

☆ معلوم ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ اور صدقات واجبہ میں مالک بنانا ضروری ہے، اس لیے بغیر تملیک کے اس قسم کی رقومات اجتماعات اور جماعتوں کی ضیافت میں استعمال نہیں کر سکتے ہیں، البتہ صدقات نافلہ یا ہدایا و عطایا اجتماعات میں لگا سکتے ہیں، باقی آنے والی جماعتوں میں ہر قسم کا آدمی ہوتا ہے، ان کی اعداد کرتے ہوئے مستحق غیر مستحق کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔



(۱) کتاب النوازل: ۳۶۷/۲

(۲) فتاویٰ محمودیہ، کتاب النوازل: ۳۹۵/۲

سفر تبلیغ کے فقہی احکام

ایک ہی شہر کے مختلف محلوں میں چلہ لگانے والی جماعت مقیم ہے یا مسافر؟
اگر شہر کے حدود کے اندر پندرہ بیس دن یا ایک مہینہ قیام کا پہلے سے ارادہ ہے، تو شہر میں داخل ہونے کے بعد یہ جماعت مقیم بن گئی ہے، چاہے شہر کے مختلف محلوں و مسجدوں میں نماز پڑھی جا رہی ہو، ایک مسجد میں نماز پڑھنا شرط نہیں۔ ”ولا یزال علی حکم السفر حتی ینوی الإقامة فی بلدة أو قرية“ (۱)
دعوتی مراکز کے مقیمین کی نیت اقامت معتبر ہے یا نہیں؟

مرکز تبلیغ حضرت نظام الدین بنگلہ والی مسجد میں رہنے والوں کی مختلف قسمیں ہیں، ایک قسم ان حضرات کی ہے، جنہیں مکان ملا ہوا ہے اور وہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ یہاں رہتے ہیں، دوسری قسم ان حضرات کی ہے جنہیں رہنے کے لئے صرف ایک کمرہ ملا ہوا ہے اور وہ یہاں تنہا رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان حضرات کی ہے، جو دو ماہ یا ایک ماہ کے لئے یہاں آتے ہیں اور حال یہ ہے کہ یہاں چاروں طرف سے دعوت کے تقاضے آتے رہتے ہیں، اندرون ملک سے اور بیرون ملک سے بھی؛ اس لئے ان رہنے والے حضرات کو مشورہ سے طے کر کے تقاضہ پورا کرنے کے لئے یہاں سے بھیجا جاتا ہے۔ اور جس کا جہاں جانا طے ہو جاتا ہے، وہ وہاں چلا جاتا ہے، تینوں قسم کے رہنے والوں کا حال یہی ہے، کسی کی کوئی تخصیص نہیں، گویا مرکز میں رہنے والا ہر فرد مشورہ کے

تابع ہے، یہاں تک کہ مرکز کے اکابر میں سے بھی ہر ایک کا یہی حال ہے، یہ تینوں قسم کے حضرات اگر اقامت کی نیت کریں تو معتبر ہوگی یا نہیں؟

سوال نامہ میں ذکر کردہ تینوں قسم کے افراد میں سے اول الذکر حضرات جو اپنی فیملی کے ساتھ مرکز نظام الدین میں مقیم ہیں، ان کے لئے مرکز نظام الدین وطن تاہل ہے، جو وطن اصلی کے حکم میں ہے؛ اس لئے وہ حضرات ہمیشہ ہر حال میں وہاں نمازوں کا اتمام کریں گے، ان کے لئے قصر جائز نہ ہوگا، اگرچہ وہ حضرات بھی مشورہ ہی کے تابع ہوں۔ (۱)

اور مؤخر الذکر دونوں قسم کے حضرات جو بغیر فیملی کے وہاں مقیم ہیں، چاہے ان کو کمرہ ملا ہو یا نہ ملا ہو، مرکز نظام الدین ان کا وطن اصلی یا وطن تاہل نہیں ہے؛ لہذا ان کے وہاں پر شرعی مقیم ہونے کے لئے مستقل بالرائے ہونا شرط ہے اور چونکہ جو لوگ جماعت کے کام کے لئے وہاں قیام کرتے ہیں، وہ وہاں کے مشورہ کے تابع ہوتے ہیں اور اس تابعیت کا علم بھی پہلے سے سب کو ہے؛ لہذا وہ لوگ مستقل بالرائے نہیں ہیں؛ اس لئے اقامت کے بارے میں مشورہ کے تابع ہوں گے؛ لہذا اگر مشورہ کمیٹی نے پندرہ روز سے زائد قیام کا فیصلہ کر دیا ہے، تو مقیم ہوں گے، نمازوں کا اتمام کریں گے اگرچہ پندرہ روز مکمل ہونے سے قبل پھر مشورہ کمیٹی نے سفر میں روانہ کر دیا ہو۔ (۲)

عمر بڑھنے سے گناہ معاف ہونے کے حدیث

”جتنی عمر بڑھتی جائے گی اس سے دس سال کے معاصی کی مغفرت ہوتی جائے گی۔“ اس مضمون کی کوئی حدیث کہیں نظر سے نہیں گزری، البتہ بڑی عمر کی فضیلت میں یہ حدیث مروی ہے کہ ”من شاب شبیۃ فی الاسلام کانت لہ نور ایوم القیامۃ“ (۳)

(۱) بحوالہ امداد الاحکام: ۲/ ۳۰۹

(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۴/ ۴۴۳

(۳) الجامع الصغیر: ۱۷۳۔

کہ جو شخص اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو گیا ہو تو بڑھاپے کی سفیدی اس کے لئے قیامت کے دن نور ہوگی، اور ابو داؤد کی روایت میں الفاظ یہ ہیں "لا تنتفوا الشیب فانہ نور المسلم، من شاب شیبۃ فی الاسلام کتب اللہ لہ بہا حسنة و کفر عنہ خطیئة و رفعہ بہا درجۃ" رواہ ابو داؤد (۱) کہ سفید بالوں کو مت نوچو کیونکہ وہ مسلمان کا نور ہے، جو شخص اسلام کی حالت میں بوڑھا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی بناء پر ایک نیکی لکھے گا، اور ایک خطا معاف کرے گا اور ایک درجہ میں اضافہ فرمائے گا۔ (۲)



(۱) مشکاة کتاب اللباس، باب الترجل، ص: ۳۸۲

(۲) فتاویٰ عثمانی: ۱/۲۲۵

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کا ایک مفصل فتویٰ

دنیا چاہتی ہے کہ پورے عالم اسلام ہی نہیں انسانی معاشی نظام میں حضرت شیخ الاسلام کا کیا مقام ہے، اسلامی قانون، خاندانی نجابت، اکابر کی طویل صحبت، دعوتی و اصلاحی عالمی اسفار، قدیم و جدید علوم پر نظر، ان سب کے ساتھ جمہور امت کے افکار کی پابندی اور امت مسلمہ کا آپ پر اعتماد، یہ سب ایسے اوصاف ہیں جن میں حضرت بے مثال رہے ہیں، ذیل کا فتویٰ (پوری صراحت کے ساتھ نہایت علمی انداز میں دینی محنت کی قدر کرتے ہوئے) فکری و علمی اغلاط کی نشاندہی کرتا ہے، پوری کتاب کے بجائے ایک طالب حق کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کے باوجود ان ممنوعہ باتوں کو دھرانا شریعت اسلامی میں تحریف یا جماعتی جانبداری میں مدافعت ہے، اس مریضانہ ذہنیت کے ساتھ کوئی عند اللہ مقبول نہیں قرار دیا جاسکتا ہے۔

سیدی حضرت اقدس حضرت مولانا جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مزاج گرامی! دل سے دعائیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کو ہمیشہ صحت و عافیت کے ساتھ خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

حضرت! اس ناکارہ کے دل میں حضرت کی جو محبت و عظمت ہے اس کے اظہار میں طوالت ہو جائے گی۔ مختصراً عرض ہے کہ حضرت کے لیے دل و جان سے، دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعائیں نکلتی رہتی ہیں، حضرت کی مصروفیات تو واقعی ہوتی ہیں، تاہم ایک مسئلہ میں حضرت کی رائے مطلوب ہے۔ دوسری کسی جگہ سے حضرت جیسی تسلی متوقع نہیں تھی۔ امید ہے جواب سے بہر مند فرمائیں گے۔

حضرت اکابر کی کتابوں میں اور حضرت کے ایک مستقل وعظ دین کی حقیقت تسلیم و رضا میں یہ بات دل میں بیٹھ گئی ہے کہ دین شوق پورے کرنے کا نام نہیں بلکہ اس وقت جو حکم اور وقت کا تقاضا ہو اس کے پورے کرنے کا نام دین ہے، لیکن دوسری طرف اپنے اکابر تبلیغی جماعت والوں کے ہاں دین کی حقیقت کو ”قربانی“ کے نام سے پیش کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے تردد ہوتا ہے کہ صحیح طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔

مثلاً ہمارے پاکستان کے سابقہ امیر..... صاحب مدظلہم کا جس ہفتہ کا سہ روزہ متعین تھا اسی ہفتہ ان کے سر کا انتقال ہو گیا۔ اب وہ اس سوچ میں تھے کہ کیا کریں؟ تسلیم و رضا کے پیش نظر تو سہ روزہ کو اس ہفتہ مؤخر بھی کیا جاسکتا تھا تا کہ غمزدہ بیوی کو شوہر کے ساتھ رہنے سے تسلی ہو، لیکن امیر صاحب پاکستان نے سہ روزہ کو مقدم رکھا اور چلے گئے۔ واپسی پر فکر مند تھے کہ بیوی خفا ہوگی لیکن بیوی خلاف توقع بہت محبت سے پیش آئی۔ اور عرض کیا کہ رات اباجی خواب میں ملے تھے۔ انہوں نے کہا کہ..... آئے تو اس پر خفا نہ ہونا۔ اس کے سہ روزہ پر جانے سے اللہ تعالیٰ نے میری مغفرت فرمادی ہے۔ اب تسلیم و رضا کے تحت نہ نکلتے تو یہ مغفرت کا بہانہ کیسے بنتا؟

اکثر اکابر تبلیغ والوں سے سنتے ہیں کہ انتظامی چلوں اور سالوں سے ثواب تو ہوتا ہے لیکن کفر نہیں ٹوٹے گا۔ کیونکہ اس کیلئے ”قربانی“ شرط ہے کہ گھر میں بیوی بیمار ہے، کھیت میں فصل تیار ہے، جیب میں رقم نہیں، حالات خراب ہیں، تب نکلے گا تو ہدایت عام ہوگی۔ اب تسلیم و رضا کے پیش نظر جب بیوی بیمار ہے تو اس کی دلجوئی ضروری ہے۔ فصل

تیار ہے تو کٹائی ضروری ہے۔ اب اس میں تسلیم و رضا کو دیکھا جائے یا قربانی کو۔ غالباً غزوہ تبوک میں کھجور بالکل پکی ہوئی تھیں لیکن دین کی حقیقت قربانی کے پیش نظر صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے میں نکل گئے۔

ایک صاحب نے ایک عالم سے پوچھا کہ ایک شخص اللہ کے راستے میں نکلنا چاہتا ہے لیکن اس کا بوڑھا والد نابینا ہے، جوان بیوی ہے اور آس پاس ماحول بھی سازگار نہیں، اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں۔ اس عالم نے کہا کہ صورت مسئلہ میں یہ شخص اگر نکلتا ہے تو بڑا ظالم ہے۔ اس عالم کو بتایا گیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر کی یہی حالت تھی جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے تھے، اب تسلیم و رضا کے تحت تو نہ نکلنا سمجھ میں آتا ہے لیکن بزرگ کہتے ہیں کہ جب اسی حالت میں نکلے گا تو جہاں کفر ٹوٹے گا، وہاں اس کا یقین بھی بنے گا اور گھر والوں کا یقین بھی بنے گا کہ حقیقی محافظ اور رازق تو اللہ ہے۔

بعض لوگوں سے یہ بھی سنتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت چونکہ بلوغ اسلام نہیں ہوا تھا، اس لئے ان پر یہ ذمہ داری بڑھی ہوئی تھی۔ اب تو بلوغ اسلام ہو گیا ہے اب ویسی ذمہ داری نہیں جبکہ تبلیغ والے کہتے ہیں کہ جب بے دینی اور دین سے دوری اسی دور کے مثل عود کر آئی ہو تو کیا حکم وہی عود کر نہیں آئے گا؟

اکابر اہل علم، تبلیغ میں نکلنے کی شرعی حیثیت کو فرض کفایہ کہتے ہیں جبکہ تبلیغ کے بزرگ کہتے ہیں کہ کفایہ کا مطلب تو یہ ہے کہ وہ فرض کی ادائیگی میں کفایت بھی کر جائے۔ اب اربوں انسان دین سے دور ہیں۔ تو کیا سینکڑوں اور ہزاروں کا نکلنا اس فرض کی ادائیگی میں کفایت کر رہا ہے؟

بعض ساتھیوں سے یہ بھی سنتے ہیں کہ ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے تو افطار کروادیئے تھے لیکن تبلیغی سفر موقوف نہیں فرمایا۔ اسی طرح حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو جب غسل جنابت کی حاجت تھی، وقت کا تقاضا تو غسل تھا، لیکن انہوں نے اسی ناپاکی کی حالت میں اللہ کے راستے کو مقدم رکھا۔

حضرت! امید ہے میں نے اپنے اشکال کی وضاحت کافی حد تک کر دی ہے۔ مزید طوالت مناسب نہیں لگتی۔ حضرت اپنی فقیہانہ بصیرت و خداداد فہم کے تحت اس بات کی کسی قدر تفصیل سے وضاحت فرمادیجئے کہ بعض اوقات جب دین کا تقاضا تبلیغ والے پیش کرتے ہیں تو اس وقت کوئی نہ کوئی شرعی تقاضا بھی درپیش ہو جائے تو تسلیم و رضا کے تحت اس تقاضے کو پورا کیا جائے یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح قربانی کر کے ان تقاضوں کو مؤخر کر دیا جائے؟

حضرت! مذکورہ اشکال کے ساتھ ایک بات ضمناً عرض کرتا چلوں کہ بعض امور میں اکابر اہل علم اور اکابر اہل تبلیغ کے زاویہ نگاہ میں کچھ فرق محسوس ہوتا ہے۔ مثلاً عام اہل علم تبلیغ میں نکلنے کو فرض کفایہ اور تبلیغ والے فرض عین بتلاتے ہیں، جیسے آج سے نصف صدی قبل حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحبت اہل اللہ کے فرض عین ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ کیونکہ بدون صحبت اہل اللہ اس وقت اصلاح ظاہر و باطن قریب قریب ناممکن تھی۔ اب یہ بات بھی مشاہدہ ہے کہ نکلنے سے نہ صرف عوام بلکہ علماء کرام کی دینی حالت میں جو انقلاب آتا ہے اس کا خود مشاہدہ ہے اور ناقابل انکار حقیقت ہے۔ تو اگر مقدمۃ الواجب واجب کے تحت نکلنے کو فرض عین بتلایا جائے تو اس کی کیا شرعی حیثیت ہوگی؟

والسلام

بندہ محمد راشد

جواب: مکرمی و محترمی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

(۲) تبلیغی جماعت سے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم کا تفصیلی فتویٰ اسی جلد کی

"فصل فی الدعوة والتبلیغ" میں ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد زبیر عفی عنہ)

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ آپ احقر نا کارہ کے لیے جس طرح دعائیں کرتے ہیں، اس پر کس زبان سے شکر ادا کروں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بہترین صلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں، آمین۔

آپ نے تبلیغی جماعت کے بارے میں جو باتیں پوچھی ہیں، ان کے بارے میں چند اصولی باتیں عرض کرتا ہوں، خدا کرے کہ وہ باعث اطمینان ہوں۔

[۱] جب جہاد فرض عین ہو جائے تو اس وقت ایک ایمر جنسی کی حالت ہوتی ہے، اس وقت نہ تجارت جائز ہے، نہ بیوی بچوں کے عام حقوق اس طرح باقی رہتے ہیں جیسے امن کی حالت میں ہوتے ہیں اور نہ جہاد کے سوا کوئی اور ایسا کام جائز ہوتا ہے جو جہاد کے منافی یا اس کی راہ میں رکاوٹ بننے والا ہو (۱)۔ آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک کی جتنی مثالیں پیش کی ہیں، وہ سب اسی حالت سے متعلق ہیں، غزوہ تبوک میں جہاد کے فرض عین ہونے کا اعلان خود قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا تھا (۲) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ٹوک الفاظ میں واضح فرما دیا تھا، لہذا پکی ہوئی کھیتیاں یا گھر والوں کے مسائل اس فرض عین کی ادائیگی میں مانع نہیں ہو سکیں۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے جانباز صحابی کو حکم دیا کہ وہ مدینہ منورہ میں رہ کر کمزوروں کی دیکھ بھال کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خواہش تو یہ تھی کہ وہ جہاد کی فضیلت حاصل کریں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی وجہ سے تسلیم و رضا کی خاطر مدینہ منورہ میں رہے، اور کمزوروں کی دیکھ بھال کی (۳) حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ایسے ہی وقت کا ہے جب

(۱) تفصیل کے لیے حضرت والا دامت برکاتہم کی تصنیف "تکملہ فتح الملہم" کتاب الامارۃ، مسئلۃ فرضیۃ الجہاد: ۳/۴۷۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ما کان لاهل المدینۃ و من حولہم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول اللہ ولا یرغبوا بانفسہم عن نفسہ، الآیۃ (سورۃ التوبۃ ۱۲۰)

(۳) وفی صحیح البخاری باب من حبسہ العذر عن الغزو: ۳۱۸/۱ حدثنا احمد بن یونس ثنار ہیر ثنا حمید ان انساً حدثہم قال رجعنا عن غزوۃ تبوک مع النبی ﷺ ح و ثنا سلیم بن حرب ثنا حماد ہو ابن زید عن حمید عن انس ان النبی ﷺ کان فی غزوۃ فقال ان اقواما بالمدينة خلفنا ما سلكنا شعبا ولا واديا الا وهم معنا فیه حبسہم العذر الخ۔ و کذا فی صحیح مسلم: ۱۴۱/۲ (طبع قدیمی کتب خانہ)۔

دشمن حملہ آور ہو چکا تھا اور جہاد فرض عین تھا (۱) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت فرض ہو چکی تھی، اور انہوں نے اسی فریضے کو ادا فرمایا ورنہ عام حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کو جہاد پر مقدم قرار دیا، اور ایسے صحابہ رضی اللہ عنہ کو لوٹا دیا جو والدین کو روتا چھوڑ کر جہاد کے لیے آئے تھے (۲)۔

اگر سہ روزہ یا چلے پر نکلنا اسی درجے میں فرض عین قرار دیا جائے جس درجے میں جہاد نفیر عام کے وقت فرض ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہوگا کہ تجارت، صنعت، زراعت کچھ جائز نہ ہو، بلکہ ہر انسان ہر وقت تبلیغی سفر پر ہی رہے، جیسا کہ جہاد کے فرض عین ہونے کے وقت دوسرا کوئی کام جائز نہیں ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ اگر سہ روزہ یا چلے لگانا فرض عین ہے تو اس کی حد کیا ہے؟ کیا قرآن و حدیث کا کوئی حکم اسکی تعیین کرتا ہے؟ دوسرے سہ روزہ لگانے کے بعد جب آدمی پورے مہینے تجارت یا زراعت میں مصروف ہوگا تو کیا اس وقت تبلیغی سفر فرض عین نہیں ہوگا؟ اگر نہیں ہوگا تو وہ فرض عین کہاں رہا؟ اور ہوگا تو تجارت اور کسب معاش کیسے جائز ہوا؟

[۲] آپ نے لکھا ہے کہ ”ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے تو افطار کرادیئے،

(۱) وفي المغنی لابن قدامة: ۹/۱۷۴ (طبع دار الفکر بیروت) مسئلة قال و واجب علی الناس اذا جاء العدو ان ینفروا المقل منهم و اکثر ولا یخرجوا الی العدو الا باذن الامیر الا ان یفجأهم عدو غالب یخافون کلبه فلا یمکنهم ان یستأذنوه ان النفر یم جمیع الناس ممن کان من اهل القتال حین الحاجة الی نفیرهم لمحجیء العدو الیهم ولا یجوز لاحد التخلف الا من یحتاج الی تخلفه لحفظ المکان و الاهل و المال و من یمنعه الامیر..... و ذلك لقول الله تعالى انفروا خفا و ثقالا، التوبة، و قول النبی ﷺ اذا استنفرتهم فانفروا..... و قال بعد اسطر و قد نفر من اصحاب رسول الله ﷺ و هو جنب یعنی غسیل الملائكة حنظلة ابن الراهب الخ۔

(۲) دیکھئے: الصحيح لمسلم: ۲/۳۱۳ (طبع قدیمی کتب خانہ) و جامع الترمذی: ۱/۲۰۰ (طبع فاروقی کتب خانہ)۔

لیکن تبلیغی سفر موقوف نہیں فرمایا، ”اولاً تو یہ تبلیغی سفر نہیں تھا، فتح مکہ کے جہاد کا سفر تھا۔ (۱) دوسرے روزے مشقت شدیدہ کی وجہ سے افطار کرائے گئے۔ موقوف کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، زیادہ سے زیادہ شدید گرمی تھی، مگر صرف اتنی بات سے جہاد کو ترک کرنا ضروری نہ تھا۔ کیونکہ اس مشقت کا اثر زیادہ سے زیادہ اپنی ذات پر تھا، کسی کا حق یا مال تلف نہیں ہو رہا تھا۔

[۳] آپ نے فرض کفایہ کا جو مطلب لکھا ہے اگر کفایہ کا یہی مطلب ہے تو پوری تاریخ اسلام میں جہاد کو کبھی ”فرض کفایہ“ نہ ہونا چاہئے تھا، کیونکہ غیر مسلموں کی تعداد تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کے تین گنے سے بھی ہمیشہ زائد رہی ہے، کروڑوں انسان ہر دور میں دین سے دور رہے ہیں، لہذا جب فقہائے امت نے جہاد کو فرض کفایہ قرار دیا تو کیا اس وقت دنیا کی اکثریت مسلمان ہو گئی تھی؟ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ جو ظاہر ہے کہ اس وقت کی دنیا کی آبادی کا بہت مختصر حصہ تھا۔ لیکن کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغی سفر کو فرض عین قرار دے کر کبھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ حکم دیا کہ وہ سب اپنے حقوق واجبہ ترک کر کے

(۱) وفي الترمذی ج ۱ ص ۸۹ (طبع فاروقی کتب خانہ) باب ما جاء في كراهية الصوم في السفر، عن جابر بن عبد الله ان رسول الله ﷺ خرج الى مكة عام الفتح فصام حتى بلغ كراع الغميم و صام الناس معه فقليل له: ان الناس شق عليهم الصيام، وان الناس ينظرون فيما فعلت فدعا بقدح من ماء بعد العصر فشرب والناس ينظرون اليه، فافطر بعضهم وصام بعضهم..... الخ۔

وفي جامع الترمذی، ابواب فضائل الجهاد باب في الفطر عند القتال ج ۱ ص ۲۰۱ و ص ۲۰۲ (طبع مذکور) عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال: لما بلغ النبی ﷺ عام الفتح مر الظهران فأذننا بلقاء العدو فامرنا بالفطر فافطرننا اجمعين، هذا حديث حسن صحيح۔ مزید احادیث اور تفصیل کیلئے دیکھئے: درس ترمذی ج ۲ ص ۵۵۵۔ (محمد زبیر حق نواز)

دوسرے شہروں اور ملکوں میں جائیں؟ واقعہ یہ ہے کہ ”فرض کفایہ“ کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ اگر مسلمانوں کی جماعت یہ کام کر رہی ہے تو اس کا یہ عمل دوسروں کے فریضے کی ادائیگی کیلئے بھی کافی ہو جاتا ہے۔

[۴] تسلیم و رضا اور قربانی میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت قربانی چاہتی ہے، کبھی یہ قربانی جان کی ہوتی ہے۔ کبھی مال کی، کبھی خواہشات کی، جب آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تبوک جانے سے روکا اور انہوں نے سر تسلیم خم کر دیا تو یہ تسلیم و رضا بھی تھی اور خواہش کی قربانی بھی، جب آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو جنگ بدر میں شرکت سے روکا اور انہوں نے اطاعت کی تو یہ بھی خواہش کی قربانی تھی، جب جہاد فرض عین ہو جائے اس وقت جان، مال اور دنیوی خواہشات کی قربانی دی جاتی ہے، اور جب فرض کفایہ ہو اور انسان کے لیے شرعاً جائز ہو تب بھی وہ انہی چیزوں کی قربانی پیش کرتا ہے، لیکن جب تک فرض عین نہ ہو، یہ قربانی اپنی ذات کی حد تک محدود رہتی ہے، دوسرے اصحاب حقوق کی قربانی نہیں کی جاتی، ہاں اگر اصحاب حقوق اپنے حقوق خوشی سے چھوڑ دیں تو ان کے لیے باعث اجر ہے، اور اس صورت میں جہاد یا دعوت کے کام میں شرکت باعث اجر عظیم ہے۔ آپ نے جن بزرگ کی مثال دی کہ ان کے سر کا انتقال ہو گیا تھا۔ پھر بھی وہ سہ روزہ پر چلے گئے، ان کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اگر ان کی اہلیہ کو ان کے جانے سے کوئی ناقابل برداشت تکلیف نہیں ہوئی تو شرعاً ان کا یہ عمل ناجائز نہیں تھا۔ البتہ افضل ہونے میں رائیں مختلف ہو سکتی ہیں۔ اور خواب کوئی شرعی حجت نہیں ہے جس سے کسی حکم شرعی پر استدلال کیا جائے۔

[۵] یہ بات احقر کی فہم ناقص سے بالاتر ہے کہ تبلیغ میں نکلنے پر ہمیشہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جہاد کے واقعات سے استدلال کیا جاتا ہے، لیکن عملاً جہاد کے بارے میں

طرز عمل یہ ہے کہ گویا جہاد کوئی شرعی فریضہ ہی نہیں ہے، بلکہ اسے عملاً منسوخ سمجھا جاتا ہے اور جہاد کی بعض اوقات مخالفت بھی کی جاتی ہے۔

[۶] مذکورہ بالا گذارشات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں تبلیغی جماعت کا مخالف ہوں، یا یہ کہ تبلیغ کے کام کو اہمیت نہیں دیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ تبلیغ کا کام نہایت اہمیت کا حامل ہے، خاص طور پر تبلیغی جماعت نے بفضلہ تعالیٰ مجموعی حیثیت سے بڑا قابل تعریف کام کیا ہے اور اس سے امت کو بہت فائدہ پہنچا ہے، لیکن کسی کام کی اہمیت واضح کرنے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ اسے ہر قیمت پر فرض عین قرار دیا جائے۔ دوسرے، جہاں تبلیغی جماعت کے ساتھ تعاون و تناصر ضروری ہے، وہاں بعض غلو آمیز باتوں کی اصلاح بھی ضروری ہے جو بعض نووارد یا حدود کی رعایت نہ رکھنے والے حضرات سے سرزد ہوتی رہتی ہیں، اور اب بعض اوقات احکام شرعیہ میں تصرف کی حد تک پہنچ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی صحیح فہم اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ (۱)

مسجد میں بلند آواز سے فضائل کی کتاب پڑھنا

مسجد میں فضائل کی کتاب پڑھنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ مفید ہے، البتہ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس سے نمازیوں کی نماز میں خلل نہ پڑے، لہذا اگر نمازی نماز میں مشغول ہوں تو ان سے دور ہٹ کر کتاب پڑھی جائے یا ان کے فارغ ہونے کا انتظار کیا جائے، نمازیوں کو دوسری جگہ نماز پڑھنے کو کہنا درست نہیں۔

”كما يفهم من عبارة الشامية تحت قول الدر: ورفع صوت

بذكر الاللمتفق، وفي حاشية الحموي عن الامام الشعراني

اجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة في المساجد

وغيرها الا ان يشوش جهرهم على نائم او مصل او قارى“۔

خلاصہ اور مقصود یہ ہے کہ کسی بھی اجتماعی تعلیم، درس تفسیر و حدیث کو منبر و محراب سے کرتے ہوئے لاوڈ اسپیکر کے یا اپنی آواز کے استعمال میں ضرورت کا خیال رکھنا چاہئے، مسبوق نمازی حضرات کی نماز میں خلل نہ ہو، یہ اصلاح مقصود ہے۔
تبلیغی چندہ کا حکم

دینی و تبلیغی اجتماعات وغیرہ کے انتظام کے لیے صرف نفلی صدقات سے امداد جائز ہے، نذر کی اشیاء، سود کا پیسہ اور زکوٰۃ کی رقم کا ان اجتماعات میں صرف کرنا جائز نہیں، اور ان تمام رقوم کو مستحق زکوٰۃ فقیر کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے۔ (۱)
جو چندہ اور عطیہ تبلیغی اجتماعات یا کسی خاص دینی مجلس کے لیے ہی آیا ہوا ہے اس کو اسی مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہے اگر مصرف بدلنا ہو تو دینے والوں کو مطلع کرنا چاہئے۔ (۲)



(۱) فتاویٰ قاسمیہ: ۵/ ۴۳۴

(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۵/ ۴۳۷

مساجد و مدارس کا دعوتی کردار

مساجد دعوتِ دین کے مراکز

مساجد مسلمانوں کے لئے ایک عظیم نعمت ہیں، ان کے ذریعہ جہاں مسلمان آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں، وہیں دنیاوی مسائل بھی حل کر سکتے ہیں، مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد رسول اکرم ﷺ نے سب سے پہلے مسجد کی تعمیر پر توجہ فرمائی، اس لئے کہ مسجد اسلامی معاشرہ کی اولین ضرورت ہے، مساجد کے بغیر اسلامی معاشرہ کا تصور ناممکن ہے، مکہ مکرمہ میں کفار و مشرکین کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے منصوبہ بند طریقہ سے دعوت کا کام مشکل تھا، جب رسول ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منتقل ہوئے تو آپ ﷺ نے منصوبہ بند طریقہ پر دعوتی کام کا آغاز کرنے کے لئے مسجد نبوی کی تعمیر فرمائی، مدینہ منتقل ہونے کے بعد مسلمانوں کو کئی ایک مسائل درپیش تھے، جو اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل تھے، لیکن رسول اکرم ﷺ نے ان سارے مسائل کو روک کر سب سے پہلے مسجد کی طرف توجہ فرمائی، اس لئے کہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ مسجد کے بغیر دعوتی کام کا باقاعدہ آغاز ممکن نہیں، موجودہ دور میں مسلمانوں کا المیہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے مساجد کی دعوتی اہمیت کو نظر انداز کر دیا ہے، مساجد کو صرف عبادات ہی تک محدود کر دیا گیا ہے، مساجد کے اجتماعی معاشرتی اور دعوتی پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو اس سے اچھنبہا سا محسوس ہونے لگتا ہے، عہدِ نبوت اور خلفاء راشدین کے دور میں مساجد اسلامی معاشرہ کا اٹوٹ حصہ تھیں، مسلمانوں کے دینی اجتماعی اور معاشرتی امور مساجد ہی میں

طے پاتے تھے، نبی کریم ﷺ مسجد نبوی میں بیٹھ کر مقدمات سماعت فرماتے تھے، حدود و تعزیرات نافذ فرماتے تھے، جنگ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں اختلافات تھے، اس سلسلہ کا آخری فیصلہ مسجد نبوی ہی میں طے ہوا، اسی طرح خلافت اور اجتماعی معاملات سے متعلق غور و خوض بھی مسجد ہی میں کیا جاتا تھا، حضرت عمرؓ کا معمول تھا کہ جب کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو ”الصلاة جامعة“ کی ندا لگواتے جس کے ساتھ سب صحابہ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے۔

مساجد کا علمی کردار

رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسجد تعلیم گاہ بھی تھی، مسجد نبوی میں ایک چبوترہ تھا جس کو صفہ کے نام سے جانا جاتا تھا، اس جگہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت اپنی تمام تر مصروفیتوں سے الگ ہو کر حصول علم میں لگی رہتی تھی، جن کو اصحاب صفہ کہا جاتا ہے، اسلامی معاشرہ کی یہ پہلی درس گاہ تھی جہاں سے بیک وقت مصلح، مجاہد، سپہ سالار تیار ہوتے تھے، علاوہ ازیں رسول اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ روزانہ فجر کے بعد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم فرماتے اور انہیں دین کی باتیں بتاتے تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم آپ ﷺ سے مختلف مسائل کے سلسلہ میں استفسار کرتے تھے، آپ ﷺ ان کا جواب مرحمت فرماتے، ایک مرتبہ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے کہ ایک شخص آیا اور دریافت کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ ”قتال فی سبیل اللہ“ کسے کہتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جہاد کرتا ہے وہی اللہ کی راہ میں ہے۔“ (۱)

جب اسلام پھیلنے لگا تو مختلف علاقوں کے لوگ مسلمان ہو کر مسجد نبوی ﷺ کا رخ کرتے اور بنیادی تعلیم حاصل کر کے اپنے علاقوں کو لوٹتے تھے، احادیث و سیرت کی

(۱) مَنْ قَاتَلَ لَتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (بخاری باب مَنْ قَاتَلَ لَتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا رقم: ۲۸۱۰، مسلم: باب مَنْ قَاتَلَ لَتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ رقم: ۱۹۰۴)

کتابوں میں ایسی کئی وفود کا تذکرہ ملتا ہے، جو اسلام قبول کرنے کے بعد مدینہ آئے اور مسجد نبوی کی درسگاہ سے فیض یاب ہو کر اپنے وطن لوٹے۔

مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم چند ہم عمر نوجوان علم حاصل کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، یہاں ہم نے بیس دن قیام کیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ہم لوگ گھر جانا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا کہ تمہارے پیچھے کون لوگ ہیں؟ ہم نے بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اپنے بیوی، بچوں میں واپس جاؤ اور جو کچھ تم نے سیکھا ہے انہیں سکھاؤ اور نیکی کی باتیں سناؤ اور فلاں نماز فلاں وقت اور فلاں نماز فلاں وقت پڑھو، جب نماز کا وقت آئے تو تم میں سے کوئی اذان کہے اور تم میں جو علم و عمل کے اعتبار سے بڑھا ہوا ہو امامت کرے۔ (۱)

مسجد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم کے ساتھ ساتھ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت بھی فرماتے اور ان کی غلطیوں کی اصلاح فرماتے، چنانچہ حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا اچانک ایک شخص کو چھینک آئی، میں نے نماز کی حالت میں اس کی چھینک پر يُزَحْمُكَ اللَّهُ کہا، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے، میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں نے آپ سے بہتر تعلیم و تربیت کرنے والا نہ تو اس سے پہلے دیکھا اور نہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مجھے ڈانٹا، نہ برا بھلا کہا، صرف اتنا کہا کہ یہ نماز ہے، اس میں بات چیت مناسب نہیں، نماز تو اللہ کی پاکی بیان کرنے، اس کی بڑائی کا اظہار اور قرآن کریم کی تلاوت کا نام ہے۔ (۲)

(۱) أَتَيْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَابَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً (مسلم: باب من احق بالامامة رقم: ۶۷۴، نسائی باب اجتزاء المزمع بأذان غيره في الحضر: رقم: ۶۳۵)

(۲) إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ (مسلم باب تحريم الكلام في الصلاة، ونسخ ما كان من إباحته رقم: ۵۳۷)

غرض کہ عہد نبوی میں مسجد مسلمانوں کی دینی دعوتی اور اجتماعی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔

دورِ حاضر میں مساجد کے دعوتی کردار کو زندہ کیا جائے تو مسلمانوں کے کئی ایک مسائل حل ہو سکتے ہیں، مساجد کے سلسلہ میں پہلا کام جو فوری توجہ کا طالب ہے یہ کہ مساجد کو عہد نبوی کا مقام دیا جائے، اس کے لئے مسلمانوں کے مساجد سے رابطہ کو مستحکم کیا جائے، آج یہ امت مساجد سے اپنا تعلق منقطع کرتی جا رہی ہے، جب کہ رسول اکرم ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو آپ فوراً مسجد اور نماز کی طرف متوجہ ہوتے، سورج گہن یا چاند گہن ہوتا تو تب بھی آپ ﷺ کا یہی معمول تھا، سخت سردی یا گرمی کی لہر ہوتی یا آندھی چلتی تب بھی یہی طریقہ اختیار فرماتے۔ (۱)

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

جب تم کسی شخص کو مسجد کی خبر گیری کرتے دیکھو تو اس کے ایمان کی گواہی دو، اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے: اللہ کی مسجدوں کو وہی لوگ

آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ (۲)

اس سے معلوم ہوا کہ مسجد سے لگاؤ ایمان کی علامت ہے، اسی طرح اسلام سیکھنے کے لئے آنے والوں کا ٹھکانہ بھی مسجد ہی ہوا کرتی تھی، رسول ﷺ نے بنو ثقیف کے وفد کو مسجد میں قیام کرایا اور بعض روایات میں اس کی مصلحت یہ بتائی گئی ”لیکون ارق لقلوبہم“ تاکہ مسجد میں ٹھہرنا ان کے دلوں میں رقت کا باعث بنے۔ (۳)

(۱) كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ، صَلَّى (ابوداؤد باب وقتِ قِيَامِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ رقم: ۱۳۱۹)

(۲) إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ (ترمذی باب مَا جَاءَ فِي حُزْمَةِ الصَّلَاةِ رقم: ۲۶۱۷ امام ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب حسن ہے۔)

(۳) سنن ابی داؤد باب مَا جَاءَ فِي خَبَرِ الطَّائِفِ رقم: ۳۰۲۶، مسند احمد: ۷۹۱۳، مسند عثمان بن ابی العاص عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان سارے حقائق سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاشرہ کا مساجد سے گہرا ربط تھا، مسجد ان کی زندگی کا اٹوٹ حصہ تھی، اس لئے موجودہ حالات میں بھی مسلمانوں میں مساجد سے گہری وابستگی پیدا کرنی ہوگی اور یہ حضراتِ علماء کرام اور دینی و دعوتی تحریکوں سے وابستہ افراد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس نکتہ پر خاص توجہ دیں اور اس کو اپنے پروگرام میں شامل فرمائیں۔

مساجد اجتماع کا بہترین ذریعہ

مساجد کا دوسرا اہم پہلو اجتماعیت و یکجہتی کا ہے، مسلمان دن میں پانچ مرتبہ محلہ کی مسجد میں جمع ہوتے ہیں، دعوتی کام کے لئے لوگوں کو جمع کرنے کا مسئلہ بڑا اہم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مساجد کی شکل میں اجتماعیت کی ایک قدرتی شکل پیدا فرمائی ہے، داعی کو مختلف افراد سے ملنے اور ان سے اصلاحی بات کرنے کے لئے زیادہ زحمت کی ضرورت نہیں رہتی، ایک محلہ یا پورے گاؤں کے تمام مسلمانوں سے دن میں پانچ مرتبہ ربط رکھا جاسکتا ہے، اس دوران جہاں مسلمان بھائیوں کو دنیوی مسائل سے آگہی ہوتی ہے وہیں دعوتی و اصلاحی کام میں تعاون بھی ملتا ہے، اصلاحی کام کرنے والے نماز کے موقعہ پر اپنے کام کا جائزہ لے سکتے ہیں۔

موثر خطابت کی جائے

مساجد کی اس اجتماعی اہمیت کو دعوت و اصلاح کے لئے دو طرح سے استعمال کیا جاسکتا ہے: ایک تو یہ کہ جمعہ کے خطبوں کو موثر بنایا جائے، ایسے ائمہ اور خطباء رکھے جائیں جو دعوتی اور اصلاحی ذہن کے حامل ہوں، مسلکی اختلافات اور مسلکی تشدد سے دور ہوں، ان کے اندر داعیانہ روح پائی جاتی ہو، انہیں وارثینِ انبیاء ہونے کا شدت سے احساس ہو، وہ خطبوں کا انتخاب معاشرہ کے حالات کے مطابق کیا کریں، اختلافی اور متنازعہ مسائل سے گریز کریں، ایسے گوشوں پر زور دیں جن سے اُمت میں اتحاد و یکجہتی پیدا ہو، کتاب و سنت سے ان کا گہرا ربط ہو، یہ کام اُس وقت ہو سکتا ہے، جب کہ خطباء حضرات

خطابت کے اس زرین موقعہ کو ایک امانت تصور کریں اور اس کے استعمال میں حد درجہ احتیاط برتیں، ہر خطیب سال بھر کے خطبوں کا ایک اصلاحی خاکہ مرتب کرے اور باقاعدہ اس کی تیاری کرے، اس سلسلہ میں قرآن مجید کے علاوہ سیرت رسول ﷺ کا گہرا مطالعہ کرے اور اس بات کا خاص خیال رکھے کہ اس کی گفتگو قرآن و حدیث، سیرت نبوی، تاریخ اسلامی اور آثار صحابہ سے ہٹ کر نہ ہو، وہ اپنی ہر بات کو مدلل انداز میں پیش کرے، الحمد للہ علماء کی خاصی تعداد ہے جو اپنے خطبوں میں ان امور کا خیال کرتی ہے، لیکن ساتھ ہی ایسے خطیبوں کی بھی کمی نہیں جو یا تو باقاعدہ علم دین سے آراستہ نہیں یا ہیں تو ایک منظم پروگرام کے ساتھ دعوتی نقطہ نظر سے خطابت کا استعمال نہیں کر رہے ہیں، بہت سی مساجد کے ذمہ داروں کو خطیب کی اہمیت کا اندازہ نہیں، قریوں اور قصبوں سے ہٹ کر شہروں میں بھی ایسی مساجد ملتی ہیں جہاں قابل اور صحیح امام و خطیب کا نظم نہیں ہے، کمیٹی کے افراد کا عموماً یہ عذر ہوتا ہے کہ مسجد اچھے خطیب یا امام کی متحمل نہیں ہے۔

جمعہ کے خطبات عوام کی ذہن سازی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں، ان خطبات سے اصلاح معاشرہ کا زبردست کام لیا جاسکتا ہے، یہ ایک مسئلہ ہے جس پر ملت کے عمائدین کو اجتماعی طور پر غور و خوض کرنا چاہئے، جن اضلاع یا بستیوں میں ذمہ داران مساجد اچھے امام و خطیب کا نظم نہ کر سکتے ہوں ان کا سروے کر کے وہاں ائمہ اور خطباء کا انتظام کیا جانا چاہئے، مسلمانوں میں جہاں اور بہت سی تنظیمیں دینی محاذ پر کام کر رہی ہیں وہیں ایک ایسی تنظیم بھی ہونی چاہئے جو مساجد اور ائمہ مساجد کے مسائل پر غور کرے اور یہ کام ملت کے لئے کچھ دشوار نہیں ہے، ملک کی راجدھانی دہلی میں ”ادارہ امور مساجد“ نام سے ایک ادارہ ہے جو اس سلسلہ میں سرگرم ہے اور شمالی صوبہ جات میں اس کی شاخیں بھی ہیں، اسی نوعیت کے ادارے اگر ریاستی سطح پر قائم کئے جائیں تو اس کے بڑے اچھے اثرات مرتب ہو سکتے ہیں بعض دیہاتوں میں دعوتی کام کی اہمیت اس لئے

بڑھ جاتی ہے کہ وہاں کی اکثریت عموماً دین کی مبادیات تک نہیں جانتی، ایسے ماحول میں اگر جانکاری رکھنے والے صحیح امام کا نظم ہو جائے تو وہ پوری بستی کی اصلاح کر سکتا ہے۔ ہمارا دین دار طبقہ شہروں کی دینی حالت کو دیکھ کر مطمئن ہو جاتا ہے، لیکن یہ حقیقت اس کے ذہن سے نکل جاتی ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت دیہاتوں اور قصبوں میں پائی جاتی ہے جو دین سے نابلد ہیں، معقول مشاہرہ دے کر اگر قابل علماء کا نظم کیا جائے تو یہ دین کی بڑی خدمت ہوگی، اس سلسلہ میں شہر کے علماء کا بھی فرض ہے کہ وہ مواضع کی دینی صورتِ حال کا جائزہ لے کر امت کے سامنے کوئی لائحہ عمل پیش کریں۔ دیہی علاقوں کا ایک افسوسناک پہلو یہ ہے کہ وہاں قادیانیت جڑ پکڑتی جا رہی ہے، عوام الناس کو حقیقتِ حال کا علم نہیں رہتا، وہ قادیانیوں کو بھی مسلمان سمجھ لیتے ہیں اور ان کے جال میں پھنس کر دین سے محروم ہوتے ہیں، بعض دیہاتوں میں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ مساجد میں قادیانی امام منصبِ امامت پر فائز ہیں اور امامت کے بھیس میں سارے مسلمانوں کو قادیانیت سے قریب کر رہے ہیں اور منظم پروگرام کے تحت قادیانی علماء کو دیہاتوں میں پھیلا یا جا رہا ہے، وہ بلا معاوضہ امامت کرتے ہیں، اس طرح مسلمانوں میں تیزی سے ارتداد پھیلتا جا رہا ہے، یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے کہ وہاں صحیح علم رکھنے والے ائمہ کی کمی ہے۔

ہفتہ واری اجتماعات

جمعہ کے خطبوں کے علاوہ ہفتہ واری اجتماعات اور قرآن وحدیث کے درسوں کے ذریعہ بھی اصلاحی کام کو آگے بڑھایا جاسکتا ہے، شہر کی بہت سی مساجد میں ہفتہ واری درس قرآن کا نظم ہے، اکثر مساجد میں ائمہ ہی درس قرآن دیا کرتے ہیں اور بعض مساجد میں معروف عالم دین سے استفادہ کیا جاتا ہے، لیکن یہ کام بہت محدود پیمانے پر ہو رہا ہے، ہمیں اس حقیقت کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ مسلمانوں کی قوت کا حقیقی سرچشمہ قرآن مجید ہے، اس عظیم کتاب سے وابستگی جتنی گہری ہوگی مسلمان اسی قدر

کامیابی کی راہ پر گامزن ہونگے، مسلمانوں کا ایک طبقہ عجیب ذہنیت کا شکار ہے، وہ قرآن کا حق صرف اتنا سمجھتا ہے کہ اس کی تلاوت کر لی جائے، قرآن فہمی کی طرف توجہ نہیں دیتا، بلکہ اس کو شجر ممنوعہ سمجھتا ہے، جب کہ دوسرا طبقہ زبان دانی سے محرومی کے سبب قرآن کو سمجھنے سے قاصر ہے، اُمت کو قرآن سے قریب کرنے میں تفسیر قرآن کے حلقے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں، اس سے لوگوں کو قرآن سے لگاؤ پیدا ہوگا، اس طرح اس کے درس کو سلسلہ وسعت دینے کی ضرورت ہے، جن مساجد میں اس کا نظم نہیں ہے وہاں مساجد کے ذمہ داروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس سلسلہ میں فکر کریں، اگر اجتماعی طور پر مہم چلائی جائے تو قرآن فہمی کا ایک ماحول بن سکتا ہے، ساتھ ہی درس تفسیر کے حلقوں کو موثر بنانے کی بھی ضرورت ہے، بہت سے افراد وہ ہیں جو نماز کے ساتھ ہی مسجد سے نکل پڑتے ہیں، انہیں قرآن فہمی کی اہمیت سمجھائی جائے، تاکہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ اس سے مستفید ہو سکیں، مساجد کے دعوتی کردار کے احیاء کی راہ میں جو چیز رکاوٹ بن رہی ہے، وہ مسلکی تشدد ہے، مساجد جو اتحاد و اتفاق اور اخوت اسلامی کا مظہر ہوتے ہیں آج مسلکی اختلافات کا اکھاڑہ بنی ہوئی ہیں، مساجد کو اختلاف سے دور رکھنا موجودہ دور کا اولین تقاضہ ہے، اس کے لئے ملت کے عمائدین اور مختلف مسالک کے علماء کو سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا۔



مسلمانوں میں دینی محنت کرنے والے حضرات کے لیے مختصر دستور العمل

❖ جماعت مقصود ہے نہ جمعیت، نہ ہی مجمع اور بھیڑ اکٹھا کرنا، صرف رضاء الہی کے لیے کام کریں۔

❖ ہر قدم پر اپنے مستند علماء کرام کی ہدایات پر عمل پیرا رہیں۔

❖ ایسا بول یا طرز عمل ایسی ذہن سازی نہ کریں کہ مدارس خانقاہیں اور دیگر دینی محنتیں زد میں آجائیں، سننے والے دوسری محنتوں کو ہلکا یا کم ضروری، یا حقیر سمجھنے لگ جائیں، یا ان سے کسی بھی طرح استفادہ کرنے تیار نہ ہیں۔

❖ غیر مستند باتیں نہ چلائیں، غیر معتبر باتیں سنانا بہت بڑا مذہبی جرم ہے۔

❖ اپنے نظام، نصاب، وسائل تربیت (چلہ، چار ماہ جیسی چیزیں یا کسی بھی تنظیمی طریقہ کار) کو شریعت پر ترجیح نہ دیں۔

❖ ہر ایمان والے کی عظمت اور تمام خدام دین کا احترام کرنا ضروری سمجھیں۔

❖ مسائل، قضاء، مالی معاملات وغیرہ علماء کرام کے حوالہ کریں، اُس میں عوام مداخلت نہ کریں۔

❖ مدارس، مکاتب، مجلس تحفظ ختم نبوت، مخلص سیاسی، تنظیموں کا ہر ممکنہ جائز تعاون فرمائیں۔

- ✽ ٹکراؤ، تناؤ کے بغیر تعاون کی فضا بنائے رکھیں۔
- ✽ اپنے معاملات و معاشرت کی اصلاح کے لیے کسی عالم دین کو اپنا مشیر بنائے رکھیں، اور اپنے اندر مکمل دین لانے کی کوشش کرتے رہیں۔
- ✽ قربانی اور دینی تقاضوں کی کثرت کی وجہ سے بیوی کے حقوق، اولاد کی تربیت، ملازمت کے حقوق ماتحتوں کی ذمہ داریوں میں کوتاہی ہونے نہ دیجئے۔
- ✽ عہدے اور مناصب کے بجائے اپنی ذات کی اصلاح چھپ کر کرنے پر بھرپور توجہ دیجئے، چھپنے اور نمائش کی کوشش مت کیجئے۔
- ✽ اپنے ساتھیوں کی غیبت، عہدوں کی رسہ کشی، چال بازی سے ترقی کے راستہ جانے کا خواب مت دیکھئے، خاصانِ خدا، اور مقبولین کی سیرت پر عمل کیجئے۔
- ✽ کسی مدعو سے کوئی مادی، دنیوی غرض وابستہ نہ کیجئے۔
- ✽ اجتماعی مال میں کبھی خیانت نہ کریں، دینی نسبتوں کو یا تنظیمی تعلقات کو سیاسی مفادات، تجارتی تعلقات بڑھانے، کاروبار میں شریک تیار کرنے وغیرہ کے لیے استعمال نہ کیجئے۔



دینی مدارس کا دعوتی کردار

مدارس کی تاریخی اہمیت

ملک کے طول و عرض میں دینی مدارس کی جال پھیلی ہوئی ہے، عام آدمی کی نگاہ میں ان مدارس کی اہمیت صرف اتنی ہے کہ یہاں چند بچوں کو تعلیم دی جاتی ہے، لیکن یہ ایک سطحی خیال ہے ہندوستان کی اسلامی تاریخ سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اس ملک میں اسلام کی بقا اور شریعت کے تحفظ کے سلسلہ میں ان مدارس کا اہم رول رہا ہے، آزادی سے قبل کے مایوس کن حالات کے پس منظر میں جب کہ مسلمان ہر لحاظ سے مایوسی کا شکار تھے اور باطل قوتوں نے اسلام کو مٹانے کا تہیہ کر لیا تھا، اس وقت کے دور اندیش علماء نے نہایت غور و فکر کے بعد طے کیا تھا کہ ہندوستان میں دین و شریعت کی بقاء کا واحد راستہ یہاں مدارس کا جال پھیلانا ہے۔

انتہائی نامساعد حالات میں ان مدارس نے امت کی کشتی کو ہر قسم کے تھپیڑوں سے بچاتے ہوئے جس طرح ساحل پر لگایا ہے وہ ایک طویل داستان ہے، گذشتہ نصف صدی کے دوران ملت اسلامیہ سے کیسے کیسے طوفان ٹکرائے اور خرمن اسلام کو پاش پاش کرنے کے لئے کیسی تند و تیز آندھیاں چلیں، اس کے تصور ہی سے بدن کے رونگٹھے کھڑے ہو جاتے ہیں، دین و شریعت پر کسی ایک جہت سے حملہ نہیں کیا گیا بلکہ ہر محاذ سے یورش کی گئی، لیکن مدارس سے فارغ ہونے والے علماء نے ان حملوں کو ناکام بنایا۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے ابتدائی دور میں ہر طرح کے فتنے سراٹھارے تھے، باطل

طاقتیں عروج پر تھیں، ایک طرف عیسائیت کا زور تھا تو دوسری طرف قادیانیت پیر پھیلارہی تھی، داخلی سطح پر مسلمانوں میں ایسے نام نہاد محققین پیدا ہو گئے تھے جو مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے اور اسلامی احکام کو نامعقول اور ناقابل عمل قرار دینے میں مصروف تھے، پھر ان سب سے ہٹ کر مسلمانوں کے اعمال و عقائد میں ہر طرح کا بگاڑ آچکا تھا، غرض یہ کہ چاروں طرف سے یلغار تھی، ایسے میں علماء مدارس نے پوری قوت کے ساتھ ان فتنوں کا مقابلہ کیا، عیسائی پوپوں سے زبردست مناظرے کئے گئے اور دلائل کی روشنی میں انہیں لاجواب کر دیا گیا، قادیانیت کی تردید میں مضبوط لٹریچر تیار کیا گیا، مسلمانوں کی عام اصلاح کے لئے عوامی سطح کی محنت کی گئی، الغرض ہر اٹھنے والے نئے فتنہ کی سرکوبی کی گئی، پھر ان مدارس سے نکلنے والے علماء کا حال یہ تھا کہ دفاع اسلام کے لئے مطلوب ہر صلاحیت ان میں موجود تھی، ملک میں پائے جانے والے تمام قدیم مدارس کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کی عمارتیں اگرچہ پختہ نہ تھیں، لیکن ان سے تیار ہو کر نکلنے والے افراد پختہ صلاحیتوں کے حامل ہوتے تھے، ان مدارس کے ذمہ داروں کے ذہنوں میں عمارت کی پختگی سے کہیں زیادہ افراد کی پختگی اہم تھی۔

مدارس کے نصاب میں اس بات کو خوب ملحوظ رکھا گیا تھا کہ وہ وقت کے تقاضوں کے مطابق ہو، چوں کہ اس دور میں منطق و فلسفہ اور بحث و مناظرہ کی شدید ضرورت تھی، اس لئے نصاب میں اس کی پوری رعایت کی گئی، اس دور میں مضامین کی کتنی ضرورت تھی اس کا اندازہ اس وقت کے حالات سے لگایا جاسکتا ہے، مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ وغیرہ کے بارے میں مشہور ہے کہ پنڈتوں اور پادریوں کے ساتھ بارہا ان کے مناظرے ہوئے، مولانا محمد علی مونگیریؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ اور ان کے شاگردوں نے شدت کے ساتھ قادیانیت کا تعاقب کیا، استشرق اور مغرب زدہ ذہنیت کے خلاف اسلام کی حقانیت اور شریعت اسلامی کی معقولیت میں علامہ شبلیؒ،

مولانا سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے شاگردوں نے علمی لٹریچر تیار کیا، ان حضرات کی تحریروں نے مغرب پرستوں کے ایوانوں میں زلزلہ پیدا کیا۔

غرض یہ کہ دین و شریعت اور خدمتِ اسلام کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا جس کو مدارس کے علماء نے تشنہ چھوڑا ہو، انہوں نے دعوتِ دین کے ہر شعبہ کو سیراب کیا، ان حضرات کے نزدیک دعوت و اصلاح کا کوئی محدود مفہوم نہ تھا بلکہ حالات و ضرورت کے اعتبار سے جس وقت خدمتِ دین کا جو تقاضہ سامنے آتا اس پر فوراً البیک کہتے۔

مدارسِ اسلامیہ کو متحرک ہونے کی ضرورت ہے

موجودہ دور کے مدارس کی خدمات سے کسی طرح انکار نہیں کیا جاسکتا، بہت سارے قابلِ اصلاح پہلوؤں کے باوجود وہ اس پرفتن دور میں امتِ مسلمہ کی اہم ترین ضرورت پوری کر رہے ہیں جو حضرات ان مدارس کے بعض جزوی حالات کو لے کر ان کی افادیت کا سرے سے انکار کر دیتے ہیں وہ دراصل علماء کے سلسلہ میں ذہنی تحفظ کا شکار ہیں یا پھر وہ جانتے ہوئے حقائق پر پردہ ڈالنا چاہتے ہیں، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ان مدارس کو مزید موثر بنانے کی ضرورت ہے، اب انہیں پہلے سے کہیں زیادہ متحرک ہونے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ سائنس و تحقیق کے اس دور نے اسلام اور شریعتِ اسلامیہ کے لئے نئے چیلنج کھڑے کر دیئے ہیں، اسلام کے خلاف اب بہت سے نئے محاذ کھل گئے ہیں، جن کا پچھلے زمانوں میں تصور نہیں کیا جاسکتا تھا اب فتنوں نے نیا روپ دھار لیا ہے، دعوت و اصلاح کے نئے تقاضے پیدا ہو چکے ہیں، گزشتہ زمانہ میں جن اسلام مخالف کوششوں کا ظہور نہایت محدود پیمانے پر ہوتا تھا اب جدید مواصلاتی دور نے انہیں لامحدود بنا دیا ہے، پچھلے زمانہ میں بہت کم سننے میں آتا تھا کہ فلاں علاقے کے مسلمان قادیانی ہو گئے یا انہوں نے عیسائیت قبول کیا، لیکن آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ سینکڑوں دیہات قادیانیت سے متاثر ہو رہے ہیں، خصوصاً آندھرا پردیش کے بعض دیہاتوں سے متعلق جو اطلاعات پہنچ رہی ہیں وہ ہمیں خوابِ غفلت

سے بیدار کرنے کے لیے کافی ہیں، مختلف بستیوں میں قادیانی ائمہ خفیہ طور پر قادیانیت کی تبلیغ میں مصروف ہیں اور بے شعور عوام ان کے دامِ فریب میں آکر ایمان و اسلام کو خیر آباد کہہ رہے ہیں اور یہ سب خاموشی کے ساتھ نہایت منظم طریقہ پر انجام پا رہا ہے، ادھر مدارس سے نکلنے والے علماء کا حال یہ ہے کہ ہر شخص شہر میں خدمات انجام دینے میں عافیت سمجھ رہا ہے، حتیٰ کہ دیہات سے تعلق رکھنے والے علماء بھی شہروں کا رخ کر رہے ہیں، اس سلسلہ میں ان کی کچھ مجبوریاں بھی مانع بن رہی ہیں۔

ہر شعبہ میں کام کی ضرورت

مدارس کے سلسلہ میں فکر مندی کی بات یہ ہے کہ اربابِ مدارس ہر سال سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں علماء کو فارغ کر رہے ہیں، لیکن فراغت کے بعد ان کا استعمال کہاں ہو رہا ہے؟ اس پر سوچا نہیں جاتا، سوال یہ ہے کہ آخر اتنی بڑی تعداد کہاں جا رہی ہے؟

بہت سے نوجوان فارغین اُنچے عزائم لے کر نکلتے ہیں، لیکن عملی میدان میں جب بڑوں کی طرف سے ان کی رہنمائی اور ہمت افزائی نہیں ہوتی تو وہ بچھ جاتے ہیں، پھر یہ کہ خدمتِ دین کا ایک محدود تصور ہمارے ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے، مسجد یا مدرسہ سے ہٹ کر دیگر شعبوں میں کام کرنے کا جیسے رواج ہی ختم ہو گیا ہے، درس و تدریس اور امامت و خطابت بلاشبہ ایک عظیم خدمت ہے، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن ان سے ہٹ کر خدمتِ دین کے دیگر تقاضوں پر توجہ دینا بھی ضروری ہے، اس کی ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ ہم اپنی مصروفیات میں سے کچھ وقت نکالیں اور مختلف قریوں اور بستیوں کا جائزہ لے کر وہاں ہونے والی اسلام دشمن سرگرمیوں کا مقابلہ کریں اور عوام الناس کو حقیقت سے واقف کرائیں، دوسری شکل یہ ہے کہ اربابِ مدارس ایسے مبلغین کا نظم کریں جو مستقل طور پر اسی کام میں لگے رہیں، اتنی بڑی تعداد میں دینی مدارس کے ہوتے ہوئے اگر مسلمانوں میں ارتداد پھیلتا رہے اور لوگ قادیانیت کا شکار

ہوتے رہیں تو ہمارے لئے بڑے افسوس کا مقام ہوگا، اس کے لئے تمام ذمہ داران مدارس کا ایک متحدہ وفاق ہو، جس کے تحت مختلف علاقوں کا سروے کیا جائے اور نئے فارغ ہونے والے علماء کا ان علاقوں میں صحیح استعمال ہو، اس پروگرام کے زبردست نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، قریوں میں دعوتی سرگرمیوں کا تیز کرنا وقت کا اولین تقاضہ ہے، اس سلسلہ میں علماء کو تھوڑی قربانی دینی پڑے گی، اس وقت سب سے بڑا مسئلہ قریوں میں علماء کے قیام کا ہے، منظم طریقہ سے اس کا کوئی حل نکالا جائے تو کچھ بعید نہیں ہے کہ علماء آمادہ ہو جائیں۔

علماء دینی تحریکوں کی سرپرستی کریں

مدارس کے دعوتی کردار کا ایک پہلو یہ ہے کہ علماء دعوت و تبلیغ کی تحریکات میں روح پھونکیں، ان سے تحریکوں کو صحیح رخ مل سکتا ہے، علماء مدارس کی تاریخ شاہد ہے کہ علماء نے ہمیشہ دینی تحریکوں کی سرپرستی فرمائی ہے اور اپنی بصیرت کے ذریعہ انہیں ہر طرح کے فتنوں سے بچایا ہے، بالخصوص ایسی دعوتی تحریکات جن سے عوام کی ایک بڑی تعداد وابستہ ہے، علماء کے تعاون کی محتاج ہیں۔

دعوت کا ایک اور میدان جس کی موجودہ حالت میں بڑی اہمیت ہے وہ برادران وطن میں دعوت دین کا میدان ہے، اس کام کے لئے علماء سے زیادہ موزوں کوئی اور جماعت نہیں ہو سکتی، یہ دینی مدارس کے ہمہ جہت دعوتی مقاصد کا اہم حصہ ہونا چاہئے ماضی میں ہمارے علماء نے اس کام کو بڑی اہمیت دی ہے، اس کے لئے فارغ ہونے والے طلبہ کی باقاعدہ تربیت کی جانی چاہئے، علوم اسلامیہ میں گہرائی کے ساتھ ساتھ ملک کے دیگر مذاہب کا تعارف بھی ضروری ہے، اس سلسلہ میں خوش آئند بات یہ ہے کہ مختلف مدارس میں اب اختصاص فی الدعوة کے شعبہ قائم کئے جا رہے ہیں، جن میں مذاہب عالم کا مطالعہ کرایا جاتا ہے، ان شعبوں میں اگر غیروں میں دعوت کی عملی تربیت دی جائے تو نور علی نور ہوگا۔

مدارس کے دعوتی کردار کو مزید موثر بنانے کے لئے دعوتی نہج پر طلبہ کی ذہن سازی کی بھی شدید ضرورت ہے، مدارس سے فارغ ہونے والے طلبہ دعوتی ذہن لے کر نکلیں، وہ جہاں بھی رہیں دین کے داعی کی حیثیت سے رہیں اور دعوت و اصلاح کے ہمہ جہت پروگرام میں حصہ لیتے رہیں، نیز ان کی دعوتی سرگرمیوں کا دائرہ بہت وسیع ہو، اس کے لئے مدارس کے موجودہ نصاب میں ایسا مواد شامل کیا جائے جو ان میں دعوتی روح پیدا کر سکے، دعوتی نقطہ نظر سے اگر سیرت رسول کا مطالعہ کرایا جائے تو بہت مفید ہو سکتا ہے، رسول اکرم ﷺ کی پوری زندگی سراپا دعوت ہے، اس میں ایک داعی کے لئے بہترین نمونہ ہے، مگر بد قسمتی سے ہمارے مدارس کے نصاب میں سیرت پر کم توجہ دی گئی ہے۔ (۱)



غیر معتبر روایات اور بے سند باتیں

دین کی بات سنانا بڑی ذمہ داری کا کام ہے، نیت، الفاظ، معلومات، اسلوب، اور حسب موقعہ سنانا ایک فن ہے، کسی بات کو حدیث کہنا اُس سے بڑی ذمہ داری ہے، صحابہ کرام و علماء امت کیسے ڈرتے تھے کسی کلام کو حدیث کہتے ہوئے، اس فرق کا معلوم ہونا ضروری ہے کہہی جانے والی بات آیت قرآنی، حدیث رسول اللہ ﷺ قول صحابی، قول تابعی، تاریخی روایت، اسرائیلی روایت سے یا خلاصہ مضمون قرآن و مضمون حدیث ہے، کسی عمل کی فضیلت سنانے کے لیے مستند احادیث کا ذخیرہ سامنے ہونا چاہیے، کسی بات کو من گھڑت، بے اصل، موضوع کہنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوتا کہ کسی دینی محنت کا انکار کیا جا رہا ہے، یا کسی بزرگ پر سے اعتماد اٹھایا جا رہا ہے، یا اُس عمل کو بے وزن کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے گہرے مطالعہ، دیگر محدثین کی آراء کے تتبع کے بعد بہت ذمہ داری کے ساتھ یہ لکھا جاتا ہے کہ فلاں بات نہیں کہی جانی چاہیے، تکلیف دہ بات یہ ہے کہ دینی تنظیموں میں قربانی، قدامت (سینیئرٹی) یا قرابت کو زیادہ اہمیت دی جا رہی ہے، علمی تقاضوں کو کافی حد تک نظر انداز کر دیا جاتا ہے، خطباء اور مقررین مجمع کو ان کے ذوق کے مطابق بات کرنے کی کوشش کرتے ہیں، بہت کم وہ ہیں جو یہ احساس اور طرز عمل رکھتے ہوں کہ اپنی بات کسی بڑے کو سنا کر یاد رکھا کر اصلاح کر انہیں۔

اگر کسی روایت کا واقعہ من گھڑت، بے اصل اور غیر معتبر ثابت ہو جائے یا فن حدیث کے ماہرین اصحاب افتاء بالاتفاق بھی لکھ رہے ہوں، یا بیان کرنے والے کے

پاس قابل اعتبار ثبوت بھی نہیں تو کسی مشہور خطیب یا بزرگ کے بیان کرنے سے وہ معتبر نہیں ہو جاتی، اصول یہ ہی ہے کہ اصول حدیث کے معیار پر اُسے پرکھا جائے گا، غلطی تو بڑے بڑے محدث اور عالم سے بھی ہو سکتی ہے مشہور ہونا بھی کسی بات کے حدیث ہونے کے لیے کافی نہیں ہے، محدثین بعض اکابر صوفیا وغیرہ کے پیچھے نماز پڑھنے کو سعادت سمجھتے تھے مگر ان کی ذکر کردہ روایات کے بارے میں بے لاگ فیصلہ کیا کرتے تھے ان کا حدیثی مقام طے کرنے میں ان کے بھولے پن یا اس فن میں کم مہارت کا پورا لحاظ کیا جاتا، من گھڑت روایات کی نشاندہی کرنا ایک علمی فریضہ ہے، پورا کتب خانہ پایا جاتا ہے اس خدمت دین پر، ہر زمانے میں علماء کرام نے یہ کام انجام دیا ہے، احادیث کی تحقیق کا کام نہایت نازک کام ہے، ذرا بھی بے احتیاطی، نقصان دہ ہے، ہمت اور بصیرت دونوں ملحوظ رہے، حضرات اکابر جن سے اس سلسلہ میں تسامح اور تساہل یا غلط فہمی ہو گئی، تحقیق کا موقع نہیں مل سکا، یا ان کے پاس وہ کتابی ذخیرہ موجود نہیں تھا جو اس زمانہ میں میسر آچکا ہے، ان سے متعلق کوئی بدگمانی نہ ہو، ان پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جائے گا، امت کے درمیان ان پر سے اعتماد نہیں اٹھایا جائے گا، یہی سمجھا جائے کہ اس روایت کا من گھڑت ہونا اور درجہ حدیث ان کے سامنے نہیں تھا اس لیے انہوں نے ذکر کیا، ورنہ کوئی مؤمن کسی حدیث کے بے اصل ہونے کو جانتا بھی ہو، اور اس کو نقل کرے ایسا نہیں ہو سکتا۔

سننے والے حدیث یا مفہوم حدیث دھیان سے نہیں سنتے، اصل ماخذ کی طرف مراجعت کرنا اصل میں اہل علم کی ذمہ داری ہے، اکابر پر اعتماد کے ساتھ ممکنہ تحقیق کرنا محتاط طرز عمل ہے، شہرت اور انفرادیت پیدا کرنے کا جذبہ بھی بے اصل روایات بیان کرنے کا جرم کرواتا ہے، دلچسپ اور رنگین مضامین جو من گھڑت روایات پر مشتمل ہوں ان کا سننا دین کی بات سننا نہیں ہے بلکہ وہ ذکر موضوع (من گھڑت کا سننا ہے) یہ زبان کا گناہ ہے اور کان کا بھی، سچی بات یہ ہے کہ گھڑی ہوئی روایات میں نور نہیں ہوتا نارِ جہنم

ہوتا ہے، غلط روایتوں اور جھوٹے فضائل میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی ہے۔

ذیل میں جو کچھ صحیح اور غیر صحیح روایات کے بارے میں نقل کیا گیا وہ سب کچھ ایسی مستند کتابوں اور اصحاب افتاء کے فتاویٰ سے ماخوذ ہے، جنہوں نے سینکڑوں صفحات تلاش کئے سینکڑوں صفحات لکھ دئے، ہم نے خلاصہ تخریج نقل کرنے کی کوشش کی، ایک سے زائد حوالہ جات بھی پیش خدمت ہیں، جن روایات کے بارے میں مثبت یا منفی فیصلہ اطمینان بخش انداز میں شرح صدر تھا اُسی کو لکھا گیا، پھر بھی۔ ”و فوق کل ذی علم علیم“ محتاج اصلاح ہیں اور قبول اصلاح کے لئے تیار ہیں، لیکن صاحب نظر علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ اس مہم میں حصہ لیں۔

جب اس قسم کی اصلاحات پیش کی جاتی ہیں تو بعض کہنے والے کہتے ہیں کہ امت ارتداد میں ہے اور آپ یہ چھوٹی چیزوں میں الجھے ہیں انہیں سمجھنا چاہئے کہ دینی کاموں میں ترجیحات کا تعین ہونا چاہیے، اہم، کم اہم، بے اہم کا فرق ملحوظ رہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ موضوعات (گھڑی ہوئی روایات) کو چلایا جائے، کیا صحیح مواد نہیں مل سکتا ہے، صحیح کام کی تبلیغ کے لیے صحیح مواد کا ہونا بھی ضروری ہے، فتنہ ارتداد کا بھی مقابلہ ہو اور کارکنوں کی طرف سے پیش کیے جانے والے مواد پر کڑی نظر بھی ہو، مسئلہ یہ ہے کہ صحیح مواد کے مسئلے کو بالکل اہمیت نہیں دی جاتی، بعض مرتبہ توجہ دلانے پر بھی قبول نہیں کیا جاتا۔ (والی اللہ المشتکی)

① ”تفکر ساعة خیر من قیام لیلۃ“ ”یا من عبادہ سبعین سنۃ“

جیسے الفاظ حدیث رسول اللہ ﷺ تو ہر گز نہیں کہے جاسکتے ہیں البتہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اقوال میں منقول ہیں، اس موضوع پر محمد یاسین خان قاسمی استاذ حدیث وفقہ جامعہ مسیح العلوم بنگلور نے اپنی کتاب ”مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ“ نامی کتاب میں بھی بہت مفصل گفتگو فرمائی ہے، وضاحت کی ہے کہ فکر سے مراد اس قسم کی روایات میں کیا ہے، چنانچہ علامہ مناوی نے فتح القدیر میں، کتاب العظمہ

اور نوادر الفقہ میں شیخ یونس جو نپوری رحمۃ اللہ علیہ کی بات کا خلاصہ یہ ہے کہ ”غور و فکر کی کئی قسمیں ہیں، اللہ کے حضور کھڑے ہونے جواب دینے، قدرت کی نشانیوں میں سوچنا مراد ہے۔ (۱)

(۲) اگر میں اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو اس حالت میں پاؤں کہ میں عشاء کی نماز میں مشغول ہوں اور سورہ فاتحہ پڑھ چکا ہوں اسی دوران میری والدہ مجھے پکار کر کہے: اے محمد! تو میں جواب میں اپنی والدہ سے کہوں گا حاضر ہوں۔ (اس موضوع پر ہماری کتاب ”اطاعت والدین کے حدود“ دیکھی جاسکتی ہے۔ (۲)

والدین کی اطاعت جائز امور میں ضروری ہونی چاہیے، فقہانے صاف لکھا ہے کہ اگر والدین کی جان کا خطرہ نہ ہو تو والد کے بلانے پر فرض نماز نہیں توڑ سکتے ہیں، شدید ضعیف روایت ہے، حافظ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے من گھڑت قرار دیا، جمہور علماء کے نزدیک فضائل کے بارے میں ایسی روایت بیان کرنا فضائل میں بھی جائز نہیں۔ (۳)

(۳) نور محمد سے اندھیرے میں گمشدہ ہوئی کی چمک۔

یہ روایت حافظ ابن عساکر کے علاوہ علامہ اسماعیل بن محمد فضل بن علی القرشی رحمۃ اللہ علیہ نے ”دلائل النبوة“ میں اپنی سند سے تخریج کی ہے، علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو من گھڑت قرار دیا ہے (الآثار المرفوعة) یہ قصہ اگرچہ ”معارض النبوة“ وغیرہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔ (۴)

(۱) مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ، ص: ۵۱۸، غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ ص: ۱۳۴، اس روایت پر مزید مفصل کلام دیکھنے کے لیے رجوع کیجئے ”مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ، ص: ۵۰۵

(۲) شعب الایمان، حدیث ۷۴۹۷، دکتور عبدالعلی، مکتبۃ الرشید، الطبعة الاولى۔

الخامس والخمسون من شعب الایمان۔

(۳) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۱/۱۵۲۔

(۴) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۱/۱۵۶۔

④ تہمت کی جگہوں سے بچ کر رہو۔ ”اتقوا مواضع التہم“ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا صحیح نہیں، البتہ ”من اقام نفسه مقام التہمة فکما یلو من من اساء به الظن“ کا ملفوظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے جو اُسی مضمون پر مشتمل ہے۔ (۱)

⑤ الدنيا جيفة وطلابها کلاب ”دنیا مردار ہے اور اس کے چاہنے والے کتے ہیں۔“

یہ روایت انہیں الفاظ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، اس روایت کے ملے جلے الفاظ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہیں، اس مضمون پر مشتمل دوسری روایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معتبر سند سے ثابت ہے۔ (۲)

⑥ کنت کنزاً مخفياً لا اعرف فاحببت ان اعرف فخلقت خلقاً، فعرفتهم بی، فعرفونی ”میں ایسا چھپا ہوا خزانہ تھا کہ جسے کوئی پہچانتا نہیں تھا، لہذا میں نے یہ چاہا کہ مجھے پہچانا جائے، تو میں نے ایک مخلوق پیدا کی چنانچہ انہیں میری معرفت حاصل ہو گئی۔ حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرکشی، حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ احمد بن عبد الکریم رحمۃ اللہ علیہ، علامہ الوسی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ طاہر پٹنی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عراق رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ محدثین کے نزدیک یہ روایت بے اصل ہے البتہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ اگر یہ روایت لفظوں کے اعتبار سے ثابت نہیں ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے ثابت ہے معنی درست ہونے سے اس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہونا لازم نہیں آتا شیخ اکبر کا اُسے کشف سے صحیح قرار دینا محدثین کے نزدیک حجت نہیں۔ (۳)

(۱) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۱/۱۷۶۔

(۲) غیر معتبر روایت کافی جائزہ: ۱/۲۸۷۔

(۳) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۱/۲۷۷۔

④ جب ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کے لیے پکارا اس کے جواب میں لوگوں نے تلبیہ کہا، چنانچہ جس نے ایک مرتبہ تلبیہ کہا تو وہ ایک بار حج کرے گا اور جس نے دوبار کہا وہ دو مرتبہ حج کرے گا، اور جس نے دو سے زائد مرتبہ تلبیہ کہا وہ اسی حساب سے حج کرے گا۔

اس کو بطور حدیث بیان کرنا صحیح نہیں البتہ موقوف روایت یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اور حضرت مجاہد کا قول قرار دے سکتے ہیں۔ (۱)

⑤ حضرت ابو شحمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے تین بیٹوں میں سے ایک بیٹے ہیں حقیقت واقعہ صرف اتنی معلوم ہوتی ہے کہ ابو شحمہ رحمۃ اللہ علیہ نے نبیز جائز سمجھ کر پی لی ہو اور بے اختیار نشہ میں آچکے ہوں اور ابو شحمہ رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹے تو آپ نے بطور تادیب ان کو کوڑے لگائے نہ کہ حد نافذ کرنے کے لیے، اس کے بعد ابو شحمہ رحمۃ اللہ علیہ قضاء الہی سے بیمار ہو گئے، یہ نہیں کہ کوڑے لگنے سے بیمار ہو گئے اور ایسی طبعی حالت میں انتقال کر گئے، باقی باتیں قصہ گو لوگوں نے اضافہ کر دیا، امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ، ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ابن عراق کتانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ جوزی رحمۃ اللہ علیہ دارقطنی، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی طرح واضح فرمایا ہے۔ (۲)

⑥ میری امت کے علما بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں، ”علماء امتی کا انبیاء بنی اسرائیل“ کو حدیث قرار نہیں دیا جاسکتا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد بن درویش الحوت رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ زرکشی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو بے بنیاد قرار دیا ہے، البتہ العلماء ورثۃ الانبیاء جیسی صحیح روایات علماء امت کے فضائل میں کہی جاسکتی ہیں۔ (۳)

(۲) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۸/۱

(۱) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۳۵۵/۱

(۳) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۲۱۷/۱

⑩ مجھے آسمان اور زمین نہیں سما سکے، البتہ مؤمن بندے کا دل مجھے اپنے من میں سمو لیتا ہے: ”مَا وَسَعَنِي أَرْضِي وَلَا سَمَائِي، بَلْ يَسَعُنِي قَلْبُ عَبْدِي الْمُؤْمِنِ“۔

دل رب کا گھر ہے ”القلب بیت الرب“ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہوئے بیان نہیں کر سکتے ہیں، اسرائیلیات کے طور پر ذکر کر سکتے ہیں۔ (۱)
⑪ مؤمن کے جھوٹے میں شفا ہے، مؤمن کے تھوک میں شفا ہے۔ ”سوء المومن شفاء، ريق المؤمن شفاء“۔

احمد بن عبد الکریم غزی عامری رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ محمد امیر کبیر مالکی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس کو حدیث نہیں مانا ہے، البتہ اس کے معنی صحیح ہیں کہ جب کسی انسان کو کوئی شکایت ہوتی یا کوئی پھوڑا یا زخم ہوتا تو آپ ﷺ اپنی شہادت کی انگلی زمین پر رکھتے پھر اٹھا لیتے اور یہ دعا پڑھتے۔ ”بِسْمِ اللّٰهِ، تُرْبَةُ أَرْضِنَا، بِرِيقَةٍ بَغَضِنَا، يُشْفَى بِهِ سَقِيمُنَا، بِإِذْنِ رَبِّنَا“ (۲) اکابر علماء فرماتے ہیں کہ تواضع میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے بھائی کا جھوٹا پیسے۔

⑫ اے علی رضی اللہ عنہ! آپ کے ذریعہ یا آپ کی وجہ سے ایک آدمی بھی راہ راست پر آجائے تو آپ کی نجات کے لیے کافی ہے“ یہ روایت نہیں ملتی ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اے معاذ! کسی مشرک کو اللہ تیرے ذریعے سے ہدایت دیدے تو تیرے لیے یہ سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ ”يَا مُعَاذُ! أَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ عَلَى يَدَيْكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ“ (۳)

(۱) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۱/۳۲۲

(۲) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۱/۳۴۰۔

(۳) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۰۷۴

ابورافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف بھیجا اور ان کے لئے جھنڈا تیار کیا، جب وہ چلے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابورافع! ان سے جا کر ملو، اور انہیں پیچھے سے نہ پکارو وہ وہیں کھڑے رہیں، انہیں ادھر ادھر نہ جائیں، یہاں تک کہ میں آ جاؤں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، انہیں کچھ باتوں کی وصیت کی اور کہا: اے علی! اگر ایک شخص کو اللہ نے تیرے ذریعے سے ہدایت دی تو یہ تیرے لیے ان چیزوں سے بہتر ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔ (۱)

⑬ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ ۱۰ / مرتبہ محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسے اپنے گھر آنے کی توفیق دیتا ہے اور جسے چالیس مرتبہ محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اُسے حج کرنے کی توفیق عطا فرماتے ہیں، اور جسے ستر مرتبہ محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اُسے اپنے راستہ کے لیے قبول کرتے ہیں۔ (۲)

یہ روایت مخصوصین اور ماہرین کو نہیں ملی، ثواب کی تعیین صرف صاحب شریعت کر سکتے ہیں۔

⑭ ایک روایت بہت ذکر کی جاتی ہے کہ ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کچرا پھینکتی تھی، اور راستے میں کانٹے بچھاتی تھی ایک دفعہ کانٹے اور کچرے نہیں ڈالے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عیادت کی وہ متاثر ہو کر مسلمان ہو گئی۔

⑮ ایک اور روایت نقل کی جاتی ہے کہ ایک ضعیفہ کا سامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے راستے میں سنبھال کر اس کے گھر تک پہنچا دیا، اُس نے بتا دیا کہ ایک جادوگر سے بچنے وہ جنگل کی طرف جا رہی ہے، تاکہ آباء و اجداد کا دین محفوظ رہ جائے، جب پتہ چلا کہ یہ جوان ہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور نبوت کا دعویدار ہیں تو وہ حسن اخلاق

(۱) مجمع الزوائد، باب فیمن یسلم علی یدیه احد، حدیث نمبر: ۹۷۱۴، غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۳۴۵/۲۔

(۲) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۳۸۸/۲۔

سے متاثر ہو کہ مسلمان ہو گئی۔

تاحال ان واقعات کی سند نہیں مل سکی۔ (۱)

①۶ ”أَطْلَبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ إِلَى اللَّحْدِ، أَطْلَبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّينِ“
علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، بہت سے فضائل احادیث میں موجود ہیں
مگر ”گود سے گور تک علم حاصل کرو“ اور ”علم حاصل کرو چاہے چین جانا ہی پڑے“ محاورہ
اور لوگوں کی کہاوت تو ہے مگر اُسے ہرگز، بطور حدیث رسول اللہ ﷺ کے بیان کرنا
درست نہیں، کئی محدثین نے اسے من گھڑت قرار دیا ہے۔ (۲)

①۷ رسول اللہ ﷺ کا سایہ احادیث سے ثابت ہے ”سایہ نہیں تھا“ بیان کرنے
والی روایت ناقابل بیان ہے۔ (۳)

①۸ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور باری تعالیٰ کی طرف سے
ان پر سلام کا مفصل واقعہ ذکر کیا جاتا ہے، سیرت کی کتابوں میں یہ واقعہ موجود
بھی ہے، لیکن حافظ ابن حزم ظاہری رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ عراقی رحمۃ اللہ علیہ،
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ، ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ، سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، شوکانی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ ابن
تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے۔ (۴)

①۹ ابو جہل کے دروازے پر آپ ﷺ کا دعوت دینے کے لیے سود فحہ جانا،
اور طوفانی رات میں حضرت محمد ﷺ کا قافلے والوں کو دعوت دینا، مشرک
مہمان کے پاخانے کے بستر کو صاف کرنا، اس طرح کی روایات نہیں مل سکی ہیں۔
البتہ یہ موجود ہے کہ ایک اراشی شخص نے ابو جہل کے ہاتھ اپنا مال فروخت کیا،
ابو جہل اس کا حق دینے ٹال مٹول کرنے لگا، وہ شخص قریش کے سرداروں کے پاس گیا،

(۱) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۲/۴۰۰

(۲) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۲/۹۲

(۳) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۲/۱۰۹

(۴) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۲/۲۶۹

اور ابو جہل کی شکایت کی، انہوں نے استھزاء اُمّ محمد ﷺ کی طرف اشارہ کیا اور کہا یہ تمہارا حق دلوائے گا، وہ آپ ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ اس راہی کو لے کر ابو جہل کے دروازے پر گئے، اُس نے حق دے دیا، قریش نے اس پر ابو جہل کو ملامت کی، تو اس نے کہا خدا کی قسم! جب انہوں نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک رعب دار آواز آئی، جب میں باہر آیا تو سامنے ایک بڑا اونٹ کھڑا تھا، اگر میں حق دینے سے انکار کر دیتا تو وہ اونٹ مجھے کھا جاتا ہے۔ (۱)

فیاضی اور دریادلی پر یہ روایت مستند موجود ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ایک کافر آیا، آپ ﷺ نے ضیافت فرمائی، ایک بکری کا دودھ دوھنے کا حکم دیا، وہ سب پی گیا، پھر دوسری تیسری مرتبہ اس طرح سات بکریوں کا دودھ پی گیا، اگلے دن وہ مسلمان ہو گیا، پھر حضور ﷺ نے اس کے لیے ایک بکری کا دودھ منگوایا، وہ اُسے پی گیا، مگر دوسری بکری کا دودھ پورا نہیں پی سکا، آپ ﷺ نے فرمایا: ”مؤمن ایک آنت میں پیتا ہے اور کافرسات آنتوں سے پیتا ہے“۔ (۲)

②۰ یہ روایت نہیں ملی کہ سکرات کے عالم میں رسول اللہ ﷺ نے عزرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ ”میری امت کی نزع کی تمام تکلیف مجھے دیدو اور انہیں موت کی تکلیف نہ دینا“۔

البتہ یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تلاوت کی۔ ”رَبِّ اِهْلُكَ اَضَلَّنْ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِي فَاِنَّهُ مِنِّي“ (۳)

(۱) سیرۃ ابن ہشام، تحقیق مصطفیٰ السقاء: ۱/۳۸۹

(۲) صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۰۶۳، مع تحقیق فؤاد عبدالباقی

(۳) ابراہیم: ۳۶

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں باری تعالیٰ کے اس ارشاد کی تلاوت کی: ”إِنْ تَعَذَّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ“ (۱)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھایا اور کہا: اے اللہ! میری امت میری امت اور رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے کہا! اے جبریل علیہ السلام! محمد کے پاس جاؤ، اور تیرا رب زیادہ جاننے والا ہے، اور پوچھو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں رورہے ہیں؟ جبریل علیہ السلام آئے اور پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ ساری بات بتادی جو انہوں نے کہی تھی، حالانکہ باری تعالیٰ خوب جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبریل! محمد کے پاس جاؤ، اور کہو ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کر دیں گے اور آپ کو غمگین نہیں کریں گے۔

”إِذْ هَبْ إِلَىٰ مُحَمَّدٍ فَقُلْ: إِنَّا سَنُضِيكُ فِي أُمَّتِكَ وَلَا نَسُوءُكَ“ (۲)

(۲۱) یہ ارشاد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے انہیں بیان کیا جاتا ہے، مگر تلاش بسیار کے باوجود نہیں ملی کہ ”یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہدایت اپنے ہاتھ میں رکھی، اگر ہدایت آپ کے ہاتھ میں ہوتی تو نہ جانے میری باری کب آتی؟“۔ (۳)

(۲۲) یہ بات نہیں کی جاسکتی کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان نہیں دی تو صبح نہیں ہوئی، یا ان کی زبان میں لکنت تھی، البتہ یہ روایت کہی جاسکتی ہے:

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ہم آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک رات سفر میں تھے کسی نے کہا یا رسول اللہ! بہتر ہوگا کہ ہم رات کے آخری پہر کچھ آرام کر لیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ڈر ہے کہ کہیں نماز سے سوتے نہ رہ جاؤ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں آپ سب لوگوں کو جگا دوں گا، چنانچہ لیٹ گئے، بلال رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ اپنی

(۱) مائدہ: ۱۸۸

(۲) صحیح مسلم، رقم: ۲۰۲ مع تحقیق فؤاد عبدالباقی (غیر معتبر روایت کافی جائزہ: ۳۸۶/۲)

(۳) غیر معتبر روایات کافی جائزہ: ۴۴۹/۲

سواری سے لگائی، انہیں بھی نیند آگئی، حضور ﷺ بیدار ہوئے تو سورج نکل چکا تھا فرمایا! اے بلال! تم نے کیا کہا تھا؟ بلال رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھے ایسی نیند کبھی نہیں آئی، آپ ﷺ نے فرمایا: اے بلال! اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمہاری روحیں قبض کر لیا اور جب چاہا لوٹا دیا، بلال اٹھو اور اذان دو... اذان وضو، اور سورج کی بلندی کے بعد نماز پڑھا دی۔ (۱)

(۲۳) یہ روایت نہیں کہی جاسکتی کہ آپ ﷺ سحری تناول فرما رہے تھے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہے جاتے تھے صبح ہو چکی ہے، تیسری دفعہ ان کے یہ کہنے پر رسول اللہ ﷺ رک گئے اور فرمایا: صبح تو نہیں ہوئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے بلال رضی اللہ عنہ کے کہنے کی وجہ سے صبح کر دی، اس کے بالمقابل یہ روایت درست ہے:

حکیم بن جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آئے، اور آپ ﷺ سحری تناول فرما رہے تھے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ہے کہ کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! نماز، رسول اللہ ﷺ کھاتے رہے، تیسری مرتبہ انہوں نے اس طرح کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! نماز، اللہ کی قسم صبح ہوگئی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ بلال پر رحم فرمائے، اگر بلال نہ ہوتے تو ہمیں امید تھی کہ ہمیں طلوع شمس تک کی رخصت مل جاتی۔ (۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سند کے رجال کو ثقہ کہا ہے (۳) معلوم ہوا کہ سورج کے طلوع ہونے میں تقدیم و تاخیر نہیں ہوئی، صرف ان کا کلام سحری کے وقت میں مزید رخصت سے مانع بن گیا۔ (۴)

(۲۴) لوگ کہتے ہیں کہ جب قیامت کے دن ایک عورت کے لیے جہنم کا فیصلہ ہوگا تو وہ اور چار مردوں کو بھی اپنے ساتھ بھیجنے کی درخواست کرے گی: باپ، بھائی، شوہر، بیٹا۔ ایسی کوئی روایت نہیں ملی۔ یہ چار مرد بھی ان کی گنہگاری کے ذمہ دار ہیں وہ خود

(۱) صحیح بخاری، باب الاذان بعد ذهاب الوقت، تحقیق محمد زبیر بن ناصر

(۲) مصنف عبد الرزاق: ۴/۱۲۳ رقم ۷۶۰۸ مع تحقیق حبیب الرحمن اعظمی

(۳) فتح الباری: ۴/۱۳۵ مع تحقیق بن باز

(۴) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۲/۲۵۱

- عورت بھی اور اس عورت کی ماں وغیرہ سر پرست خواتین بھی ذمہ دار ہیں۔
- البتہ تفسیر ابن جریر طبری میں ۷- ۳۲- ۳۳ میں اور تفسیر ابن ابی حاتم میں معتبر سند کے ساتھ یہ روایت موجود ہے کہ قیامت کے دن حساب ہوگا تو بندے کا ہاتھ پکڑ کر یا بندی کا ہاتھ پکڑ کر سامنے لا کر کھڑا کر دیا جائے گا اور ایک نندا لگانے والا فرشتہ تمام اولین و آخرین کے سامنے ندائے لگائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے اس پر جس کسی کا حق ہے وہ آئے اور اپنا حق وصول کر لے یہ سنتے ہی عورت چاہے گی کہ کسی طرح اس کا حق نکل آئے، چاہے باپ ہو یا بھائی و یا شوہر پر ہو۔ (۱)
- (۲۵) یہ روایت کہی جاتی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اللہ کے نزدیک محمد صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ محبوب ہیں یا دین؟ بعض مرتبہ طویل و سوال و جواب بھی نقل کیا جاتا ہے اس کی کوئی سند نہیں ملی، یہ موازانہ ہی نامناسب معلوم ہوتا ہے کیونکہ دین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لازم و ملزوم ہیں۔ (۲)
- (۲۶) یہ روایات نہیں مل سکی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دودھ پیتا بچہ لائی اور کہا آپ اسے جہاد میں ساتھ لے جائیں، لوگوں کے یہ پوچھنے پر کہ یہ بچہ جہاد میں کیا کرے گا تو اس عورت نے جواب دیا کچھ نہ ہو تو اپنے لیے ڈھال بنا لینا۔
- اس کے بجائے مندرجہ ذیل روایت سنائی جاسکتی ہے کہ حضرت شعبی سے منقول ہے کہ ایک عورت نے احد کے دن اپنے بیٹے کو ایک تلوار دی، لیکن بیٹا نہیں اٹھا سکا، عورت نے تلوار بازو کے ساتھ تسمہ سے باندھ دی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میرا بیٹا آپ کے دفاع میں قتال کرے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے بیٹے! یہاں سے پکڑو! (دو مرتبہ) اسی دوران اُسے چوٹ لگی اور گر گیا، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لگتا ہے

(۱) مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ، ص ۳۳۵

(۲) غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۲۹۰/۲۳۲

گھبرا گئے ہو؟ لڑکے نے کہا یا رسول اللہ ﷺ گھبرا نہیں رہا۔ (۱)

②۷ إن العالم أو المتعلم إذا مر على قرية، فإن الله يرفع العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوماً“ بے شک جب کوئی عالم یا طالب علم کسی گاؤں سے گزرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُس گاؤں کے قبرستان والوں سے چالیس دن عذاب ہٹا دیتے ہیں (جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات صغریٰ میں فرمایا: ”لا أصل له“ اسی طرح داعی کے بارے میں بھی کہی جاتی ہے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ (۲)

②۸ ایک نابینا بڑھیا کے بیٹے کا مرنے کے بعد زندہ ہونا یہ واقعہ ثابت ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ، ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ اور ابو نعیم رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ایک نوجوان انصاری کی عیادت کے لیے گئے، ان کے پاس ان کی بوڑھی ماں بیٹھی ہوئی تھی جو کہ نابینا تھی، تھوڑی دیر میں اس نوجوان کی روح پرواز کر گئی، ہم نے اس کے چہرے پر کپڑا ڈال دیا اور ان کی والدہ سے کہا اپنی مصیبت پر اللہ کے یہاں ثواب کی اُمید رکھو، اس عورت نے کہا کیا میرے بیٹے کا انتقال ہو گیا ہے؟ ہم نے کہا ہاں! اس نے دعا کی اے اللہ اگر تو جانتا کہ میں تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف پہنچے، اس امید پر ہجرت کی ہے کہ آپ ہوں گے کہ ہر مصیبت کے کافی ہوگی تو آج مجھ پر یہ مصیبت نہ ڈال۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قسم بخدا تھوڑی ہی دیر ہوئی کہ اُس نوجوان نے کپڑا اٹھایا اور کھانا کھایا اور ہم نے بھی اس کے ساتھ کھانا کھایا۔

اس واقعہ کی دوسری سند بھی ہے، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے خصائص کبریٰ میں ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں نقل کیا ہے۔ (۳)

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، رقم: ۳۷۹۷، مع تحقیق محمد دعوامہ غیر معتبر روایات کافی جائزہ

(۲) پچاس غیر ثابت روایات مفتی مبین الرحمن صاحب فاضل جامعہ اسلامیہ دارالعلوم کراچی، مختص

جامعہ اسلامیہ طیبہ، کراچی

(۳) دلائل النبوة للبيهقي، باب ماجاء في المهاجرة الى النبي ﷺ التي أحياء الله تعالى

بعدائها ولدها بعد مامات۔

(۲۹) عالم کو دیکھنا یا عالم کا سونا عبادت ہے“ یہ حدیث نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص کسی عالم کو علم دین کی نسبت پر عظمت کی نظر دیکھتا ہے تو یقیناً اس کے لئے باعث اجر ہوگا۔ ”النظرة الى وجه العالم عبادة وكذا الجلوس معه والكلام والاكل لا يصح“ (۱)

اس طرح کسی عالم کا مشغلہ ہی تعلیم و تعلم ہو اور وہ صرف اس لیے سوتا ہوتا کہ اپنی نیند پوری کر کے دوبارہ اپنی دینی و علمی مصروفیات میں لگ سکے تو اس عالم کا سونا عبادت بن جائے گا۔

”نوم العالم عبادة“ لا أصل له، في المرفوع هكذاب ورد
نوم الصائم عبادة وصمته تسبيح، وعمله مضاعف
ودعاءه مستجاب وذنبه مغفور“ رواه البيهقي بسند
ضعيف عن عبد الله بن أبي أوفى (۲)

(۳۰) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی غربت اور فقر کے متعلق ایک واقعہ مشہور ہے کہ حضور ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کے گھر آئے تو پردہ کے لیے ان کے پاس کپڑا نہیں تھا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر اندر بھیجی، یہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔

عن عمران بن حصين ان فاطمة مريضة فهل لك ان
تعودها، قال: قلت فداك أبي وأمي وأى شرف اشرف
من هذا؟ قال: انطلق فانطلق رسول الله ﷺ، وانطلقت
معه حتى أتى الباب، فقال: السلام عليكم! أأدخل؟
فقلت: وعليكم السلام أدخل، فقال رسول الله ﷺ

(۱) المقاصد الحسنة: ۶۹۶

(۲) الاسرار المرفوعة: ۱/ ۳۷۴-۳۷۵، تحقيق روايات وواقعات، سلسلة نمبر: ۲۷

انا ومن معی؟ قالت ومن معك؟ قال معی عمران بن حصین، الخزاعی، قالت والذی بعثك بالحق، ما علی الا هذا، العباءة قال، ومع رسول ﷺ ملاءة خلقة، فرمی بها الیها، فقال لها، شدیها علی رأسك، ففعلت“ (۱)

③۱ آپ ﷺ کے انتقال سے پہلی رات کو عائشہ رضی اللہ عنہا نے پڑوسی سے چراغ کے لیے بطور قرض تیل لیا اس لیے کہ گھر میں تیل نہیں تھا، یہ روایت ثابت ہے۔ ”طبقات بن سعد میں ہے: فأرسلت عائشة عیسیٰ بنی النصارى بمصباحها، فقالت أقطری لنا فی مصباحنا من علیتك السمن فان رسول الله ﷺ، أمسى فی جدید الموت“ (۲)

③۲ ”میزبانی کے کھانے پر حساب نہیں ہوگا“ اس کو بطور حدیث کے نہیں بیان کرنا چاہئے، امام عراقی، امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ، علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ البانی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے موضوع قرار دیا۔ ”ثلاثة لا یحاسب علیها العبد، أكله السحور، وأما أفطر علیہ، وما أكل مع الاخوان“ (۳)

③۳ آپ ﷺ کھجور کو پوری منہ میں رکھ کر تناول فرماتے تھے، خصوصاً تر کھجور اور اس کی گٹھلی نکالنے کے سلسلہ میں تین طریقے احادیث میں وارد ہیں: پہلا طریقہ: منہ سے نکال کر بیچ کی انگلی اور شہادت کی انگلی دونوں کو ملا کر، دونوں کی پشت پر رکھنا۔

دوسرا طریقہ: مذکورہ دونوں انگلیوں کے درمیان میں رکھنا۔

تیسرا طریقہ: بائیں ہاتھ میں گٹھلیاں جمع کرنا۔ حوالہ جات کی تفصیل دیکھئے۔ (۴)

(۱) فضائل فاطمہ، لابن شہین: ۲۶/۱، شرح مشکل الآثار: ۴۱/۱، سند ضعیف ہے، شیخ طلحہ نیار

(۲) ۲۳۹/۲، مجمع کبیر طبرانی: ۱۹۸/۶

(۳) شیخ طلحہ نیار۔

(۴) الترغیب والترہیب، احادیث مشہورہ کی تحقیق، از طلحہ بلال نیار، ٹیلیگرام چینل۔

③ ”رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ“

یہ حدیث ان کے الفاظ سے وارد نہیں ہے، مرفوعاً، نہ موقوفاً و مقطوعاً:

مرفوع روایت کے الفاظ ہیں: ”قَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ“۔

مقطوع کے الفاظ ہیں: ”قَدِجْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ“۔

”رجعنا“ متکلم کے صیغہ سے کہنا روایت بالمعنی ہے، روایات میں غزوہ تبوک کا ذکر نہیں بعض تفسیروں میں بلا حوالہ ذکر ہے، مذکورہ الفاظ کو حدیث کہنا غلط ہے، البتہ حدیث کا مفہوم یعنی جہاد نفس زیادہ مشقت والا ہے کہنا صحیح ہے۔ (۱)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (فتاویٰ ۱۱/ ۱۹۷) تبوک کے موقعہ سے اس روایت کو جوڑنا بے اصل ہے کسی محدث نے ایسا نقل نہیں کیا ہے، أما الحدیث یرویه بعضهم انه قال فی غزوۃ تبوک ”رجعنا من الجہاد الأصغر إلى الجہاد الأكبر“ فلا أصل له، ولم يروه أحد من أهل المعرفة بأقوال النبی ﷺ وأفعاله“۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ابراہیم بن ابی عبیدہ کا یہ کلام ہے اور حدیث نہیں ہے۔

بیہقی کی روایت میں ہے کہ پوچھا گیا جہاد اکبر کیا ہے فرمایا: جہاد قلب۔

(۱) الترغیب والترہیب، شیخ طلحہ منیار

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں: یہ حدیث صحاح ستہ کی نہیں ہے، اصل فتح القدیر نے نقل کی ہے، اس سے علامہ شامی اور صاحب مرقات نے نقل کی ہے، احیاء العلوم میں ص ۶ ج ۳ پر بھی ان ہی الفاظ سے نقل کی گئی ہے، اس کے مخرجین نے لکھا ہے کہ رواہ البیہقی فی الذہن حدیث جابر وقال اسنادہ ضعیف اور اسی کے ہم معنی دوسری حدیث کنز العمال: ۳۲۷/ ۳ پر ہے۔ (مکتوبات علمیہ، مرتبہ مولانا سید شاہد سہارنپوری، ص ۸: ۱۳)

خطیب بغدادی نے نقل کیا ”مجاهدة العبد هواه“ بندہ کا اپنے ہوئی و نفس سے مقابلہ کرنا۔

③۵ معجزہ شق القمر کے سلسلہ میں یہ بات کہ حضور ﷺ کی انگلی کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا اس کا ثبوت ابھی تک کسی ضعیف روایت سے بھی ثابت نہیں، علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، وقد شاع ان النبی ﷺ أشار الى القمر بسبابة الشريفة فانشق، ولم أره في خبر صحيح۔ (۱) علامہ تورپشتی، نے یہ ہی نقل کیا۔ (۲) ہاں کفار و مشرکین کے مطالبہ پر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے اس سلسلہ میں واعظین سے بڑی بے احتیاط پائی جاتی ہیں۔

③۶ بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیروں کی طرف زمزم کا چشمہ نکلا، حضرت جبریل علیہ السلام کے پر مارنے سے نہ کہ حضرت اسماعیلؑ کے زمین پر پیر گڑنے سے۔

③۷ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا خندق کے موقع پر ضیافت کرنا ثابت ہے، مگر ذبح کی ہوئی بکری کا زندہ ہو جانا ضعیف ہے، مشہور روایت میں نہیں۔ (۳)

③۸ صحیح یہی ہے کہ ناخن کاٹنے کا کوئی طریقہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔ البتہ مستحب یہ ہے کہ پہلے دائیں ہاتھ کے ناخن کاٹے جائیں پھر بائیں ہاتھ کے۔ اور دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے شروع کرنا چاہیے۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کرنے کی، تو علامہ نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دائیں ہاتھ کے مکمل ناخن پہلے کاٹنے چاہئے، پھر بائیں ہاتھ کے مکمل ناخن۔ حافظ ابن حجر،

(۱) روح المعانی

(۲) المیسر فی شرح مصابیح السنة: ۵۸۱/۲

(۳) شیخ طلحہ بنیار حفظہ اللہ، الترغیب والترہیب، ٹیلی گرام چینل

ابن دقیق العید، علامہ سیوطی اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ جیسے محققین نے یہی لکھا ہے کہ ناخن کاٹنے کا سنت طریقہ ثابت نہیں ہے، لہذا کسی طریقے سے بھی کاٹ سکتے ہیں، تاہم بہتر طریقہ وہ ہے جو اوپر لکھا گیا۔ (۱)

(۳۹) نماز پڑھنے یا پڑھانے کے وقت بطور خاص عمامہ پہننا سنت نہیں ہے ایسی روایات قابل استدلال نہیں ہیں، شیخ محمد یونس صاحب جو نیپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہاں میں اپنے ذوق سے کہہ سکتا ہوں کہ چونکہ ”صلوۃ فی عمامہ“ کی فضیلت کی روایت واہی ہے، اس لیے اس کو کوئی فضیلت کا کام سمجھ کر کرنا تو بہت مشکل ہے اور اگر اس نیت سے عمامہ باندھا جائے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد مواقع پر عمامہ کا باندھنا ثابت ہے اور آپ نے عمامہ پہن کر خطبہ دیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس تو یہ ایک امر مستحسن ہوگا اور قرب کا سبب بنے گا۔ (۲)

(۴۰) ایک صحابی گھر سے تنگی کی وجہ سے نکل گئے اور کسی کی مزدوری نہیں کی مگر نماز پڑھتے رہے شام کو گھر آئے تو چکی گھوم رہی تھی گھر کے برتن بھر گئے، پھر چکی اٹھا کر دیکھا کہ آٹا کہاں سے آتا ہے چکی چلنا بند ہو گئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر چکی نہ اٹھاتے تو قیامت تک چلتی رہی تھی۔ یہ واقعہ صحیح ہے پورا واقعہ اس طرح ہے۔

”عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال: دخل رجل علی أہله، فلما رأى مابہ من الحاجة، خرج الی البریۃ، فلما رأی أمارتہ، قامت الی الرحی فوضعتها والی التنور سجرته، ثم قالت اللهم ارزقنا، فنظرت فاذا الجفنة قد امتلأت، قالت: وذهبت الی التنور فوجدته ممتلئاً، قال: فرجع،

(۱) دارالافتاء: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن۔

(۲) کتب فضائل اور تبلیغی جماعت اور اعتراضات کے جواب، مفتی محمد زید مظاہری ۷۳

الزوج، وقال: أَصْبِثُمْ بَعْدِي شَيْئًا، قالت امرأته: نعم
من ربنا وقام الى الرحي، فذكر ذلك للنبي ﷺ فقال:
أما أنه لو لم يرفعها لم تزل تدور الى يوم القيامة“ (۱)

اس کے علاوہ جو کچھ کہا جاتا ہے وہ مریض مسالہ ہے احتیاط کرنا چاہئے۔

(۴۱) جو طالب علم یا جماعت قبرستان سے گزرتی ہے تو اس پر عذاب اٹھایا جاتا ہے،
یہ روایات موضوع من گھڑت ہیں، نہیں بولنا چاہئے۔

”قال التفتازانی فی شرح العقائد ۱۲۳: قال علیہ
السلام: ”إن العالم والمتعلم إذا مرا بقربة فإن الله يرفع
العذاب عن مقبرة تلك القرية أربعين يوما“ انتہی، قال
علی القاری فی الموضوعات الكبير ۲۴: قال الحافظ
جلال الدین السيوطی لا أصل له (۲)

(۴۲) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت محمدیہ میں داخل ہونے کی تمنا اس طرح کی روایت
ابو نعیم نے دلائل النبوة میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے مختصر یہ ہے کہ
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تورات میں اس امت کے بہت سے فضائل دیکھے تو یہ
خواہش کی کہ یہ امت ان کی امت بنادی جائے ارشاد ہوا ”تلك أمة محمد“
جب بار بار یہی جواب ملا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ درخواست کی کہ ”یارب
اجعلنی من أمة محمد“ اس کی سند میں جبارہ المغلس الحماني الکوفی ہیں جو
ضعیف ہیں۔

(۱) مسند احمد، و کذا رواه البزار، والطبرانی، فی الأوسط، و رجاله رجال الصحيح

(۲) غیر شیخ البزار، و شیخ الطبرانی و ہما ثقتان کذا قالہ الہیثمی
شیخ یونس جوہوری کا من گھڑت روایات پر تعاقب، از طارق امیر خان، مختص بالحدیث، جامعہ
فاروقیہ کراچی، دیکھیے: نوادر الفقہ۔

ابن معین سے منقول ہے:

”کذاب لکن قال ابن المنیر هو صدوق یوضع له الحدیث فیرویه ولا یدری، وقال ابو نعیم هذا الحدیث من غرائب حدیث سهیل، لا أعلم أحد، رواه مرفوعاً الا من هذا الوجه تفرد به الربیع بن نعمان وبغیرہ من الأحادیث عن سهیل وفيه لين۔ (۱)

(۳۳) رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ملک الموت نے آکر حسب حکم اجازت لے کر داخل ہوئے اور سلام کیا ”السلام علیکم یا اهل النبوة“ اور کہا کیا ہم کو اجازت ہے کہ میں آؤں، سلامتی ہو تم پر اللہ تعالیٰ کی، حضرت فاطمہ الزہراء سرہانے بیٹھے ہوئی تھیں، دوسری بار پھر اجازت طلب کی اور یہی جواب ملا، تیسری دفعہ اجازت چاہی اس ہیبت ناک آواز سے تمام گھر کے آدمی کانپ اُٹھے اور ان حضرت ﷺ بھی بیدار ہو گئے۔

”فنادی فی الثالثة صوتاً، اقشعر منه جلدی، وارتعدت منه فرائصی، فقال لها النبی ﷺ یا فاطمة! أتدرین من بالباب؟ هذا هاذم اللذات ومفرق الجماعات، هذا مرمل الأزواج ومؤتم الأولاد، وهذا مخرب الدور وعامر القبور“ (۲)

(یہ روایت بیان نہیں کرنی چاہئے، مزید مطالعہ کے لیے دیکھئے حضرت مولانا شیخ یونس جون پوری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا من گھڑت پر تعاقب از مفتی طارق امیر خان صاحب)۔

(۱) نوادر الفقہ ص: ۲۲۸

(۲) معجم الکبیر الطبرانی، قال الہیثمی فیہ، عبد المنعم بن ادريس، کذاب وضاع، انتہی، علامہ سیوطی نے اللآلی میں، علامہ عراقی نے تخریج احیاء میں موضوع قرار دیا ہے۔
(نوادر الفقہ: ۳۱۰)

(۴۳) ”دل اللہ کا گھر“ حدیث کے طور پر نہیں بیان کرنا چاہیے، ”القلب بیت الرب“ موضوع ہے، امام سخاوی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، امام زرکشی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ، علامہ طاہر یثربی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوع قرار دیا۔ (۱) حدیث کے طور پر نہیں صوفیاء اور اولیاء کے ملفوظ کے طور پر یہ سنایا جاسکتا ہے۔

(۴۴) مسجد میں دنیا کی باتیں بہت بڑی حرکت ہے، لیکن ان جملوں کو حدیث کے طور پر نہیں بیان کیا جاسکتا ہے، مسجد میں باتیں کرنا نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ ”الحديث في المسجد ياكل الحسنات كما تأكل النار الحطب“ متعدد محدثین کا یہ ہی فیصلہ، یہ جملہ حدیث نہیں ہے۔ (۲)

(۴۵) صوفیاء کرام اس طرح کی روایت نقل کرتے ہیں: ”كنت كنزاً مخفياً فأحببت ان أعرف فخلقت خلقاً، فعرفتهم بي فعرفوني“ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا، پھر میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا پھر ان کو اپنا تعارف کرایا تو اس نے مجھے پہچانا، یہ مضمون تو صحیح ہے مگر حدیث قرار نہیں دیا جاسکتا متعدد محققین نے مفصل گفتگو کی ہے۔ (۳)

(۴۶) یہ غلط بات ہے کہ ”ایک صحابی کی ڈاڑھی میں ایک ہی بال تھا، اسے فرشتہ لٹک رہا تھا، انہوں نے اسے نکال دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر ٹوکا۔“

(۴۷) اللہ رب العزت نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی کہنا بالکل غلط ہے، اور بے اصل ہے اُسے اپنے عقیدہ سے توبہ کرنا چاہیے، علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

(۱) عمدۃ الاقوال: ۲۹۰، مولانا رضوان الدین معروفی، اس قسم کی باتیں بزرگوں کے ملفوظات میں ضروری ملتی ہیں۔

(۲) عمدۃ الاقوال، ص: ۲۹۱

(۳) عمدۃ الاقوال، ص: ۲۹۴

”وانه اذا كفنوه يضعونه على شفير قبره، ثم يخرجونه عنه حتى تصلی عليه الملائكة، ثم يدخل عليه رجال أهل بيته فيصلونه عليه، ثم الناس بعده فرادی، وقال السهيلي: ما حاصله ان الله قد أخبره انه وملائكته يصلون عليه، وأمر كل واحد من المؤمنين أنه يباشر الصلاة عليه سنة إليه، والصلاة عليه بعد موته من هذا القبيل“ (۱)

(۴۹) ایک عامی کا مشورہ وحی کا بدل نہیں قرار دیا جاسکتا ہے، البتہ مسلم حاکم کا ارباب حل وعقد مسلمانوں کے امور کے بارے میں وحی کا بدل کہا جاسکتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ کا لشکر بھیجتے وقت فرمایا تھا۔

”قد علمتم أن من عهدنيكم اليكم المشورة فيما لم يمض فيه من نبيكم سنة، ولم ينزل به عليكم كتاب، وقد أشرت من وسأشير عليكم فانظروا أرشد ذلك فائتمروا به، فان الله لن يجمعكم على ضلالة“ (۲)

(۵۰) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک بیان کرنا مناسب نہیں ہے، فائدہ بھی نہیں ہے، الفاظ خلط ملط ہو چکے ہیں، نام بھی مشکل ہیں۔ (۳) معد بن عدنان کے بعد بہت اختلاف ہے، مختصر تاریخ دمشق میں امام طبری، تاریخ الرسل الملوك میں اس اختلاف کو بیان کیا ہے، صرف عدنان اور اسماعیل کے بیچ کتنے واسطے ہیں اس میں بڑا اختلاف ہے ۴/۷/۹/۱۰/۱۵/۳۰/

(۱) البداية والنهاية، باب كيفية الصلوة عليه: ۵/۲۷۸ مزید دیکھیے مروجہ موضوع روایات کا علمی جائزہ۔

(۲) كنز العمال، حدیث ۳۰۲۶۹، كتاب السياسة الشرعية، الفصل السابع، المشاورة، حياة الصحابة: ۱/۵۴۹

(۳) علامہ قسطلانی مواہب اللدنیہ: ۱/۶۲

۴۰/۲۰ سبھی اقوال ہیں جیسا کہ البدایہ والنہایہ میں ہے، امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”وذلك لاختلاف النسابين في ذلك فمنهم من يزيد ومنهم من ينقص، ومنهم من يغير“ (۱) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کسی کے بھی نسب کو یہاں تک کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب کو بھی آدم تک بیان کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ (۲)

قال البغوی: وكان مالك بن أنس يكره أن ينسب الإنسان نفسه أباً أباً إلى آدم، وكذلك في حق النبي ﷺ لأنه لا يعلم أولئك الأباء إلا الله: أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا کی تفسیر دیکھی جاسکتی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ”استقام لنسب الناس الى معدن عدنان“ (۳)

(۵) انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تفسیر قرطبی اور روح المعانی میں یہ روایت قابل قبول موجود ہے کہ ایک لاکھ چھبیس ہزار اور رسولوں کی تعداد ۳۱۳/۳۱۵ صحیح روایت سے ثابت ہے۔ (۴) قلت یانبی اللہ! کم الانبیاء؟ قال مائة الف وأربعة وعشرون ألفاً من ذلك ثلاثة مائة وخمسة عشر جما غفیراً۔ ایک ہزار، چار ہزار، آٹھ ہزار روایات بہت کمزور ہیں۔ (۵)

(۱) شعب الایمان: ۵۱۲/۲

(۲) معالم التنزیل: ۳۱/۳

(۳) مجمع الزوائد: ۱۹۲/۴، فیض القدیر: ۵۵۰/۴، مولانا رشید الدین معرونی شیخ الحدیث ابن شیخ الحدیث رضوان الدین معرونی، جامعہ اشاعت العلوم اکل کوامہار سٹر، ہند۔

(۴) مسند احمد، حدیث نمبر: ۲۲۲۸۸

(۵) تحقیق روایات و واقعات از مولانا رشید الدین معرونی، ابن شیخ الحدیث رضوان الدین معرونی، جامعہ اکل کوامہار سٹر، ہند۔

(۵۲) اصحاب کہف کا کُتا جنت میں جائے گا۔

یہ بات کسی مرفوع روایات یا قول صحابی سے ثابت نہیں ہے یہ بات تو قیفی ہے بغیر نص کے نہیں کہی جاسکتی ہے وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا کی تفسیر میں ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ اور امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ تمام جانوروں کو یوم محشر جمع کیا جائے گا پھر بے سینگ والی کو سینگ والی سے بدلہ دلوادیا جائے گا، پھر مٹی بنا دیا جائے گا، البتہ اسماعیل حقی نے روح البیان میں نقل کیا کہ امام مقاتل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دس حیوان جنت میں جائیں گے، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، ابراہیم علیہ السلام کا بچھڑا، حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی، سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی، بلقیس کا ہدہ، اصحاب کہف کتا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سب دُنَبہ کی شکل میں بدل کر جنت میں داخل ہوں گے، اس قسم کی روایات مقاتل بن سلیمان نے بغیر حوالہ کے ذکر کیا ہے جبکہ وہ خود قطعاً ناقابل التفات ہیں۔

حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی میں خالد بن معدان سے منقول ہے ثقہ کثیر الارسال ہیں، اوساط تابعین میں سے ہیں، یہ آثار کا فی نہیں ہیں۔ (۱)

(۵۳) نمک سے کھانے کی ابتداء کرنا یا اختتام نمک پر کرنا ثابت نہیں ہے۔

یہ بات ان نصیحتوں میں مذکور ہے جو نصائح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خاص طور پر فرمائی تھیں، وصایا علی پر مشتمل یہ وصایا مسند ابی الحارث بن ابی اسامہ وغیرہ میں مخرج ہے، جن کو بوسیری اور ابن حجر نے اپنے زوائد میں نقل کیا ہے۔

”وَإِذَا أَكَلْتَ فَأَبْدِ بِالْمَلْحِ وَاخْتِمِ بِالْمَلْحِ، فَإِنَّ الْمَلْحَ شِفَاءٌ

سبعین داء، أَوْلَهَا الْجَنُونَ“ (۲)

(۱) تحقیق روایات و واقعات از مولانا رشید الدین معروفی

(۲) تحاف الخیرۃ المہرۃ

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کو اللالی المصنوعۃ میں موضوع قرار دیا ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات کبیر میں شیخ عجلونی رحمۃ اللہ علیہ کشف الخفاء میں ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات میں، حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے تلخیص الموضوعات میں من گھڑت قرار دیا ہے، احسن الفتاویٰ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ (۱)

کھانے کے بعد یا پہلے میٹھا کھانا سنت ہے۔ (۵۴)

اس کا تعلق سنن عادیہ سے نہ کہ امور شرعیہ سے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا پسند تھا ”کان رسول اللہ ﷺ یحب الحلواء والعسل“ لیکن کھانے سے پہلے یا کھانے کے بعد ان کا معمول ہو یہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں وہاں تو مہینوں چولہا نہیں جلتا تھا، دو وقت لگا تا رہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روٹی نصیب نہیں ہوتی، زیادہ تر کھانا یہی تھا کہ کھجور کھالیا اور پانی پی لیا، شکر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا بھی نہیں، شہد، کھجور اور اس کی بنید کوشیرینی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا، ایک آدھ بار کھانے سے پہلے یا کھانے کے بعد کھجور پیش کیے جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا اس کی وجہ سے وہ عمل اتفاقات میں سے ہوگا، سنت نہیں قرار دیا جائے گا، ابو الہیثم رضی اللہ عنہ کے دسترخوان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے دسترخوان پر عکراش بن ذویب بھی موجود تھے، پہلے میں کھجور کھایا، دوسری روایات میں کھانے کے بعد کھجور تناول فرمایا۔ (۲)

ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی نماز پر گدھے کا زندہ ہونا ثابت ہے۔ (۵۵)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دلائل النبوة میں بسند صحیح ابوصبرہ نخعی سے روایت کیا وہ فرماتے ہیں: یمن سے ایک شخص (نباتہ بن یزید) تشریف لائے، جب وہ راستہ میں

(۱) احسن الفتاویٰ: ۹/۹۱

(۲) تحقیق روایات و واقعات، مولانا رشید الدین معرونی، ٹیلیگرام چینل

تھے ان کی سواری (گدھا) ہلاک ہو گیا، چنانچہ اُسی وقت وہ کھڑے ہوئے وضو کیا، اور دو رکعت نماز پڑھی پھر کہا: ”اے اللہ! میں تیری راہ میں نکلا تیری رضا جوئی کے لیے جہاد میں نکلا اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تو مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور جو قبروں میں ہیں انہیں تو دوبارہ زندہ کرے گا آج مجھ پر کسی کے احسان کا ابو جہ نہ ڈال میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں دوبارہ اس گدھے کو زندہ فرما۔ امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے اس گدھے کو بازار میں بکتے ہوئے دیکھا۔

مسلم بن عبد اللہ بن شریک نخعی فرماتے ہیں جب وہ بازار میں بیچ رہے تھے تو اُس وقت کسی نے ان سے کہا: آپ اس گدھے کو بیچ رہے ہیں جس کو اللہ نے دوبارہ زندہ کیا؟، تو انہوں نے کہا: کیا کروں؟ اُس وقت ان کے خاندان کے ایک شخص نے کہا۔

وَمَنْ أَلْهِىَ أَحْيَا إِلَهَ حِمَارِهِ

وقدمات منه كل عضو ومفصل (۱)

”اور ہم کا ہے وہ آدمی جس کے گدھے کو اللہ نے اس کے تمام اعضاء کے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا۔“

⑤۶ آپ ﷺ سے کسی نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ﷺ اللہ کہاں ہے، زمین میں یا آسمان میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: اس کے مومن بندوں میں۔
”فی عبادہ المومنین“ اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (۲)

⑤۷ میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے رہتے ہیں۔
”انا عند المنكسرة قلوبهم من اجلى“ (۳)

(۱) باب ماجاء فی المجاہدین فی سبیل اللہ الذی بعث حمارہ بعد مانفق، دلائل النبوة للبيهقي: ۱/۲۷۴، الاصابة في تمييز الصحابة: ۱/۱۵۶

(۲) المغنی: ۱۲

(۳) الاسرار: ۷/۱۳، كشف الخفاء: ۱/۲۳۴

۵۸) اے داود! ایک تیری چاہت ہے اور ایک میری چاہت ہے، اگر تو میری چاہت پر اپنی چاہت کو قربان کر دے تو میں تیری چاہت میں تیری کفایت کروں گا اور ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔ اور اگر تو میری چاہت پر اپنی چاہت کو قربان نہ کرے، تو میں تم کو تیری چاہت میں تھکا دوں گا اور ہوگا وہی جو میں چاہوں گا۔ ”قال الله لداود عليه السلام: تريد واريد، ويكون ما اريد فإن أردت ما أريد، كفيتك ما تريد، ويكون ما أريد، وإن أردت غير ما أريد عنيتك فيما تريد ويكون ما أريد“۔

یہ روایت اگرچہ مختلف کتب میں مذکور ہے مگر سند کسی میں مذکور نہیں ہے، اور جہاں سند کا ذکر ہے وہاں کافی کلام ہے، اور حضور ﷺ کی طرف نسبت کہیں نہیں کی گئی، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت اسرائیلیات میں سے ہے، لہذا نبی ﷺ کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔

۵۹) جب میں دنیا کو تباہ کرنے کا ارادہ کروں گا تو ابتدا میرے گھر سے کروں گا، چنانچہ اس کو تباہ کر کے دنیا کو ویران کروں گا۔ ”إذا أردت أن أخرج الدنيا بدأت ببיתי فخربته ثم أخرج الدنيا على أثره“ (۱) یہ تمام روایت بیان کرنا غلط ہے۔

۶۰) میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں ”علماء أمتي كأئبياء بني اسرائيل“۔

یہ روایت ان لفظوں کے ساتھ اگرچہ بے اصل اور ناقابل بیان ہے، لیکن اس معنی پر مشتمل مضمون معتبر روایتوں میں ثابت ہے، جنہیں بیان کرنا درست ہے لوگوں میں درجہ نبوت سے قریب ترین علماء اور مجاہدین ہیں۔ ”أقرب الناس من درجة النبوة أهل العلم والجهاد“۔

ابن حجر اور زرکشی نے فرمایا کہ اس کی اصل نہیں ہے۔

⑥ کل قیامت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے سیاہ پن اور کالے پن کے ذریعہ تمام جنتی لوگوں کو ٹیکا لگایا جائے گا، اس سے متعلق کوئی روایت معتبر کتابوں میں ہم کو نہیں ملی۔

حضرت مولانا الیاس صاحب نور اللہ مرقدہ کو انبیاء کے مثل اور انبیاء کے درجہ میں قرار دینا شریعت سے ناواقفیت کی دلیل ہے، اس طرح کی باتوں کی وجہ سے تبلیغی مکتب فکر کے مخالف لوگوں کو مخالفت کے لئے اور تبلیغی جماعت کی باتوں کو کمزور کرنے کے لئے اچھا موقع ہاتھ آ سکتا ہے؛ اس لئے تبلیغ کے ذمہ دار حضرات کو اس قسم کی باتوں پر روک لگانے کی ضرورت ہے۔ (۱)

⑦ اللہ کے راستہ میں جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے افضل کہنا درست نہیں ہے۔

⑧ اگرچہ ایک قصہ زبان زد عوام و خواص ہے، جس میں دور رسالت میں ایک نوجوان کی حالت نزع کا ذکر ہے، والدہ کی نافرمانی کی وجہ سے وہ کلمہ کی تلقین کا جواب نہیں دے رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی، والدہ کو کہلوا بھیجا، جب والدہ نے رضا کا اظہار کیا تو نوجوان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین کا جواب دیا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا، اس قصہ کو مختلف طرز و انداز سے بیان کیا جاتا ہے، اس کے ساتھ حسب عادت حاشیے بھی لگائے جاتے ہیں۔

یہ روایت موضوع ہے بیان کرنا درست نہیں ہے۔

هذا حديث لا يصح عن رسول الله ﷺ، وفي طريقه

فائد، قال أحمد بن حنبل: متروك، وقال يحيى: ليس

بشيء، وقال ابن حبان: لا يجوز الاحتجاج به، وقال

العقيلي: لا يتابعه على هذا الحديث إلا من هو مثله۔

⑥۳ جب ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے لئے آئے تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا تم نے کسی دوست کو دیکھا ہے جو اپنے دوست کو موت دے، اس وقت اللہ نے ان پر وحی فرمائی کہ کیا آپ نے کسی محب کو دیکھا ہے جو اپنے محبوب کی ملاقات کو ناپسند کرے، ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے ملک الموت اب میری روح قبض کر لیجئے۔

اسی طرح جبریل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر ہو کر گویا ہوئے:

یا رسول اللہ! ملک الموت دروازے پر کھڑے شرف باریابی چاہتے ہیں۔ آپ سے پہلے انہوں نے کسی سے اجازت نہیں مانگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جبریل! اسے آنے دو۔“ ملک الموت نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوئے، اور کہا: السلام علیک

یا رسول اللہ! مجھے اللہ نے آپ کی چاہت جاننے کیلئے بھیجا ہے کہ

آپ دنیا میں ہی رہنا چاہتے ہیں یا اللہ سبحانہ و تعالیٰ کے

پاس جانا پسند کرتے ہیں؟ فرمایا: ”مجھے اعلیٰ و عمدہ رفاقت پسند ہے،

مجھے اعلیٰ و عمدہ رفاقت پسند ہے۔“ و دخل سیدنا جبریل علی

النبي وقال: یا رسول اللہ! ملک الموت بالباب، يستأذن

أن يدخل علیک، وما استأذن علي أحد من قبلك. فقال

النبي: ”اذن له یا جبریل“ فدخل ملک الموت علی النبي

وقال: السلام علیک یا رسول اللہ! أرسلني الله أخیرک،

بین البقاء فی الدنيا و بین أن تلحق بالله. فقال النبي: ”بل

الرفیق الأعلى، بل الرفیق الأعلى“

حضرت جبریل علیہ السلام کا آنا اور ملک الموت کی اجازت والی تمام

روایات انتہائی کمزور اور ناقابل اعتبار ہیں۔ (۱)

وفاتِ نبوی ﷺ کے موضوع پر استاذِ حدیث و فقہ جدہ سعودی عرب، مفتی محمد عمر شفیق صاحب ندوی کی کتاب محقق نظر سے گزری حضور ﷺ کا سفرِ آخرت، علامت، وفات اور بعد از وفات کے حالات۔ (۲)

⑥۵ رسول ﷺ سے پوچھا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ پانی پر چلے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ان کا یقین اور زیادہ قوی ہوتا تو ہوا پر چلتے۔ قیل للنبی ﷺ ان عیسیٰ علیہ السلام یقال انه مشی علی الماء فقال ﷺ: لو اذداد یقینا لمشی علی الهواء۔

⑥۶ حضرت ادریس علیہ السلام ملک الموت کے دوست تھے انہوں نے ملک الموت سے جنت اور جہنم دکھانے کی درخواست کی، ملک الموت ان کو لے کر آسمان پر گئے اور انہیں جہنم دکھائی، حضرت ادریس علیہ السلام جہنم دیکھ کر گھبرا گئے، قریب تھا کہ بے ہوش ہو جاتے ملک الموت نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا، کیا دیکھ چکے؟ حضرت ادریس علیہ السلام نے کہا جی ہاں دیکھ لیا، آج کے جیسا منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا، پھر ان کو لیکر گئے اور جنت دیکھائی، حضرت ادریس علیہ السلام جنت میں داخل ہوئے، کچھ وقت کے بعد ملک الموت نے کہا کہ چلئے، آپ نے جنت بھی دیکھ لی، حضرت ادریس علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں میں جنت میں داخل ہونے کے بعد نہیں نکلوں گا، ملک الموت سے کہا گیا کہ کیا آپ نے ان کو جنت میں داخل نہیں کیا تھا؟ اب انہیں وہیں رہنے دو کیوں کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی نکالا نہیں جاتا۔ ان ادریس علیہ السلام کا صدیق الملک الموت الخ

اس روایت کے بارے میں ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ روایت اسرائیلیات

(۱) تنبیہات، حصہ سوم، تنبیہ، ص: ۲۱۳

(۲) مطبوعہ مکتبہ نودیہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، اُس سے اس مضمون پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

میں سے ہے، اور اللہ ہی جانتا ہے کہ صحیح ہے یا نہیں۔ (۱)

فائدہ: مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ معارف القرآن میں لکھتے ہیں:

بعض روایات میں جو ادريس علیہ السلام کا آسمان پر اٹھانا منقول ہے ان کے متعلق ابن کثیر نے فرمایا ہے: هذا من اخبار كعب الاحبار الاسرائیلیات وفي بعضه نكارة یہ كعب احبار کی اسرائیلی روایات میں سے ہے، ان میں سے بعض میں نکارت اور اجنبیت ہے یا زندہ آسمان میں اٹھایا جانا مراد ہے، اس لئے ان کا رفع الی السماء قطعی نہیں، اور تفسیر قرآن اس پر موقوف نہیں۔ (۲)

① اسرائیلی روایات میں حضرت ایوب علیہ السلام کے مرض کے متعلق مبالغہ آمیز روایتیں درج ہیں اور ان میں ایسے امراض کا انتساب کیا گیا ہے جو باعث نفرت سمجھے جاتے ہیں، اور جن کی وجہ سے ایسے مریض انسان سے بچنا ضروری سمجھا جاتا ہے، مثلاً جذام یا پھوڑے پھنسیوں کا اس حد تک پہنچ جانا کہ بدن گل سڑ جائے اور بدبو سے نفرت پیدا ہونے لگے، ان روایات کو نقل کرنے کے بعد بعض مفسرین نے یہ اشکال پیدا کیا کہ نبی کو ایسا مرض لاحق نہیں ہوتا جو انسانوں کی نگاہوں میں باعث نفرت ہو، اور اس وجہ سے وہ مریض سے دور بھاکتے ہوں اس لئے کہ یہ نبوت کے مقصد تبلیغ و ارشاد کے منافی ہے اور رشد و ہدایت کے لئے رکاوٹ کا باعث ہے، پھر اس کے دو جواب دیئے، ایک یہ کہ شاید یہ مرض حضرت ایوب علیہ السلام کو نبوت سے پہلے لاحق ہوا ہو اور مصیبت و آزمائش پر صبر و شکر کے بعد جب ان کو شفا ہوئی تب منصب نبوت سے سرفراز کیا گیا ہو اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اسرائیلی روایات غیر مستند اور مبالغہ آمیز ہیں اور قرآن عزیز اور احادیث رسول میں اس کے متعلق کوئی تفصیل موجود نہیں ہے، لہذا نہ اشکال

(۱) فتح الباری، باب ذکر ادريس علیہ السلام

(۲) معارف القرآن: ۶/۲۲

پیدا ہوتا ہے اور نہ اس کے جواب کی ضرورت باقی رہتی ہے، محققین کی رائے یہی ہے اور یہی صحیح اور درست ہے، اور جب کہ قرآن عزیز نے مرض کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی اور تمام ذخیرہ حدیث اس کے ذکر سے خالی ہے تو اسرائیلی روایات پر بحث قائم کرنا فضول اور لغو ہے۔ (۱)

مذکورہ اقتباس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

- ① قرآن وحدیث میں بیماری کا کوئی ذکر نہیں ہے۔
- ② اسرائیلی روایتوں میں جو تفصیل مذکور ہے وہ مبالغہ آمیز ہے اور منصب نبوت کے خلاف ہے جس پر کسی حال میں اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔
- ③ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انار کا ایک دانہ اٹھایا اور اس کو کھالیا ان سے کہا گیا کہ آپ ﷺ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا مجھ تک یہ بات پہونچی ہے کہ زمین کے انار میں جنت کے دانوں میں ایک سے دانہ ڈالا جاتا ہے شاید یہ وہی ہو۔ (۲)
- مگر یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی کہ امام ابن قیم اور ملا علی قاری کے بقول اور اسناد کے تفصیلی جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ انار کی فضیلت والی تمام روایات غیر مقبول اور مردود ہیں۔ (۳)
- ④ حضرت بشیر بن عقرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ احد کے بعد جب میں نے روتے ہوئے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میرے ابا کا کیا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ شہید ہو گئے، اللہ ان پر رحمت نازل فرمائے؟ یہ سن کر میں رو پڑا، آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور فرمایا: چپ ہو جاؤں، کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں کہ میں تمہارا باپ ہو جاؤں، اور عائشہ تمہاری ماں

(۱) قصص القرآن، مولانا حفص الرحمن سیوہاروی: ۲/۵۶۱، نیز دیکھئے: معارف القرآن: ۷/۵۲۲

(۲) جنت کے حسین مناظر، ص: ۵۵۸۔ بکھرے موتی: ۱/۴۸

(۳) مروجہ موضوع احادیث علمی جائزہ، ص: ۲۳۱

- ہو جائے، میں نے کہا: کیوں نہیں؟ میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ (۱)
- ④ عَفْوًا تَعْفُ نِسَاؤُكُمْ (۲) یہ حدیث حسن یا ضعیف درجہ کی ہے لیکن من زنی زنی بہ ولو بحیطان دارہ“ جو زنا کرے گا اس سے بھی زنا کیا جائے گا اگرچہ اس کی دیواروں سے ہی کیوں نہ ہو) یہ بات ثابت نہیں البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار میں یہ مضمون موجود ہے۔ (۳) کذا فی الشامی۔ (۴)
- ⑤ گلاب میرے پسینہ سے پیدا ہوا، اس قسم کی روایات کے بارے میں امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے من گھڑت قرار دیا ہے۔ (۵)
- ⑥ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوئی اور آپ کو دعوت کا حکم دیا گیا تو ایک بار حضرت خدیجہ بنتی النبیہا نے حسب معمول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کے لیے بستر بچھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بستر لپیٹ دو اب آرام کے دن ختم ہو گئے ”مضی عہد النوم یا خدیجۃ“ اس روایت کو فی ظلال القرآن میں سید قطب نے دو جگہ ذکر کیا ہے شیخ علوی بن عبد القادر سقاف تخریج میں فرماتے ہیں کہ ایسی کوئی حدیث نہیں ملی ہے۔ (۶)
- ⑦ ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایک جنگ کے موقع پر فتح نہیں ہو رہی تھی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ فتح نہ ملنے کی وجہ کیا ہے تو معلوم ہوا کہ مشغولیت کی وجہ سے مسواک کرنا بھول گئے تو سب ساتھیوں نے مسواک نکال کر مسواک کرنا شروع کر دیا جب دشمنوں نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے یہ تو

(۱) مجمع الزوائد، نمبر: ۱۳۵۱۷

(۲) مجمع الزوائد، فیض القدیر

(۳) مروجہ موضوع روایات کا علمی جائزہ، ص ۳۳۲

(۴) تنبیہات، حصہ دوم، سلسلہ نمبر: ۶۴، ص: ۸۰

(۵) تفصیل دیکھئے مروجہ موضوع احادیث کا علمی جائزہ، ص: ۲۰۷

(۶) عبد الباقی اخونزادہ، تنبیہات، ص ۵۸ سلسلہ نمبر: ۱۸

دانت تیز کر رہے ہیں، لگتا ہے ہمیں کچا ہی چبا جائیں گے تو ڈر کر دشمن بھاگ گئے۔ فتح مصر کے واقعات میں بعض قصہ کو لوگوں نے بیان کیا ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ (۱)

④ فرض نماز کا اہتمام فرض ہے، ترک گناہ کبیرہ ہے، ترک کے وبال کو بیان کرتے ہوئے مندرجہ ذیل حدیث بیان کی جاتی ہے:

فجر: جو شخص جان بوجھ کر فجر کی نماز چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کے چہرے سے صبح کا نور ہٹا دیا جاتا ہے، ظہر: جو شخص ظہر کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کے رزق میں سے برکت اٹھالی جاتی ہے، عصر: جو شخص عصر کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ اس کے جسم کی طاقت کو سلب کر لیا جاتا ہے اور وہ ہر وقت بیمار رہتا ہے، مغرب: جو شخص مغرب کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کی اولاد نافرمان ہو جاتی ہے، عشاء: جو شخص عشاء کی نماز جان بوجھ کر چھوڑ دیتا ہے؛ تو اس کو چین و سکون کی نیند نہیں آتی ہے۔

فتاویٰ قاسمیہ میں ہے کہ ”پانچوں وقت کی نمازوں کے ترک کرنے والے کے نقصانات سے متعلق جو سوالنامہ میں ذکر کیا ہے، قرآن مقدس میں یا کسی صحیح حدیث شریف میں وضاحت کے ساتھ وہ چیزیں تلاش بسیار کے باوجود ہماری نظر سے نہیں گزریں۔“ (۲)

⑤ عرب کی جاہلیت کو بیان کرتے ہوئے بعض مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف یہ بات منسوب کر دی جاتی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ بھی اسلام لانے سے قبل بچی کو زندہ درگور کئے تھے، جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے از خود اسلام سے پہلے کسی بچی کو زندہ درگور کرنے کی کوئی روایت ہم کو نہیں ملی، البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت مل گئی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) تنبیہات، سلسلہ نمبر: ۱۹، عبدالباقی اخونزادہ

(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۸۵/۴

کی بارگاہ میں تشریف لا کر فرمانے لگے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں اپنی آٹھ لڑکیوں کو زندہ درگور کیا ہے اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ بارہ یا تیرہ لڑکیوں کو زندہ درگور کیا، تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم ہر ایک بچی کی طرف سے ایک ایک غلام آزاد کر دو، اس پر حضرت قیس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے پاس غلام تو نہیں البتہ اونٹ ہیں، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک ایک بچی کی جانب سے ایک ایک اونٹ صدقہ کر دو۔ (۱)

④ بیوی سے جماع کی فضیلت

ذیل کی تمام روایتیں موضوع ہیں:

[۱] جو مرد پیار سے اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑے اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں اور جب معانقہ کرتا ہے تو بیس نیکیاں اور جب بیوی کا بوسہ لیتا ہے تو ایک سو بیس نیکیاں ملتی ہیں اور جب صحبت کرتا ہے تو دنیا و مافیہا سے افضل ہوتا ہے اور جب غسل کرنے جاتا ہے تو جس بال پر بھی پانی گذرتا ہے تو ہر بال کے بقدر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس گناہ معاف کئے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس بندے کو دیکھو اس ٹھنڈی رات میں اٹھا اور جنابت کا غسل کیا، وہ اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ میں اس کا رب ہوں، تم گواہ رہو کہ میں نے اس کی مغفرت کر دی۔

”ما من رجل من المسلمين يأخذ بيد امرأته يراودها إلا

كتب الله له عشر حسنات، فإذا عانقها فعشرون حسنة،

فإذا قبلها فعشرون ومئة حسنة، فإذا جامعها ثم قام إلى

مغتسله لم يمر الماء على شعرة من جسده إلا كتب الله له

بها عشر حسنات وخطأ عنه عشر خطيئات، وإن الله

عزّوجلّ لیباهی به الملائكة فيقول: انظروا إلى عبدي
قام في هذه الليلة الشديد بردها فاعتسل من الجنابة
مؤمناً أني ربه أشهدكم أني قد غفرت له“ (۱)

[۲] مسلمان مرد جب اپنی بیوی سے جماع و صحبت کرتا ہے تو اس کو ۷۰ نفلوں کے برابر ثواب ملتا ہے۔

[۳] اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرنے سے چالیس ہزار سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

[۴] جب مرد اپنی بیوی کے پاس جائے اور ”بِسْمِ اللّٰهِ“ پڑھ کر ہمبستری کرے، اگر اللہ کوئی اولاد بخشے تو اس کے اپنے اور اس کی اولاد کے سانسوں کی گنتی کے برابر نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی۔

④ درودِ زہ کی فضیلت

[۱] عورت کو ایک بچہ پیدا کرنے پر ۷۵ سال کی نماز کا ثواب اور ہر ایک درد پر ایک حج کا ثواب ملتا ہے۔

[۲] جب عورت کو دردِ ولادت ہوتا ہے تو آسمان و زمین کے رہنے والے نہیں جانتے کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ پوشیدہ رکھا گیا ہے۔

[۳] جب اس کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسکو کہا جاتا ہے کہ اے اللہ کی بندی جاؤ تمہارے سارے گناہ معاف ہو چکے، نئے سرے سے اعمال شروع کرو

”فاذا اصابها الطلق لم يعلم أهل السماء وأهل الارض
ما أخفى لها من قرّة أعين“ (۲)

(۱) غنیۃ الطالبین: ۹۳-۹۴، فصل فی آداب النکاح

(۲) المعجم الاوسط للطبرانی، حدیث ۶۷۳۳، دار الحرمین القاہرہ، تاریخ دمشق: ۴۳/۷۷۳، ۳۴

دار الفکر، بیروت، بحوالہ: غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ: ۳۸۷/۱

[۴] بچہ پیدا ہونے میں جو تکلیف برداشت کرتی ہے ہر ایک رگ کے درد پر ایک ایک حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

[۵] بچے کی پیدائش کے بعد اس کے لئے ستر سال کی نماز اور روزہ کا ثواب لکھا جاتا ہے۔

[۶] بچہ ہونے کے بعد عورت ۴۰ دن کے اندر فوت ہو جائے تو اس کو شہادت کا درجہ عطا ہوگا۔

④ دودھ پلانے کی فضیلت

ذیل میں ذکر کی گئی روایات بھی نقل کرنے کے لائق نہیں ہیں:

[۱] جو عورت اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے اسے اللہ تعالیٰ ہر قطرے پر ایک نیکی عطا کرتے ہیں۔ ”وَلَمْ يُمَصَّسْ مِنْ ثَدْيِهَا مَصْصَةً إِلَّا كَانَ لَهَا بِكُلِّ جُرْعَةٍ وَبِكُلِّ مَصْصَةٍ حَسَنَةٌ“۔

[۲] جب دودھ پلاتی ہے تو ہر بار دودھ پلانے پر بنو اسماعیل کے ایک غلام کو آزاد کرنے کا اجر ملتا ہے۔ ”فَإِذَا أَرْضَعْتَ فَلَهَا بِكُلِّ رَضْعَةٍ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ“ (۱)

[۳] بچہ رات کو روئے اور ماں بغیر برا بھلا کہے اس کو دودھ پلائے تو اس کو ایک سال کی نمازوں اور روزوں کا ثواب ملے گا۔

[۴] جب بچے کے دودھ کا وقت پورا ہو جائے تو آسمان سے ایک فرشتہ آکر اس عورت کو خوشخبری سناتا ہے کہ اے عورت! اللہ نے تجھ پر جنت واجب کر دی ہے۔

[۵] جب دودھ پلانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے تو آسمان سے آواز دی جاتی ہے کہ اے عورت! از سر نو عمل شروع کر کیونکہ گذشتہ سارے گناہ معاف ہو چکے۔ ”فَإِذَا فَطَمَتْهُ نَادَى مُنَادٌ مِنَ السَّمَاءِ: أَيُّهَا الْمَرْأَةُ! اسْتَأْنَفِي الْعَمَلَ فَقَدْ كَفَيْتِ مَاضِي“

[۶] جو عورت اپنے بچے کے رونے سے رات بھر نہ سو سکے تو اللہ تعالیٰ اس کو ستر

غلاموں کو آزاد کرنے کا اجر دیتے ہیں۔ ”فَإِنْ أَسْهَرَ هَالِيلَةَ كَانْ لَهَا مِثْلُ

أَجْرِ سَبْعِينَ رَقَبَةً يَعْتَقُهُنَّ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ“

[۷] جو عورت اپنے بچے کی بیماری کی وجہ سے نہ سو سکے اور اپنے بچے کو آرام دینے کی

کوشش کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف کر دیتے ہیں اور اس کو بارہ

سال کی قبول عبادت کا ثواب ملتا ہے۔

④ گھر کا کام کرنے کی فضیلت

[۱] جو عورت ذکر کرتے ہوئے جھاڑو دے تو اللہ تعالیٰ اس کو خانہ کعبہ میں جھاڑو

دینے کا ثواب عنایت کرتے ہیں۔

[۲] عورت بھی اپنے شوہر کے گھر میں صفائی کی نیت سے چیزوں کو قرینے سے رکھے

گی تو اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کی نظر ڈالے گا اور جو بھی اللہ کا منظور نظر ہو گیا اسے

عذاب سے امان مل جائے گی۔

”مَا مِنْ امْرَأَةٍ رَفَعَتْ مِنْ بَيْتِ زَوْجِهَا شَيْئًا مِنْ مَوْضِعٍ

إِلَى مَوْضِعٍ تَرِيدُ بِهِ صَلَاحًا إِلَّا نَظَرَ اللَّهُ إِلَيْهَا، وَمِنْ نَظَرِ

اللَّهِ إِلَيْهِ لَمْ يَعْذِبْهُ“

[۳] جو عورت آٹا گوندھتے وقت ”بسم اللہ“ پڑھے تو اس کے رزق میں برکت ڈال

دی جاتی ہے۔

[۴] جو عورت گائے یا بھینس کا دودھ ”بسم اللہ“ پڑھ کر دوہے تو وہ جانور اس کو دعائیں

دیتا ہے۔

[۵] جب کوئی عورت اپنے گھر میں کام کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو نظر رحمت سے دیکھتے

ہیں۔

[۶] جب کوئی عورت اپنے گھر کا صحن صاف کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے محبت و رحمت کی

نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ (مذکورہ تمام باتیں من گھڑت ہیں)۔
ان سب کے بجائے یہ باتیں کہی جاسکتی ہیں:

☆ إذا دعا الرجل زوجته لحاجته فلتجبه، وإن كانت على التنور،
جب شوہر اپنی بیوی کو اپنی ضرورت کے لیے بلائے تو فوراً چلے جانا چاہئے،
چاہے وہ چولہے پر ہو۔ (۱)

☆ وَلَا تَجِدُ امْرَأَةً حَلَاوَةً الْإِيمَانِ حَتَّى تُؤَدِّيَ حَقَّ زَوْجِهَا وَلَوْ سَأَلَهَا
نَفْسَهَا وَهِيَ عَلَى ظَهْرِ قَتَبٍ (۲)

☆ رسول اللہ ﷺ نے تین شخص پر لعنت بھیجی: ایک وہ شخص جو قوم کی ناپسندیدگی
کے باوجود امامت کرے، دوسری: وہ عورت جس پر شوہر ناراض ہو، تیسرا وہ شخص
جو حلیٰ علی الفلاح سننے کے باوجود نماز کا حق ادا نہ کرے۔ (۳)

شریعت اسلامی میں زیادہ بچے جننے والی خاتون کی فضیلت ہے اور ایمان والے
کو کانٹے کے لگنے پر یہی ثواب ملتا ہے، بخار پر بھی گناہ دھلتے ہیں، اگر عورت
درِ زہ میں مرجائے تو آخرت کے اعتبار سے شہادت کا مقام ملتا ہے: ”وَالْمَرْأَةُ
تَمُوتُ بِمُجْمَعِ شَهِيدَةٍ“ (۴)

صبر سے متعلق کافی فضائل موجود ہیں، قرآن میں صبر پر بے حساب اجر دینے کا
وعدہ ہے: ”إِنَّمَا يُؤْتِي الصَّابِرُونَ أَمْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ“ صبر کرنے والوں
کو بے حساب دیا جاتا ہے، دودھ پلانے، امور خانہ داری میں دلچسپی لینے اور اس
قسم کے عام فہم کچھ آیات و احادیث کے فضائل بیان کیے جاسکتے ہیں۔

(۱) صحیح ابن حبان، حدیث نمبر: ۴۱۶۵، اس کی سند صحیح ہے۔

(۲) مستدرک حاکم، حدیث نمبر: ۷۳۲۵، صحیح بخاری و مسلم کی شرط پر ہیں۔

(۳) ترمذی، حدیث نمبر: ۳۵۸

(۴) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۳۱۱۱

۸۹) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ایسی باتیں نہیں بولی جانی چاہئے جس سے مقام نبوت مجروح ہوتا ہے، معتمد کتب تفسیر سے یہ باتیں ثابت ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کوہ طور پر جانا، اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوا تھا، اس مدت میں بھی دعوت و تبلیغ کا کام بند نہیں ہوا تھا، بلکہ حضرت ہارون علیہ السلام برابر اس کام کو انجام دیتے رہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے ستر فقہاء سے آگے جانے میں جلدی کی تھی اور گمراہ ہونے والے قوم کے وہ افراد تھے، جو حضرت ہارون علیہ السلام کی زیر نگرانی تھے، موسیٰ علیہ السلام کے جلدی چلے جانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلدی چلنے پر اللہ تعالیٰ نے کوئی نکیر اور ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا، بلکہ ان کی یہ تعجیل قابل تعریف سمجھی گئی، حدود شرع میں رہتے ہوئے خلوت و عزلت اور گوشہ نشینی بھی شرعاً مطلوب و محمود اور سنن انبیاء میں سے ہے، اس کو علی الاطلاق گمراہی کا سبب قرار دینا خود گمراہی ہے۔ (۱)

۸۸) اسباب کے درجہ میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء عظام سے مدد حاصل کرتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام کا آنے والے شخص سے بادشاہ کے پاس اپنے ذکر کرنے برآمد حاصل کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے، یہ ہی رائج تفسیر ہے، حضرت یوسف علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہرگز غافل نہیں ہوئے تھے، نہ ہی شیطان کے انہیں بھلا دیا تھا، شیطان نے بھلانے اور غفلت میں ڈالنے کی نسبت حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف ہرگز صحیح نہیں ہے، بلکہ شیطان نے اس ساقی کو جو جیل سے رہائی پا کر بادشاہ کے پاس گیا اُس کو یوسف علیہ السلام کے تذکرہ سے بھلا دیا۔

۸۷) حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہاری اور قاضی زین العابدین کی تحقیق کے مطابق تو ”اُذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ“ کا مطلب یہ ہے کہ میرے اس عقیدہ

(۱) حوالہ جات کے لئے دیکھئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ سے متعلق مفتی زید مظاہری دامت

توحید اور میری دعوت و تبلیغ اور میری سیرت و کردار کا ذکر بادشاہ کے سامنے کرنا، شیطان نے ساقی کو بھلا دیا، اس کا بھولنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب اور عقاب کی وجہ سے نہیں ہوا، بیان القرآن میں یہ وضاحت موجود ہے۔ (۱)

قرآن ہاتھ میں لے کر پڑھنا کمالِ ادب اور زیادتیِ ثواب کا ذریعہ ہے، لیکن (۸۳) عذر یا بلا عذر موبائیل میں بھی قرآن پڑھنا درست ہے۔

دینی خدمات (تعلیم، تدریس، امامت، مؤذنی، خطابت) پر اجرت لینا جائز (۸۴) ہے، عزیمت اور قربانی حسب استعداد دی جاتی ہے، خلفاء راشدین تنخواہ لیتے تھے اور ماتحتوں کو دیتے بھی تھے، تنخواہ لے کر پڑھانا تجارت سے بھی افضل ہے، تنخواہ لینے سے اخلاص متاثر نہیں ہوتا، یکسو ہو کر دینی خدمات میں لگنے پر امت کو زیادہ فائدہ پہونچتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ملفوظ جو حیاۃ الصحابہ میں موجود ہے کہ اے قرآن و علم والو! قرآن اور علم پر قیمت نہ لو، ورنہ زانی تم سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے، یہ اثر محققین کے مطابق ناقابلِ نقل ہے، کنز العمال میں الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع خطیب بغدادی سے نقل کیا گیا، اس میں ”زناۃ“ نہیں، ”دناۃ“ لکھا ہے، مسند میں معلیٰ بن بلال ہے جو متہم بالکذب راوی ہے، اس کذاب کے ہوتے ہوئے اس روایت کو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا ہے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خود تنخواہ کیوں طے فرماتے تھے، امت پہلے ہی سے علماء کرام و خدام دین کی ناقدری ہے، اس قسم کی باتیں کیا قوم کو جری نہیں بنادیں گی؟ کیا قلیل تنخواہوں پر کام کرنے والے اور عام تجار علماء برابر ہو سکتے ہیں۔ (۲)

(۱) حوالہ سابق

(۲) دیکھئے: آپ بیتی، تجدیدِ تعلیم و تبلیغ، خیر القرون کی درس گاہیں، ہندوستان کا نظامِ تعلیم و تربیت، مجموعہ مقالات قسط دوم، مفتی زید مظاہری دامت برکاتہم

مجموعہ تفاسیر و احادیث اور فقہاء و مجتہدین کی تحریرات و تحقیقات کو نظر انداز کر کے سیرت صحابہ وغیرہ سے کوئی مسئلہ بنانا نہایت کم علمی ہے۔

۸۵) دین اسلام میں سیاست مکمل ایک شعبہ ہے، جس پر سینکڑوں کتابیں لکھی گئیں اُردو زبان میں اسلام کا نظام حکومت، (مولانا حامد غاری الانصاری) اسلام کا نظام سیاست (مولانا اسحاق سندیلوی) مفتی تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی اسلام اور سیاسی نظریات ان سب میں یہ بات مسلم ہے:

① حقیقی امیر وہ ہوتا ہے جسے قوت قہریہ حاصل ہو اور اُس کے بہت سے کام ہیں۔

② مدرسہ یا کسی تنظیم کا امیر جس کے محدود کام ہوتے ہیں اُسے امارت صغریٰ والی امارت کہی جاسکتی ہے۔

③ اطاعت کے فضائل اور بغاوت کی وعیدیں وغیرہ سب امارت کبریٰ والے امیر سے متعلق ہیں۔

۸۶) امامت کبریٰ میں تو بے شک حاکم اصل اور اس کی مجلس شوریٰ اس کے تابع ہوتی ہے، لیکن کسی ادارہ، تنظیم وغیرہ کے احکام اُس کے اپنے دستور کے مطابق ہوں گے، دارالعلوم دیوبند، ندوۃ العلماء، مظاہر علوم وغیرہ کے دستور کے مطابق مہتمم مجلس شوریٰ کا ملازم اور ماتحت ہوتا ہے، ان سب اداروں کے دستور اور تاریخ کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے، یہ سب بے غبار اور اصولی باتیں ہیں، عوام و خواص کو اس کے خلاف کسی کی حمایت یا مخالفت میں حدود شریعت کو تجاوز نہیں کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۸۷) یاد رکھیے! انبیاء علیہم السلام کے علاوہ دلائل شرعیہ کے بغیر خواب، الہام، کشف دلیل نہیں ہو سکتا ہے، دلیل شرعی کے بعد ان مبشرات سے سہارا اور تائید لی جاسکتی ہے، لیکن وہ کبھی بنیاد نہیں ہو سکتی ہے۔

⑧ قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مبسوط کتاب ”مقامات مقدّسہ“ میں آیات و احادیث کی روشنی میں لکھا ہے کہ حرم اور کعبۃ اللہ مرکز عبادت و امن ہے، طور سینا مرکز عسکریت ہے اور مسجد اقصیٰ مرکز شوکتِ اسلام ہے، اس کے علاوہ علمی، دعوتی، عبادتی مراکز تبدیل ہوتے رہتے ہیں، سیاسی مرکز بھی مدینہ منورہ تھا، کبھی بغداد، ہندوستان میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا سر ہند حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا مدرسہ رحیمیہ علم و تجرید کا مرکز رہا، اس لیے کسی علمی، سیاسی، عبادتی مرکز کو تا قیامت منصوص کی طرح مرکز قرار دینا صاف مغالہ انگیزی ہے، پُر اُمید ہونا اللہ تعالیٰ سے حُسنِ ظن رکھنا الگ ہے، بطور عقیدہ کے اس قسم کے چرچے ختم ہونا چاہئے۔

⑨ جس کے ذریعہ ایمان اور دین ملا اس کی قدر دانی، احسان شناسی ہونا چاہئے، اپنا شیخ، یا مدرسہ، یا تبلیغی محنت لیکن اس کا مطلب کورانہ تقلید، اندھی اتباع نہیں ہے، کوئی خاص خانوادہ یا گھرانہ معیار حق نہیں ہے قرآن و سنت اور سلفِ صالحین کی فہم کسوٹی ہے، اس کے بغیر اہل بیت معتبر نہیں تو ہما شما کا کیا پوچھنا!

⑩ ”ادنی جنتی کی جنت دنیا سے دس گنا بڑی ہوگی“ یہ حدیث سے ثابت ہے کہ جس آدمی کے پاس رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو اگرچہ اس کے اعمال خراب رہے ہو، اولاً اُسے جہنم میں ڈالا جائے گا اور کچھ دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مؤمنین سے فرمائیں فرمائیں گے جو پہلے ہی سے اللہ کے فضل سے جنت میں داخل ہو چکے ہوں گے کہ ”ایسے شخص کو جہنم سے نکال دو جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو، چنانچہ اس حال میں جہنم سے نکالا جائے گا کہ جل کر کوئلہ ہو چکا ہوگا، اس کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا جہاں سے وہ صاف ستھرا ہو کر نکلے گا، پھر اس کو اتنی بڑی جنت دی جائے گی جو دنیا سے دس گنا بڑی ہوگی“۔ (۱)

(۱) بخاری شریف، کتاب الإیمان، باب تفاضل أہل الإیمان، حدیث نمبر: ۶۵۶۰/۶۳۱۱، مسلم شریف، کتاب الإیمان، باب اثبات الشفاعۃ و اعمواج الموجودین من النار، حدیث نمبر: ۱۸۶۰

⑨۱ **فَلْيَبْلُغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبُ** یوم الآخر ۱۰/ویں ذی الحجہ کو رسول اللہ ﷺ نے ایک طویل خطبہ میں فرمایا: ظاہر ہے کہ اُس کے بعد اعمال حج باقی رہتے ہیں، ایسا کہنا کہ اُس خطبہ کے یا یہ بات سن کر صحابہ اپنی اپنی اوٹنی کے رُخ پر چلے گئے نہایت کم علمی کی بات ہے۔

⑨۲ انبیاء علیہم السلام کے مستند واقعات کے لیے قصص الانبیاء، ابن کثیر، قصص القرآن، مولانا حفظ الرحمن سیوہاری، اور حیاۃ الصحابہ کا گہرا مطالعہ کرنا چاہئے، فرعون بحر قلزم جسے بحر احمر بھی کہا جاتا ہے، میں ڈبو یا گیا، وہ دریائے نیل میں نہیں ڈبو یا گیا اس طرح کی بہت سی تاریخ و سیرت کی اغلاط کو رواج نہیں دیا جانا چاہئے۔

⑨۳ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غار ثور میں سانپ نے ڈسا، آنسو حضور ﷺ پر گرے، ابن کثیر فرماتے ہیں اس میں غوایت اور مکارق ہے، بیہقی نے دلائل نے سیوطی نے درر منثور میں نقل کیا، لیکن مسند مذکور نہیں ہے، اُس سانپ کا بنی اسرائیل کا ہونا، عرصہ دراز سے انتظار میں رہنا کسی مستند کتاب میں نہیں ملا۔

⑨۴ یہودی کے جنازہ کے لیے کھڑے ہونا ثابت ہے، بخاری شریف کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے جنازہ گذرا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے، کہا گیا وہ یہودی کا جنازہ ہے فرمایا: ”أَلَيْسَتْ نَفْسًا“ کیا وہ انسانی جان نہیں ہے۔

اسی طرح ایک یہودی غلام نبی اکرم ﷺ کی خدمت کرتا تھا، بیمار ہو گیا، نبی اکرم ﷺ نے عیادت کی، سرہانے بیٹھے، فرمایا: ”أَسْلِمَ“ اسلام قبول کرو، تو وہ اپنے باپ کو دیکھنے لگا، تو باپ نے کہا: ”أَطِيعُ أَبَا الْقَاسِمِ“ احمد کی مان لو، تو اس نے کلمہ پڑھا، آقا ﷺ یہ فرماتے ہوئے نکلے: ”الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أُنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ“ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس کو جہنم سے بچا لیا، یہ بھی بخاری کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ کا رونا اور یہ فرمانا کہ ایک

جان میرے ہاتھ سے چھوٹ کر جہنم میں چلی گئی، علماء کرام کو نہیں ملی۔

(۹۵) یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ”حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی قوم ہلاک ہو گئی“ پھر عرصہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کو مٹی کے کھلونے بنانے کا حکم ہوا، پھر توڑنے کا حکم ہوا، اس پر وہ رنجیدہ ہوئے، اس دلی کیفیت پر کہا گیا: اے نوح! ان معمول بے جان کھلونوں کے توڑنے پر تمہیں اتنی تکلیف ہوئی، آپ کی بددعا کی وجہ سے پوری قوم تباہ ہو گئی، مجھے ان بندوں سے کیا محبت نہیں تھی؟“ یہ واقعہ مقام انبیاء کے خلاف ہے، نوح علیہ السلام کا بددعا کرنا جذبات کی وجہ سے نہیں تھا، یہ بددعا بھی شفقت کی وجہ سے تھی، جیسا کہ دعائیہ آیات بتلائی ہے کہ اگر یہ زندہ رہے تو مزید قوم کو گمراہ کرتے رہیں گے، انہیں بتلادیا گیا تھا کہ اور کوئی اس کے بعد ایمان لانے والا نہیں ہے: ”أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ“ (۱)، بلکہ علامہ قرطبی تو فرماتے ہیں کہ ”حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی“۔

(۹۶) حدیث میں ہے: ”حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مینڈک ابراہیم علیہ السلام کی آگ بجھا رہا تھا، اور گرگٹ اُس آگ میں پھونک مارتی رہی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس نوعی خصوصیت کی وجہ سے) مینڈک کو مارنے سے روکا اور گرگٹ کو مارنے کا حکم دیا: ”فَنَهَى عَنْ قَتْلِ هَذَا وَأَمَرَ بِقَتْلِ هَذَا“ (۲)

(۹۷) فرشتوں کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مشابہت میں ٹاٹ کا لباس پہننا، اس روایت کو جلال الدین سیوطی، ابن عراق، ابن الجوزی نے موضوع قرار دیا ہے، حدیث کے الفاظ ہیں: ”أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَمَرَ الْمَلَائِكَةَ أَنْ تَتَخَلَّلَ فِي السَّمَاءِ

(۱) سورة هود: ۳۶

(۲) مصنف عبد الرزاق: ۴/۴۶۶، حدیث نمبر: ۸۳۹۲

کتحللُ اُبی بکرفی الارض“۔ (۱)

اس موضع پر وقتاً فوقتاً معتدل اہل افتاء و اصحاب حق کے تحقیق کی کتابیں آتی رہتی ہیں اس سے استفادہ کرنا چاہئے، جیسے: چند معروف لیکن غیر مستند احادیث، مفتی صداقت علی، مدرسہ مرکزی دار القراء نمکنڈی، پشاور، مکتبہ عمر فاروق، محلہ جنگلی پشاور، سے طبع شدہ ہے استفادہ کرنا چاہئے۔

سورج کا طلوع نہ ہونا صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے ہیں: ”إِنَّ الشَّمْسَ لَمْ تُحَبِّسْ عَلَى بَشَرٍ إِلَّا لِيُوشَعَ لَيْلًا لِيَسَارَّ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ“ (۲) اور علی اختلاف الروایات، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی نماز عصر کے لئے واپس کر دیا گیا، اس کے علاوہ بلال رضی اللہ عنہ کے لیے ثابت نہیں۔



(۱) الصواعق المرحقة على أهل الرفض والضلال والزندقة للملہشمی: ۱/۲۱۴،

مؤسسة الرسالة - لبنان، الطبعة الاولى: ۱۴۱۷ھ

(۲) مسند احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۸۳۱۵، محقق شعیب الرنوط نے اس حدیث کے اسناد کو امام بخاری کے شرائط کے مطابق صحیح قرار دیا ہے۔

کچھ قابل مطالعہ اہم کتابیں

☆ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کی دینی دعوت
مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ شناس، تاریخ نویس شخصیت گزری ہے بہت
سے تحریکات اور اس کے بانیوں کو قریب سے دیکھا، پرکھا، سمجھا، تعارف کروایا،
مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی طویل صحبت سے فیض اٹھایا ان کی محنت، فکر کو خوب سمجھا،
خود مولانا نے انہیں اپنی تحریک کا ترجمان بنایا تھا، کام کو اپنی اصل ڈگر پر رکھنے
کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔

☆ تاریخ دعوت و عزیمت، از مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ میں بتلایا گیا کہ ہر
زمانہ کے تقاضے کے مطابق دین و شریعت کے محافظ علماء کرام پیدا ہوتے رہے
ہیں، کسی تحریک یا کسی سلسلہ کو اس طور پر اپنا کارنامہ نہیں بیان کرنا چاہئے، جیسا
کہ چودہ سو سال میں انہوں نے ہی وہ کام کیا جواب تک چھوٹا ہوا تھا، نیز دیگر
تحریکات و محنتوں کے سلسلہ میں حسن ظن، عظمت و اعتراف دل میں پیدا
ہوتا ہے۔

☆ دین و شریعت : از مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ یہ اور تاریخ دعوت و عزیمت
در اصل کارکنان دعوت کے سامنے ان کی فکر کی معتدل تشکیل اور طریقہ مناسب
اجزاء ترکیبی کو شامل کرنے کے لیے ان اکابر نے صف اول کے سامنے یہ
محاضرات و لکچرس پیش کیے تھے حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں سے زیادہ مولانا

الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مزاج و منشاس کوئی نہیں تھا ان بزرگوں کے زبان و قلم سے عالم اسلام و عالم عرب میں اس عظیم محنت کی ترجمانی کروائی گئی، اور یہ دونوں اپنے زمانہ کے اصحاب علم تزکیہ و بانیان تحریکات کے منظور نظر رہے ہیں، عالمی شخصیات و تحریکات اور اس کے نشیب و فراز پر ان سے زیادہ کسی کو تجربہ نہیں تھا نبض شناس و دور اندیشی سے انہوں نے جو کچھ بھی لکھا کہا اس کی آج پہلے سے زیادہ ضرورت ہے۔

☆ مفتی محمد زید صاحب مظاہری ندوی نے تھانویات، ندویات، (قاری صدیق صاحب رحمۃ اللہ علیہ) پر سلسلہ وار مختلف عناوین پر مستند کام کیا ہے، انہیں معاصر اکابرین کا غیر معمولی اعتماد حاصل رہا، ندوۃ العلماء جیسی عظیم درس گاہ کے استاذ ہیں، جماعت تبلیغ پر بھی انہوں نے متعدد کتابیں افادات اکابر پر مشتمل جمع فرمائی ہیں، بطور خاص اس کتاب میں وسائل اور مقاصد مدارس اور خانقاہوں کی آبادی، شرعی پنچایت و دارالقضاء کا قیام، مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے بڑوں سے نیاز مندانہ تعلق، فضائل و مسائل کی درجہ بندی اور دونوں کی اہمیت غیر مسلموں میں کام سے متعلق مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جذبہ، سیاست و حکومت میں حصہ لینے والوں کی قدر دانی، دینی جلسوں اور تصنیفی کام کی ترغیب وغیرہ موضوعات پر مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مختلف ملفوظات و اقتباسات کو جمع کیا ہے، اہل دعوت کو اس سے مکمل استفادہ کرنا چاہیے۔

دعوت و تبلیغ کے موضوع پر مفتی محمد زید مظاہری ندوی کی کتابوں کی فہرست
 ① دعوت و تبلیغ کی اہمیت و ضرورت اور اس کے مقاصد (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اور اس کام کے ذریعہ پورا دین زندہ کرنے کا طریقہ (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)

- ② تبلیغی چھ نمبروں کی اہمیت و ضرورت (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)
- ③ دعوت و تبلیغ کے اصول و آداب (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)
- ④ اللہ کے راستے میں نکلنے والوں کے لئے خصوصی ہدایات (افادات مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ)
- ⑤ علماء کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)
- مدارس اور جلسہ و چندے سے متعلق خصوصی ہدایات (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ)
- ⑥ جہاد کی حقیقت اور فی سبیل اللہ کی تشریح (افادات مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مع اضافہ)
- ⑦ دعوت و تبلیغ کے اصول و احکام (افادات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)
- ⑧ اسباب و اعمال اور تدبیر و توکل کا شرعی درجہ (افادات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)
- ⑨ آداب تقریر و آداب تربیت (افادات حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)
- ⑩ احکام مناظرہ (دعوت و تبلیغ میں مناظرہ اور حکمت عملی) (افادات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ)
- ⑪ اللہ کے راستے میں نکلنے کی اہمیت (افادات مولانا صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ)
- اور دعوت و تبلیغ سے متعلق ضروری اصطلاحات (افادات مولانا صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ)
- ⑫ کتب فضائل اور تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات (شیخ الحدیث مولانا محمد یونس رحمۃ اللہ علیہ)
- ⑬ تبلیغی چھ نمبر قرآن پاک کی روشنی میں (افادات حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

رحمۃ اللہ علیہ، زیر ترتیب)

⑫ تبلیغی جماعت اکابر علماء کی نظر میں۔ (زیر ترتیب)

☆ پروفیسر محسن عثمانی دامت برکاتہم کی کتابیں؛ ہندو مذہب، دعوت دین؛ برادران وطن اور اقوام کے درمیان سے بطور خاص استفادہ کرنا چاہئے۔

☆ پیام انسانیت کے پلیٹ فارم سے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے نکلے ہوئے رسائل بھی ایک داعی کے لیے بہترین مواد فراہم کر سکتے ہیں۔

☆ مولانا کلیم صدیقی صاحب دامت براتہم کے رسائل میں ”نسیم ہدایت کے جھونکے“ اور اسی طرح نو مسلم بھائی بہن کے قبول اسلام کے وجوہات و تاثرات سے بھی کافی مدد حاصل ہوتی ہے، ان کی کارگزاریاں مخاطب کے دل کو دستک دینے کے اسباب بتلاتی ہے۔

☆ سنتوں اور دعاؤں کے مستند ذخیرے کے لیے مندرجہ ذیل کتابوں سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

① شمائل کبریٰ مولانا ارشاد القاسمی بھاگلپوری، گورینی رحمۃ اللہ علیہ

② الدعاء المستنون -----

③ سنن و آداب مولانا ابوبکر بن مصطفیٰ پٹنی (ڈابھیل)

④ جامع عمل الیوم واللیہ مولانا الیاس صاحب بارہ بنکوی